رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت

پیغمبرِ عدل وامن

تالیف

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور- کراچی ○ پاکستان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت

پیغمبر عدل و امن

تالیف

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

نام کتاب	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت پیغمبر عدل وامن
تالیف	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
تعداد	پانچ سو
تاریخ اشاعت	اکتوبر 2011ء
کمپیوٹر کوڈ	ST59
قیمت	-/250 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247350 فیکس:37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-3221201-32630411۔ فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب سیرتِ طیبہ جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے عام ڈگر سے ذرا ہٹ کر ہے اور صرف رسول اللہ ﷺ کی سیرت وسنت کے بعض اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوششوں سے عبارت ہے، جن میں عدل، امن اور مساوات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، بنیادی طور پر یہ تین سیرت لیکچرز ہیں جو مختلف مواقع اور مختلف جگہوں پر دیئے گئے اس لیے کہیں کہیں تکرار بھی نظر آئے گا مگر یہ تکرار بھی قند مکرر کا کام دے گا، ان تین لیکچروں کی تفصیل یوں ہے۔

(1) رسول اکرم ﷺ بحیثیت پیغمبر عدل وسلامتی

(2) قیامِ امن سیرت طیبہ کی روشنی میں

(3) اسلامی اخوت ومساوات اور آج کا انسان

سیرت نگاری ایک نازک اور مشکل کام تو ہے مگر ایک عظیم الشان اور جلیل القدر کام بھی ہے، نازک اس لیے ہے کہ ذرا سی لغزش سے ایمان کی دولت اکارت جاتی ہے، مشکل اس لیے ہے کہ اس پاکیزہ کام کے لیے اہلیت وصلاحیت اور دولتِ ایمان وعقیدت اور بڑی محنت بھی درکار ہے، اس میں مصادر سیرت، خصوصاً قرآن کریم، حدیثِ نبوی، کتبِ سیرت اور تاریخ اسلام پر عبور ہونا چاہئے جس کے لیے ظاہر ہے پہلے عربی زبان پر عبور ضروری ہے جو مصادر سیرت کی اصل زبان ہے، لیکن یہ کام عظیم وجلیل بھی ہے کیونکہ اس میں ایک ایسی ہستی کی مبارک زندگی، تعلیمات اور کارناموں سے بحث ہوتی ہے جن پر، چھ ارب انسانوں پر مشتمل دنیائے انسانیت میں سے تقریباً ڈیڑھ ارب انسان، ایمان رکھتے اور محبت وعقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں اور ان کی شان میں ادنی سی بے ادبی اور گستاخی کرنے والے کو مردود اور جہنمی قرار دیتے ہیں، مزید یہ کہ غیر مسلم دنیا کے بعض اہل فکر ودانش

نے بھی بڑی سائنٹفک تحقیق کے ذریعہ انہیں تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا سب سے زیادہ مؤثر اور ہر محاذ پر سب سے زیادہ کامیاب مصلح قرار دیا ہے!

ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت پر بحث و تحقیق کے لیے ایسے موضوعات یا سیرت کے پہلو منتخب کئے جائیں جو ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں، گم گشتہ یا فراموش شدہ ہیں یا نسبتاً اہم اور انسانیت کے لیے آج بے حد مفید ہیں عصری تقاضے یہ ہیں کہ نبی رحمت و شفقت اور عدل و سلامتی کی سیرت پاک کو نئے رنگ اور پر کشش انداز میں پیش کیا جائے، دشمنانِ اسلام کی جعل سازیوں اور بہتان طرازیوں کے پردے چاک کئے جائیں تاکہ عصرِ حاضر کے روشن ضمیر انسان پر حقائق واضح ہو جائیں! یہ کتاب اسی قسم کی ایک کوشش ہے! اس میں جو کچھ بھی ہے از راہِ عقیدت و محبت ہے، اگر کہیں سوئے ادب کا پہلو نکلتا ہو تو اس پر ہر دم نادم و رتائب ہونا میرا ایمان ہے!!

ذرۂ خاکِ پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ظہور احمد اظہر

ہماری یہ دنیا

ہماری یہ دنیا - خصوصاً ہم مسلمانوں کی یہ دنیا - ہمیشہ کی طرح آج بھی ظلم اور بدامنی کی زد میں ہے، اسے ہمیشہ کی طرح آج بھی امن اور سلامتی کی ضرورت ہے سب کی آرزو ہے کہ وہ امن وسکون کی زندگی گزارنے کے قابل ہوں، سبھی لوگ امن اور سکون کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان نظر آتے ہیں مگر صورت حال یہ ہے کہ امن اور سلامتی کی "فاختہ" انسانوں کی رسائی سے دور بہت دور جارہی ہے بیچارہ و بے قرار اور بے چین انسان امن اور سکون کو ترس گیا ہے لیکن ایک حقیقت کو یہ انسان شاید بھول گیا ہے، اس حقیقت کے بغیر امن اور سلامتی کا خواب پورا نہیں ہوسکتا اور وہ حقیقت ہے عدل اور انصاف! جب تک دنیا کے ہر انسان کے ساتھ بغیر کسی مذہبی یا نسلی فرق اور تمیز کے انصاف نہیں ہوتا، اس وقت تک دنیا میں امن کا قیام ناممکن ہے۔ امن اور سلامتی کی "فاختہ" کے لئے پہلے عدل اور انصاف کی فضا اور ماحول کا وجود شرط ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ ظلم اور بے انصافی کی فضا میں امن قائم نہیں ہوسکتا اور جو لوگ ظلم اور بے انصافی کی طاقت سے دنیا میں امن قائم کرنے نکلے ہیں وہ یا تو بے عقل اور پاگل ہیں یا اندھے اور بہرے ہیں اور یا پھر وہ بدخواہ اور بدنیت ہیں، ان کا قیامِ امن کا دعویٰ بھی جھوٹا اور باطل ہے، دراصل وہ قیامِ امن کی کوششوں کے پردے میں اپنے کچھ گھٹیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ امن وامان اور سکون وسلامتی کی عمارت کا حقیقی اور بنیادی ستون تو عدل اور انصاف ہے! دنیا میں ظلم بھی ہوتا رہے اور امن بھی قائم ہوجائے؟ یہ کسی دیوانے کا خواب تو ہوسکتا ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں یا اسے آپ کسی بدخواہ اور بدنیت انسان کا مغالطہ اور فریب کاری تو کہہ سکتے ہیں امن اور سلامتی کی فضا سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں! امن کی بنیاد تو عدل ہے!

امن کے لیے عدل کس قدر ضروری اور مفید ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے

کہ دوسری عالمی جنگ کے موقع پر ہٹلر کی بمباری سے لندن کی تباہی کے مناظر سے گھبرائے ہوئے عوام کے اس جواب پر چرچل نے فتح کا نشان بنا دیا تھا کہ "لندن کی عدالتیں عدل اور انصاف کے فیصلے دے رہی ہیں!!" بظاہر عادلانہ فیصلے جنگ کی تباہ کاری کو تو نہیں روک سکتے مگر برطانوی وزیرِ اعظم کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جس ملک کی رعایا کو انصاف مل رہا ہے اس ملک کو جنگ میں بھی شکست نہیں دی جا سکتی کیونکہ اس کی رعایا عدل اور امن کے گہوارے یعنی اپنے وطن کے لیے جنگ کی تباہ کاریوں کے سامنے نہیں جھکے گی اور اس کے دفاع کے لیے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گی!

یہ تو تھی چرچل کی بات جو دنیا کو وکٹری کا نشان بنانا ورثے میں دے گیا اور اپنی توقع کے مطابق اپنی قوم کو فتح سے بھی ہمکنار کر گیا، مگر اس کی پھیلی ہوئی امپائر کی ریاستیں بلا تفریق گوری اور کالی رعایا کو یکساں انصاف دیتی بھی تھیں یا نہیں اور وکٹری کا نشان بنانے اور عدالتوں کے منصفانہ فیصلوں سے اس کی مراد یہ تھی بھی یا نہیں؟

عدل و امن کا رشتہ

مگر جس ہستی نے سب سے پہلے انسان کو یہ تصور ہی نہیں پیغام بھی دیا تھا کہ دنیا میں قیامِ امن کے لیے پہلے عدل و انصاف کی پر امن فضا کا وجود لازمی اور ضروری ہے وہی ہستی ہے جنہیں تمام دنیا خاتم الانبیاء اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب سے جانتی اور مانتی ہے! حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیائے انسانیت کو جو پیغام دیا اس کا پہلا قدم ہی عظیم الشان انصاف کا قیام اور ظلمِ عظیم کی بدترین شکل کا خاتمہ تھا!!

ظلمِ عظیم کا خاتمہ

دنیا اس وقت ظلم کی جس سب سے بڑی آلائش میں ملوث تھی اور جس گناہِ عظیم کی مرتکب ہو رہی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی تھی!! اور وہ یوں کہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے مگر لوگوں نے اس کا حق دار بتوں کو ہی مان لیا تھا یا فرعونوں اور نمرودوں نے بھی اللہ تعالیٰ کا یہ

حق مار رکھا تھا، قرآن کریم نے اسی لیے تو شرک باللہ کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے(1) یہ "ارباب من دون اللہ" نہ صرف اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کے مجرم تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مظالم ڈھانے اور عدل سے انکاری ہونے کے مجرم بھی تھے! قیامِ عدل و انصاف دنیا میں امن وسلامتی لانے کا ضامن ہے، پیغمبرِ عدل وسلامتی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عدل و انصاف کو امن وسلامتی کی بنیاد بلکہ خشتِ اول قرار دیا تھا کہ گویا امن سے پہلے دنیا میں عدل و انصاف کی اطمینان بخش فضا ضروری ہے، بس تم دنیا میں عدل قائم کردو امن خود بخود قائم ہو جائے گا!!

دنیا آتشِ ظلم کی لپیٹ میں

اگر آپ اپنے گردوپیش پر نظر ڈالیں اور یہ دنیا جسے اب سامراجی لٹیرے اور عالمی چوہدری گلوبل ولیج (Global village) یا کرۂ زمین کی بستی کا نام دینے پر اتراتے پھرتے ہیں، اس دنیا کو غور سے دیکھیں تو آپ کو ہر طرف ظلم اور بے انصافی کے اندھیرے ہی معلوم ہوں گے اور بدامنی اور بے قراری کی چیخ و پکار ہی سنائی دے گی، آج کا مظلوم و بے قرار انسان ظلم کی چکی میں پس رہا ہے اور ایک گونہ اضطراب و بے چینی سے دوچار ہے، گویا ظلم اور اضطراب کی ایک آگ دھک رہی ہے جس کے شعلے ہر طرف سے بڑھتے اور لپکتے دکھائی دیتے ہیں، کوئی انسان ایسا نہیں جو ان بڑھتے لپکتے شعلوں سے لرز نہ رہا ہو، کوئی بھی دل ایسا نہ ہوگا جو خوف سے دہلا نہ گیا ہو، دنیا کا کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں ظلم کی آگ نہ سلگ رہی ہو اور کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جو خود کو ان شعلوں اور سلگتی آگ سے محفوظ سمجھتا ہو، یوں لگتا ہے کہ ہماری یہ دنیا انسانوں، حیوانات اور نباتات کی دنیا ہی نہیں بلکہ بے بسی اور بے بسی کا تپتا و دہکتا ایک جہنم ہے جو دنیا کے ہر گوشے کو اپنی لپیٹ میں لے کر اسے بھسم کر دینا چاہتا ہے، ایسے میں اگر دنیا کے انسان غمزدہ، دل گرفتہ اور جگر سوختہ نہ ہوں اور مایوسی و ناامیدی کے سمندر میں خود کو غرق ہوتا اور ڈوبتا ہوا محسوس نہ کریں تو اور کیا کریں!

ظلم کی آگ اور عدلِ اسلامی

یہ فضا اور یہ ماحول آپ کو کچھ ایسا ہی نہیں لگتا جو چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کی دنیا کا تھا؟ جس کا کچھ نقشہ قرآن مجید کی سورت الروم کی اس آیت کریمہ میں پیش کیا گیا ہے (2):

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

''کہ دنیا کی خشکی، تری (اور اب تو فضا) میں فساد مچا ہوا ہے جو دراصل انسانوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے''۔

یہ کرتوت کس کے تھے؟ اس وقت کی دو بڑی سپر طاقتوں کی عالمی جنگ کے جس نے کئی سالوں سے خشک و تر کو اپنی لپیٹ میں لے کر ظلم کی آگ میں بھسم کر دیا تھا! پھر یہ دونوں سپر طاقتیں - روم و ایران - ظلم کی آگ دہکا کر اس میں اس وقت کی دکھی انسانیت کو بھسم کر کے خود بھی باری باری اپنی اسی جلائی ہوئی آگ میں بھسم ہو کر رہ گئیں، تب عرب کے صحراء میں ہلچل پیدا ہوئی تھی، غارِ حراء سے روشنی پھوٹی تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے ظلم اور بدامنی کے خلاف ایک تحریک میں بدل گئی! عدل وانصاف کی ایک فضا پیدا ہو گئی، ظلم کا پنجہ مروڑ دیا گیا جس کے نتیجہ میں تپتا ہوا ریگستان ایک خوشگوار ٹھنڈے چمن میں تبدیل ہو گیا تھا ، ویرانوں میں بہار آ گئی ، بے آب و گیاہ صحراء ایک لہلہاتے کھیت میں ڈھلتا اور خوشحالی کا رنگ اختیار کرتا ہوا محسوس ہوا تھا دراصل ہوا یہ تھا کہ ظلم اور جبر کے پنجے مروڑ دیئے گئے تھے اور عدل وانصاف کی ایک ایسی فضا پیدا کر دی گئی تھی جس میں ہر ایک خود کو محفوظ، پر امن اور خوشحال محسوس کرنے لگا تھا دراصل یہی وہ عدل وانصاف کی فضا تھی جس میں امن وسلامتی کی ''فاختہ'' کو کم سے کم تاریخ میں ایک بار تو خود بخود اور خوشی خوشی اڑنے اور آزادی سے چہچہانے کا موقع مل ہی گیا تھا، ہر انسان اس جزیرۂ عرب میں خود کو خوشحال اور محفوظ تصور کرنے لگا تھا، ایک خانہ بدوش قوم تہذیب وتمدن کی مالک بن گئی تھی اور ایک ظلم و جبر کا ریگستان عدل اور انصاف کے لہلہاتے کھیت میں بدل گیا تھا عدل نے امن قائم کر دیا تھا، یہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عدل گستری کا اعجاز تھا جس نے جزیرۂ عرب کو امن وسکون کے جزیرۂ راحت وسکون میں تبدیل کر دیا تھا، تاریخ کو ایک نیا رخ اور ایک نیا موڑ عطا ہو گیا تھا! یہ بتا دیا گیا تھا کہ انسانیت کو عدل وانصاف کا پختہ اور نا قابلِ شکست یقین دلا دو، سکون و اطمینان کی دولت خود بخود اسے میسر آ جائے گی اور جب عدل وانصاف کی یقینی فضا میں سکون واطمینان کی دولت عام ہو گئی تو اس وقت امن وسلامتی کا دور دورہ بھی یقینی ہے! یہ تصور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عطا فرمایا، نہ صرف تصور دیا بلکہ اپنے قول وعمل اور اسوۂ حسنہ سے یہ سب کچھ کر کے بھی دکھا دیا حتی کہ یہ بھی فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے منکر وکافر حکمران کا اقتدار تو باقی رہ سکتا ہے مگر ظالم حکمران کا اقتدار باقی نہیں رہ سکتا (3)، اس کی وجہ یہ ہے کہ شرک اور کفر کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے جن میں وہ اپنے بندوں کو مہلت بھی دیتا ہے اور انہیں سوچنے کے مواقع بھی عطا فرماتا ہے مگر جس ظلم اور جبر کا تعلق حقوق العباد سے ہے اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں کہ اس کے بندوں کے یہ حقوق تلف ہوں یا اس کی مخلوق کو ستایا جائے! اللہ تعالیٰ غفور رحیم بھی ہے اور وسیع حلم وبردباری کا مالک بھی ہے مگر اسے یہ گوارا نہیں کہ اس کی مخلوق پر ظلم ہو، وہ اپنے حقوق تلف کرنے والے کو تو ڈھیل دے دیتا ہے مگر اپنے کنبہ یا اپنی مخلوق کی حق تلفی گوارا نہیں کرتا اس لیے دنیائے انسانیت میں عدل وانصاف کا قیام پیغامِ مصطفوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام، کی روح، جوہر اور امتیاز ہے، یہی وہ اسوۂ حسنہ ہے جس کی پیروی کو قرآن کریم لازم ٹھہراتا ہے اسی اسوۂ حسنہ اور نسخۂ کیمیا کی پیروی کرنے والوں نے اس دنیا میں ایک ایسی سلطنت قائم کر دی جو صرف ربع صدی کے اندر بیک وقت تین براعظموں تک پھیل کر خلقِ خدا کو عدل وانصاف کی بنیاد پر امن وسلامتی کی زندگی دے گئی اور ایک ایسی تہذیب وتمدن عطا کر گئی جس کی آج بھی مثالیں دی جاتی ہیں!

مگر ہوتا یہ آ رہا ہے کہ ایک طرف تو یہ کاروانِ مصطفوی، کاروانِ حق انسانیت کا مقدر سنوارنے کے لیے بڑھتا رہا مگر دوسری جانب اس کاروانِ حق کے مدمقابل کے طور پر شیطانی قافلہ بھی ہر گام [illegible] تھا جو روزِ اول ہی سے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے ہر حربہ

استعمال کرتا رہا ہے بلکہ بقول اقبال یہ تصادم تو روز ازل ہی سے جاری ہے:(4)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی!

بہر حال آپ اسے شیطانی قافلہ کہیں یا شرار بولہبی، کاروانِ اسلام کو رستہ سے ہٹانے، اس کی راہ روکنے اور اسے نیست و نابود کرنے کے جتن ابلیس لعین کی زیرِ نگرانی جاری ہیں اور آج یہ اپنے عروج پر ہیں! جو لوگ امن نہیں چاہتے، جو امن کی بنیاد، نظام عدل کے منکر ہیں اور عدل و سلامتی کے ماحول میں پنپنے اور پروان چڑھنے والی انسانی اخوت و مساوات کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ اخوت و مساوات کے تصور کی جڑ کاٹنے میں ہی اپنی بقا دیکھتے ہیں! وہ دینِ حق کو روزِ اول سے ہی مٹانے میں لگے ہوئے ہیں بلکہ کچھ تو ظہورِ حق سے پہلے ہی اسے مٹانے کے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس پر بائبل اور قرآن کریم سمیت تمام تاریخی مصادر اور سرچشمے گواہ ہیں! گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے وقت میں نبی منتظر نبی آخرالزماں و خاتم الانبیاء ﷺ کی آمد کا تذکرہ کیا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے وادی بطحاء کے رہنے والوں میں سے اس نبی کے مبعوث ہونے کی دعا مانگی (5) مرد خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے فرمادیا تھا کہ تیرے چچا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی تجھ جیسا ہی نبی برحق مبعوث فرمایا جائے گا، (6) حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام نے تو انجیل میں نبی منتظر کا نام تک ذکر کر کے ان کے آنے کی خوشخبری سنادی تھی اسی لیے شاعر (7) نے اس حقیقت کو یوں ذکر کر دیا ہے کہ:

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل و نوید مسیحا!

یہودی حسد و عناد کی آگ کے شعلے

یہی وجہ ہے کہ دنیا کو عدل و انصاف کی بنیاد پر امن و سلامتی کے قیام اور اخوت و مساوات انسانی کا پیغام دینے والے نبی آخرالزماں خاتم الانبیاء ﷺ کے بنی اسرائیل سے ہونے کے بجائے بنو اسماعیل میں سے ہونے کا پیغام موسوی یہود کو پسند نہ تھا اور نہ وہ دعائے خلیل و نوید مسیحا علیہما السلام کی پیشین گوئی کو گوارا کر رہے تھے مگر ہوا وہی جو اللہ تعالیٰ

کی قدرت مطلق نے چاہا مگر یہود کو اس کا شدید صدمہ ہوا جو بے گناہ قتل انبیاء میں تو ملوث تھے ہی اب خاتم الانبیاء ﷺ کے بنو اسماعیل سے ہونے اور وادی بطحاء میں مبعوث ہونے کی حقیقتِ ظاہرہ غالبہ کو مٹانے پر بھی کمر بستہ نظر آتے ہیں! یہود کی یہی تلخی ہے جس نے دنیائے انسانیت کو تلخ سے تلخ تر بنانے کی قسم کھا رکھی ہے! یہ جو بے چینی، بے قراری اور ہنگامہ خیزی آپ دیکھتے ہیں اس کا ایک سبب بلکہ سب سے بڑا اور اصل سبب یہودی عناد اور حسد کی یہی تلخی ہے!

لیکن یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اس عداوت اور بغض کا اصل سبب یہی پیغامِ حق ہے جو پیغمبرِ عدل و سلامتی نے انسانیت تک پہنچایا ہے کہ عدل و انصاف ہی امنِ عالم کی بنیاد ہے اور انسان کی نجات اس میں ہے کہ انسانی اخوت و مساوات کو دل سے تسلیم کیا جائے مگر جو لوگ اس گھمنڈ میں مبتلا ہیں کہ وہ خدا کی چنی ہوئی مخلوق ہیں یا وہ معبودِ برحق کی پیشانی سے پیدا کیے گئے ہیں اور باقی انسان اس سے کم تر اصلیت کے مالک ہیں وہ نہ تو سب کے لیے عدل و انصاف کو مانتے ہیں اور نہ وہ انسانی اخوت اور مساوات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں!

حسد اور بغض کے مارے ہوئے یہودیوں نے جنگِ احزاب یا غزوۂ خندق سے لے کر افغانستان میں اسلام اور کمیونزم کے تصادم تک اور پھر تہذیبوں کے تصادم کا ڈھکوسلہ گھڑ کے امریکہ اور نیٹو سمیت غیر مسلم دنیا کو نام نہاد دہشت گردی کے پردے میں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسانے تک مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ ہر پہلی چنگاری ان بغض و حسد کے ماروں نے ہی پھینکی ہے! صلیب کے ناخداؤں نے صلیبی جنگوں سے لے کر جارج بش کی موجودہ ناکام و نامراد کروسیڈ تک عالمِ اسلام کے خلاف جو قدم بھی اٹھایا اس کے پس منظر میں پہلی چنگاری سلگانے والے یہی حسد و بغض کے مارے ہوئے یہودی تھے! وہ اسلام مسلمانوں اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کا ہر نشان تک مٹا لے کے درپے ہیں مسلمانوں کے خلاف بلند ہونے والے ہر شعلے اور بھڑکنے والی ہر آگ کے پس منظر میں یہی حاسد و معاند ذہن چنگاریاں پھینکتا اور چلتی پر تیل کا سامان کرتا ہوا نظر آتا ہے! اس وقت صلیبی مغرب نے

عالمِ اسلام کے خلاف جو یلغار شروع کر رکھی ہے اس میں بھی بھارت کا برہمن اور اسرائیل کا صہیونی دل وجان سے انکل سام کی ناکام ونامراد کروسیڈی مہم میں شریک ہیں تا کہ اس مار دھاڑ میں شیر کے ساتھ لومڑی اور بلی کو بھی اور نہیں تو انکل سام کا پس خوردہ ہی نصیب ہو جائے، نیٹو اتحادیوں کے ساتھ ساتھ بھارت اور اسرائیل بھی پاکستان اور ایران کے ایٹمی اسلحہ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اس سے بھارت کا برہمن اور اسرائیل کا سود خور صہیونی دونوں سکھ چین کا سانس لے سکیں گے، مسلمانوں کو نہتا کر کے مستقل غلام بنانا اور عالمِ عرب کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلام کی پیداواری اور معدنیاتی دولت کو لوٹنے کا کام آسان ہو جائے گا اور لومڑی اور بلی کو بھی شیر کا پس خوردہ نصیب ہو جائے گا!۔

چراغِ عدل اور حسد کی آگ

تاریخ بتاتی ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال سے حسد وعناد کا مارا یہودی تو اسلام کو مٹانے کے جتن کر ہی رہا ہے مگر گزشتہ چھے صدیوں سے صلیبی مغرب بھی مختلف حیلوں بہانوں سے اور مکر وفریب کے پردوں میں مسلمانوں کو زیر کرنے اور انہیں لوٹنے کے لیے جال بچھ رہا ہے، لیکن اب صورتِ حال بہت گھمبیر ہو گئی ہے کیونکہ نعرے اور حیلے ایجاد کرنے کا کام تو یہودی نے لے ہی رکھا ہے مگر اس میں رنگ بھرنے کے کام کو مزید آسان بنانے کی ذمہ داری خفیہ طور پر بھارت کے لیھو رام نے لے لی ہے اس طرح ایشیاء سے اسلام کی بیخ کنی میں نام نہاد شیروں کے ساتھ اب لومڑی اور بلی بھی شامل ہیں، کسی کا کام پاکستان کو نیست ونابود کرنا ہے اور کوئی عربوں پر جھپٹ کر عظیم تر اسرائیل کے خواب دیکھ رہا ہے لیکن ایک بات کی سب مشترکہ آرزو رکھتے ہیں کہ اسلام کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے مگر ارشادِ خداوندی یہ ہے کہ:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ (8)

"وہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کے چراغ کو بجھا دینا چاہتے ہیں مگر اللہ

تعالیٰ کا فیصلہ بھی یہ ہے کہ وہ اپنے اس چراغ نور کو پوری طرح روشن کر کے ہی رہے گا!''

اور بقول مولانا ظفر علی خان (9)

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

عالمِ اسلام پر جھپٹ پڑنے والوں کی حرص وہوس کی یہی آگ تھی جس نے انسانیت کو دو عالمی جنگوں کی تباہ کاریوں سے دوچار کیا مگر اسلام کو نیست و نابود کرنے کی ہوس میں مبتلا جنونی آپس ہی میں ٹکرا گئے اور مٹانے والے خود مٹ گئے، کسی کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا اور جو آیا وہ بھی چھن گیا یا پھینکنا پڑا، دوسری عالمی جنگ کے بعد سے اب تک پھر ان حرص وہوس کے بندوں کی ہر چال کی تان عالم اسلام کو گزند پہنچاتے رہنے اور مسلمان کو کسی بھی طرح سنبھلنے نہ دینے اور ہر حال میں دباؤ میں رکھنے پر ٹوٹتی رہی ہے، دنیا کا ہر گوشہ تعاون باہمی کا حق رکھتا ہے مگر مسلمانوں کا باہمی تعاون بھی کسی کو گوارا نہیں، دنیا کا ہر گروہ متحد ہو سکتا ہے مگر مسلمانوں کا اتحاد سب کو کھٹکتا ہے! سارا عیسائی یورپ متحد ہو کر ایک اکائی بن سکتا ہے اور تمام مادی فوائد حاصل کر سکتا ہے مگر کسی علاقے کے مسلمان اگر اقتصادی مفادات کے لیے ہی اکٹھے ہو جائیں تو سب پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ یہ کسی کے لیے بھی قابلِ برداشت نہیں، ہر ایک اسے ہر قیمت پر روکنے اور ناکام و نامراد کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے جیسے مسلمانوں کو آزادی اور عزت کے ساتھ جینے کا تو حق ہی نہیں، وہ کسی طرح بھی انسانی حقوق پانے کے مستحق ہی نہیں، ان کی حق تلفی ضروری ہی نہیں مفید اور باعثِ اجر و ثواب بھی ہے! یہ ہے وہ سوچ اور نقطہ نظر جو غیر مسلم دنیا پر چھایا ہوا ہے خصوصاً غیر مسلم دنیا کی اعلیٰ با اختیار قیادت پر، اس لیے کہ وہ ایک طرف تو عالمِ اسلام کو بے اختیار اور بے بس بنا کر لوٹنا چاہتے ہیں اور انہیں کسی نہ کسی طرح اپنے زیرِ تسلط رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف یہ غیر مسلم اعلیٰ با اختیار قائدین مسلمانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک روا رکھنے کو بھی گناہ سمجھتے ہیں بلکہ ان پر ظلم اور جبر کو مسلط رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ بقولِ اقبال کبھی تو صرف عیسائی صلیبی

یورپ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں تھی مگر آج یورپ کے ساتھ امریکہ بھی شامل ہو چکا ہے بلکہ آج تو کروسیڈی قیادت بھی انکل سام کے ہاتھ ہی ہے خصوصاً برہمنی اور صیہونی قیادت بش کی ناکام ونامراد کروسیڈی جنگ جسے دہشت گردوں کے خلاف جنگ کا نام دے کر پردہ پوشی کی ناکام کوشش کی گئی ہے اس سے ہندو اور یہودی دونوں فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں، مکہ کے مشرکوں اور بت پرستوں کی مدد سے حجاز کے یہودیوں نے حسد وعناد کی بنیاد پر جو ناپاک تعاون کیا تھا اس کی کمر تو غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب نے توڑ دی تھی، مکہ کے بت پرست تو بالکل نابود ہو گئے تھے اور حجاز کے یہودی جو تہ تیغ ہونے اور غلام بنائے جانے سے بچ گئے تھے وہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال سے اسی حسد وعناد کو اپنے سینوں میں لیے ہوئے ہیں پندرہ صدیوں میں مسلمان حکومتوں کے ان پر بے پایاں احسانات بھی ہیں مگر ان کو بالکل فراموش کر کے ناشکرے پن میں۔ اسلام۔ اہلِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف یہودیانہ گندی سازشی سرگرمیوں میں لگے ہوئے ہیں مگر اب یہ یہودیانہ مکاریاں صیہونیت کے نامراد عقیدہ میں بدل گئی ہیں اور اب انہیں بھارت کے خود پرست ومتکبر برہمن کی تائید بھی حاصل ہوگئی ہے جو پاکستان کے ساتھ اپنا معاندانہ اور حاسدانہ حساب چکانے کی فکر میں ہے، اس طرح اسلام دشمنی اور پاکستان دشمنی نے عالمی صیہونیت، تنگ نظر ہندو کے حسد وعناد اور نام نہاد نئے کروسیڈی سامراجیوں کے مفادات نے سب کو ایک کر دیا ہے اور اس طرح یہ مشترکہ حسد وعناد کی آگ کے شعلے اب آسمانوں کو چھونے لگے ہیں عالمِ اسلام کے خلاف یہ بحران شدت کی بلندیوں پر ہے جو اس کی قطعی نامرادی اور ناکامی کا پیش خیمہ ہے اس لیے کہ ہمارے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی بحران شدت اختیار کر جاتا ہے تو یہ اس کے تحلیل ہونے اور نابود ہو جانے کا وقت ہوتا ہے:

”اشتدی یا ازمۃ تنفرجی یعنی اے بحران تو شدت اختیار کر جا تا کہ تو حل ہو جائے“۔

عدل کے بغیر امن

یہ تو تھا ایک جملۂ معترضہ جو ہماری گفتگو میں حائل ہو گیا، اصل بات یہ ہو رہی تھی کہ آج

کی دنیا میں بدامنی اور بے قراری کا اصل سبب یہ ہے کہ امن کے نام نہاد علمبردار عدل وانصاف کے بغیر ہی دنیا میں قیامِ امن کے فریب میں مبتلا ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ انصاف کئے بغیر ہی انھیں ڈرا دھمکا کر اور دباؤ کے ذریعہ ہی قیامِ امن پر راضی کر لیا جائے اور ناواقف اور سادہ لوح انسانی اکثریت کو بھی یہ باور کروا دیا جائے کہ ہم تو دنیا میں امن کے علمبردار ہیں مگر یہ مسلمان امن کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں یعنی مسلمانوں کے زخم رستے رہیں ان کے لیے مرہم کی ضرورت نہیں، فلسطین اور کشمیر جیسے ظالمانہ خنجر مسلمانوں کے سینے میں یونہی پیوست رہیں اور وہ چپ چاپ ان کے نام نہاد قیامِ امن پر راضی ہو جائیں مگر ان نادانوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ مسلمان تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے نہ وہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی جابر کا ظلم برداشت کرتا ہے کیونکہ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ نہ ظلم کرو اور نہ ظلم سہو کے قرآنی حکم کا مطلب یہی ہے!

آج بھی اگر حرص وہوس کے یہ غلام اور حسد وعناد کی آگ میں جلنے والے یہ نادان دوغلا پن، مکروفریب، منافقت اور ریاکاری اور حسد اور بغض کے خول سے باہر آجائیں تو دنیا میں عدل اور انصاف کی فضا پیدا ہو جائے گی، اگر یہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور اپنے ہر جرم کا بوجھ اور اپنی ہر بے ایمانی کا گند صرف مسلمانوں پر ڈالنا بند کر دیں تو دنیا میں امن وسلامتی کی خوشگوار فضا بھی بن سکتی ہے اور حقیقی امن بھی قائم ہو سکتا ہے، رہے مسلمان تو وہ تو عدل وامن کے قرآنی حکم کو ماننے کے پابند اور انسانی اخوت ومساوات کی قرآنی دعوت کو قبول کر چکے ہیں، مسلمانوں کا تو یہ ایمان ہے اور اس پر ان کا پختہ یقین بھی ہے کہ ان کے رسول صادق وامین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کی بنیاد یہی ہے، فرمانِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق جونہی دنیا میں عدل وانصاف کی فضا قائم ہو جائے گی، اس کے نتیجہ میں امن وسلامتی کی خوشگوار فضا کا وجود میں آنا بھی لازم ہے!!

لفظِ عدل کے معنیٰ اور مفہوم

پیغمبر عدل وسلامتی جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے نوازا ہے

ان کے اس پیغامِ حق کو جاننے، اسے سمجھنے اور اس پر عمل کر کے عدل و انصاف کی فضا میں امن و سلامتی کے خوشگوار ماحول کی جھلکیاں دیکھنے سے پہلے کچھ تمہیدی باتیں بھی ضرورت کا تقاضہ ہے، اس لیے کتاب و سنت سے اسلام کا جو نظامِ عدل و انصاف ثابت اور مرتب ہوتا ہے اس سے آگاہی حاصل کرنے سے پہلے کچھ الفاظ کی وضاحت اور تشریح بھی فوائد سے خالی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے نام اپنے آخری مکمل پیغام کو جس زبان عربی میں نازل فرمایا ہے وہ بھی بڑی عجب زبان ہے، یہ دنیا بھر کی زبانوں سے انوکھی اور منفرد ہے، قرآن مجید اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو شاید یہ لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ''معجزہ'' نہ ہوتا، اب تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حسنِ معنی اور حسنِ لفظ دونوں اعتبار سے اعجازِ مصطفوی ہے۔

چنانچہ انصاف کے لیے عربی زبان میں اور پھر قرآن کریم میں عدل کے لفظ کے علاوہ قسط اور کَیل کے الفاظ بھی مستعمل و مروج ہیں، البتہ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ انصاف (افعال) قرآن کریم میں نہیں آیا، البتہ اس کا تین حرفی مادہ نصف (ن ص ف) قرآن مجید میں وارد ہوا ہے، لیکن اسلامی لٹریچر میں انصاف کا لفظ عدل، قسط، کیل اور وزن کے مترادف کے طور پر مستعمل ہے، انصاف کے معنی ہیں کسی چیز کو دو برابر حصوں (نصفوں) میں اس طرح بانٹ دینا کہ دونوں نصف حصوں میں کوئی فرق نہ ہو اگر ذرا برابر بھی فرق ہوا تو نصف نہیں ہوگا یعنی اسے آپ دو برابر حصوں میں بٹا ہوا نہیں کہہ سکتے، اگر چیز کے دو حصے برابر نہیں ہونگے تو کسی ایک حصہ والے کی حق تلفی ہوئی ہوگی اور اسی حق تلفی کا نام ظلم اور بے انصافی ہے۔ اسی طرح عدل اور قسط کے معنی میں بھی کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا ہے، ظاہر ہے اگر برابری میں فرق آگیا تو عدل اور قسط کا تقاضہ بھی پورا نہ ہوا اور یوں یہ تقسیم بھی حق تلفی کی آئینہ دار ہوگی اور اسے بھی ظلم اور بے انصافی سے ہی تعبیر کیا جائے گا، وزن (برابر برابر تولنا) اور کیل (برابر برابر پیمائش کرنا) کے مفہوم اور معنی کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے!(10)

عربی زبان میں العدل کے معنی ہیں: ''ما قام فی نفوس انه مستقیم وهو ضد

الجور" یعنی عدل وہ چیز ہے جس کے متعلق دلوں میں یہ بات نمایاں ہو جائے کہ وہ بالکل سیدھی اور اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے، عدل ضد ہے جور کی جس کے معنی ہیں سیدھی راہ سے ہٹ جانا جو ظلم کے مترادف ہے! "العدل: الحکم بالحق" یعنی عدل کے معنی یہ بھی ہیں کہ حق کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور اس میں حق سے انحراف یا کسی کی حق تلفی نہ ہو، عرب کہتے ہیں کہ "ھو یقضی بالحق و یعدل" یعنی فلاں شخص حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور عدل و انصاف کرتا ہے، کہا جاتا ہے کہ "ھُوَ حَکَمٌ عَدْلٌ ای ذو معدلۃ فی حکمہ" وہ شخص ایک سراپا عدل قاضی یا جج ہے یعنی اپنے فیصلوں میں پورا پورا انصاف کرنے والا ہے "العدل من الناس المرضی قولہ وحکمہ" یعنی لوگوں میں سراپا عدل اس آدمی کو کہتے ہیں جس کا قول خوشگوار اور فیصلہ پسندیدہ (11) ہو! اس ضمن میں حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی خصوصی توجہ کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں کہ "العدل الذی لم تظھر منہ ریبۃ" یعنی عادل یا سراپا عدل وہ شخص ہے جس سے کبھی ایسی کوئی بات سرزد نہ ہوئی ہو جو شک اور پریشانی کا باعث ہو۔(12)

حضرت سعید بن جبیر بھی ایک جلیل القدر تابعی ہیں ان سے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے عدل کے معنی اور مفہوم سمجھانے کی درخواست کر بھیجی جس کے جواب میں انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھ بھیجا کہ از روئے کتاب و سنت عدل کے چار دائرے ہیں!(13)

1۔ العدل فی الحکم یعنی حکمرانی کی سطح پر عدل و انصاف کیا جائے، نظامِ حکومت اور عدالتی نظام میں بھی حق و انصاف اور عدل کا بول بالا رہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے کہ "جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے دو تو یہ تمام فیصلے حکومتی اور عدالتی انصاف پر مبنی ہوں" (14)

2۔ العدل فی القول یعنی انسان کی زبان سے بھی سراپا حق سچ اور عدل و انصاف کی باتیں ادا ہوں، اس میں زبانی بیان و تقریر کے ساتھ ساتھ قلم سے تحریر میں حق و انصاف کی بات لکھنا بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پاک اسی سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے "اور جب

تم زبانی بات کرو تو بھی ہمیشہ حق اور انصاف کی بات کیا کرو، خواہ تمہاری اس حق گوئی کی زد تمہارے اپنے کسی رشتے دار پر ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو"۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ پاک میں خوبصورت بات سے مراد بھی عدل ہی ہے" وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا یعنی لوگوں سے خوبصورت بات کیا کرو"۔(15)

3۔ قرآن کریم میں عدل کے معنی و مفہوم کا ایک پہلو فدیہ اور بدلہ بھی ہے، ظاہر ہے اس میں بھی قدر و قیمت، وزن اور برابری کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔(16)

4۔ العدل فی الاشراك: یعنی قرآن کریم میں عدل کا لفظ شریک ٹھہرانے اور برابر ماننے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، ظاہر ہے کسی کو کسی کا شریک ٹھہرانا اس کی برابری کے دعوے کے مترادف ہے لیکن یہ ایک ایسا عدل یا برابری ہے جو نہ تو مقصود ہے، نہ مستحسن ہے اور نہ ہی قابلِ قبول ہے بلکہ یہ برابری اور شرک تو اکبر الکبائر یعنی سب سے بڑا گناہِ کبیرہ ہے۔

مصادر و مراجع تو یہی بتاتے ہیں کہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالملک بن مروان اموی خلیفہ کو عدل کے معنی و مفہوم کے یہی چار پہلو لکھ بھیجے تھے مگر قرآنی استعمالِ عدل کے چند معنی اور مدلولات اور بھی ہیں:

5۔ العدل فی الاملاء او الکتابۃ یعنی کوئی مالیاتی اور مہتم بالشان دستاویز تیار کروائے یا اسے ضبطِ تحریر میں لائے تو اس وقت بھی حق سچ اور عدل و انصاف کا ساتھ دیا جائے تاکہ قانونِ عدل کے تمام تقاضے پورے کیے جا سکیں، اس سلسلے میں آیتِ دَین ایک پکی اور روشن مثال ہے یعنی قرضہ لیتے دیتے وقت قانونی دستاویز تیار کرنا بھی عدل کا تقاضہ ہے، بلکہ اس میں بھی عدل کے تقاضے پورے کرنے کا حکم ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:(17)

"اے ایمان والو! جب ایک دوسرے کو قرضہ دو یا لو تو یہ ایک طے شدہ مدت کے لیے ہو، اس سلسلے میں کوئی دستاویز لکھ لیا کرو، تمہارے درمیان کی یہ دستاویز لکھنے والا حق و انصاف کے ساتھ اسے ضبطِ تحریر میں لائے اور کوئی دستاویز لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے علم دے رکھا ہے اسی کے مطابق ضبطِ تحریر میں لے آیا کرے، جس

پر کسی کا کچھ حق بنتا ہے وہ اسے لکھوا دیا کرے، اپنے اللہ سے ڈرتا ہے اور ذرہ بھر بھی کمی اور کھوٹ سے کام نہ لے خواہ جس کا کچھ دینا ہے وہ کم عقل ہو یا کمزور ہو یا املاء کر ہی نہیں سکتا اس کا سرپرست حق سچ اور عدل وانصاف کے ساتھ املاء کرا دیا کرے!"

6۔العدل فی الشہادۃ یعنی گواہی دینے اور شہادت دینے میں بھی عدل وانصاف کا حکم ہے کیونکہ گواہی یا شہادت وہ بنیاد ہے جس پر قانونِ عدل وانصاف کے مطابق چلنے والا عدالتی نظام قائم ہوتا ہے، اگر یہ بنیاد ہی نہ ہو یا اس میں کوئی نقص اور عیب موجود ہو تو پھر کسی بھی وقت پورے عدالتی نظام کی عظیم عمارت ہی دھڑام سے نیچے آرہے گی، اس لیے اسلام کے عدالتی نظام میں عادلانہ ومنصفانہ شہادت کو بھی بنیادی حیثیت بلکہ بے حد اہمیت دی گئی ہے، قرآن کریم کی یہ آیت دو مختلف سورتوں میں تکرار مگر خوبصورت فرق اور اختلاف کے ساتھ آئی ہے جس میں اہلِ ایمان کو شہادتِ حق کیلئے بلاخوف وخطر ڈٹ جانے کا حکم ہے:

(ا) "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لیے انصاف کے ساتھ گواہ بن کر ڈٹ جایا کرو!"(18)

(ب) "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ یعنی اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ تعالیٰ کے لیے ڈٹ جایا کرو!"(19)

(ج) "وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ یعنی اپنے میں سے دو عادل ومنصف گواہ بنالیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی خاطر گواہی دینے والے بن جایا کرو!"(20)

7۔العدل فی العواطف والمشاعر: یعنی جذبات واحساسات میں بھی حق سچ اور عدل وانصاف کے اصول وقوانین کو ہر حال میں ملحوظ وپیش نظر رکھا جائے، عملی زندگی میں بہت سی خرابیاں، زیادتیاں اور کوتاہیاں جذبات سے مغلوب ہونے اور احساسات کے دباؤ میں آنے کا نتیجہ ہوتی ہیں، آدمیت کا معیار یہی ہے کہ فتح وشکست، خوشی اور غمی غصہ اور طیش میں اپنے آپ پر قابو رکھا جائے، بے قابو ہو جانے سے انسان عقل ودانش اور قانون واخلاق کی نظر میں پست ہو جاتا ہے، بقول بہادر شاہ ظفر:(21)

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اس سلسلے میں ارشادِ ربانی یوں ہے کہ:(22)

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾

''حق سچ اور عدل وانصاف کا ساتھ دینے یا فیصلہ کرنے میں خواہشات اور جذبات کی پیروی مت کرنا، اگر تم بات کو توڑ مروڑ کر بیان کرو گے یا اعراض اور بے رخی اختیار کرو گے تو پھر یاد رکھنا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے اچھی طرح آگاہ ہیں!''

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ بامراد بھی اسی ضمن میں آتا ہے کہ:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾ؕ

''یعنی اے نبی ﷺ! آپ لوگوں کو اسی بات کی دعوت دیجئے (کہ دینِ حق، اللہ کا دین تو ایک ہی ہے جو حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے بعد آپ کو بھی دیا گیا ہے) اور اس پر ثابت قدمی سے آپ ڈٹ جایئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، آپ ان (اختلاف کرنے والوں اور سرکشی دکھانے والوں) کو جانے دیجئے اور ان کی خواہش کی پیروی نہ کیجئے، آپ تو بس یہ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی نازل فرمائی ہے میں تو اس پر ایمان لا چکا ہوں، مجھے تو میرے رب نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ میں تم میں عدل

وانصاف قائم کروں، اللہ ہی ہمارا تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، ہم میں تم میں کوئی حجت بازی نہیں ہے، اللہ ہی نے ہمیں اکٹھا کرنا ہے اور ہم سب نے اسی کے پاس جانا ہے!''(23)

اس آیتِ کریمہ کا سیاق وسباق یہ ہے کہ اس سے پہلے والی آیت میں شریعتِ ربانی اور دینِ حق کی وحدت کا اعلان فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس وحدتِ دینِ ربانی کا علم تو سب اہلِ کتاب کو حاصل ہو چکا ہے اور وہ جان چکے ہیں کہ دینِ اسلام دراصل اسی دینِ حق کا تسلسل ہی ہے جس کے لیے سب نبی ورسول مبعوث ہوتے رہے مگر ضد، ہٹ دھرمی اور حجت بازی اور باہمی سرکشی نے ان لوگوں کو حق بات نہ ماننے پر آمادہ کر رکھا ہے۔ یہ ان کی ذاتی خواہشات ہیں جو اعترافِ حق کی راہ میں حائل ہیں، اس لیے آپ ان کی ہٹ دھرمی اور حجت بازی کی پروانہ کیجئے، ان کی خواہش اور ہوس کو مسترد کرتے ہوئے عدل و انصاف کی بات کیجئے اور دنیائے انسانیت کو عدل وانصاف سے بہرہ ور کرتے رہئے!

8۔کاروبار میں عدل: انسانی زندگی کا اہم ترین شعبہ تجارت اور کاروبار ہے ہمارے رسول ﷺ کی عملی زندگی بھی تجارت اور کاروبار سے وابستہ تھی لیکن عرب کے جس معاشرہ میں شرک وبت پرستی عام تھی، دھوکہ بازی اور جھوٹ کا دور دورہ تھا، اس معاشرہ میں آپ نے تجارت کو دو اصول عطا فرما کر اس کی کامیابی وکامرانی کی راہ متعین فرمادی تھی اور یہ دو اصول تھے صداقت اور امانت، عملی طور پر آپ کا اسوۂ حسنہ اسی صدق وامانت سے عبارت تھا لوگ عزت واحترام سے آپ کو اسمِ مبارک کے بجائے الصادق الامین کے لقب سے ہی یاد کرتے تھے، آج دنیا میں تجارت کا دارومدار ہی اعتماد اور بھروسہ پر ہے اور یہ اعتماد اور بھروسہ صداقت وامانت سے وجود میں آتا ہے، عالمی تجارت نے کامیابی کے لیے صداقت وامانت کے دو ستونوں کو دل وجان سے تسلیم کر لیا ہے!

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ انسانیت کی نوے فیصد روزی تجارت میں ہے

جعلت تسعة اعشار الرزق فی التجارة یعنی دس میں سے نو یا سو میں سے نوے فی صد روزی اللہ تعالیٰ نے تجارت میں رکھ دی ہے صرف دس میں سے ایک یا سو میں سے دس فی صدی روزی دنیا کے باقی شعبوں میں رہ گئی ہے! تجارت کی اسی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں بھی عدل وانصاف کا خصوصی حکم فرمایا ہے اور تجارت کے ساتھ پہلا عدل تو صدق وامانت کے اصول پر عمل کرنا ہے، تجارت میں جس نے یہ اصول اپنا لیے وہ خوشحال بھی ہو گیا اور دنیا وآخرت میں سرخرو بھی، چنانچہ سچے اور امانت دار تاجر کی جگہ جنت میں انبیاء شہداء اور صدیقین کے ساتھ رکھی گئی ہے!

قومِ ہود کے لیے مبعوث ہونے والے نبی کی زبانی تجارت کے لیے عدل کا قرآنی حکم یوں آیا ہے: (24)

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

''یعنی اے میری قوم ناپ تول کے پیمانے عدل وانصاف کے ساتھ پورے رکھو اور لوگوں کے مال میں ہیر پھیر یا کھوٹ ڈالنے کی کوشش مت کرو!''

یہی حکم سورت الاعراف (25) میں بھی الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ آ چکا ہے لیکن اسی سورت میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ: ''وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ یعنی ناپ تول کے پیمانے عدل کے ساتھ پورے رکھا کرو!''

سورت الرحمٰن کی مسلسل تین آیات اسی تجارتی عدل وانصاف کی تاکید کرتی ہیں (27)

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝
وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝

''یعنی اللہ رب العزت نے نظامِ افلاک بلند کیا تو وہ بھی توازن واعتدال کے ساتھ، انسانوں کو بتانا اور سمجھانا یہ تھا کہ تول ترازو کے سلسلے میں سرکشی نہ دکھانا، بلکہ وزن ٹھیک رکھنا پورے عدل وانصاف کے ساتھ ترازو میں

تولتے وقت لوگوں کو کم تول کر مت دینا!''

سورت الرحمٰن کی یہ تین آیات اپنے اندر مضامین کی ایک دنیا لیے ہوئے ہیں، جو انسانی ہاتھوں میں ناپ تول سے شروع ہو کر افلاک و ابراج کی کائنات کے توازن و اعتدال کے نظامِ ربانی تک تمام مراحل زمان و مکان کا احاطہ کرتی ہیں! جس طرح کاروبار تجارت میں ناپ تول کے پیمانوں میں ہیر پھیر سے معاشرہ بدامنی کی زد میں آجاتا ہے اسی طرح اگر حرص و ہوس کے گھوڑے دوڑانے والے چاند سورج اور کواکب و نجوم کی کائنات میں خلل ڈالنے کا ارتکاب کر بیٹھے اور نظامِ افلاک کے توازن و اعتدال میں فرق آ گیا تو اسی لمحے قیامت برپا ہو سکتی ہے! آج ترقی یافتہ مغرب کے لوگ ایشیا اور افریقہ کے نام نہاد بڑوں اور لیڈروں کے سایہ میں جس طرح ردی اشیا یہاں کے غریب انسانوں کو بیچ کر حرام کمار ہے ہیں اس سے بیماریاں پھیل رہی ہیں اور ادویات بھی چونکہ ناقص مہیا کی جارہی ہیں اس لیے اس سے ایشیا اور افریقہ کے غریب انسانوں کا صحتی مستقبل بھی مخدوش ہو چکا ہے! یہ جو گلوبل وارمنگ Global Warming کا واویلا ہے اس کا سبب بھی ان سنگدل بدبختوں کی بارود کی وہ بارش ہے جو وہ ہم ایشیائی اور افریقی انسانوں پر خصوصاً مسلمان ملکوں پر برسا رہے ہیں!!

9۔ عدل اللہ تعالیٰ کا عہدِ ازلی ہے، اللہ جل جلالہ سراپا عدل ہیں، عدل ہی خدا کا عہدِ ازلی ہے اس عہدِ ازلی کی گواہی میں اس نے اپنے ساتھ ملائکہ کو بھی شریک فرمایا اور پختہ فکر اہلِ علم کی ارواحِ مقدسہ سے بھی اس کی تائید کا سامان کیا گیا، اپنے ملائکہ مقربین اور راسخون فی العلم اہلِ علم و دانش کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس گواہی میں بطورِ مؤید اپنے ساتھ رکھا، یہ شہادت تھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر، اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننا سب سے پہلا اور سب سے بڑا عدل و انصاف ہے، یہ خالقِ کائنات کا حق ہے جو اسے مانتے ہیں وہ عدل و انصاف کے نظامِ ربانی پر بھی ایمان لاتے ہیں، عقیدۂ توحید کی حقانیت و صداقت کی گواہی نظامِ عدل کا حصہ ہے، اور جو اس عدل و انصاف سے روگردانی کرتے ہیں وہ ظلمِ عظیم کے مرتکب ہوتے

ہیں، شہادت حق کی ادائیگی اور توحیدِ ربانی پر یقین نظامِ عدل کی روح اور جوہر ہے، اللہ تعالیٰ نے اقرارِ توحید پر گواہی کو اپنی ذاتِ ستودہ صفات، اپنے فرشتوں اور حق پرست راسخون فی العلم کو اس گواہی میں شریک فرما کر دراصل نظامِ کائنات اور نظامِ زندگی میں عدل وانصاف کی اہمیت اور مقام و مرتبہ کا احساس دلایا ہے، سورت آل عمران کی اس آیت کریمہ میں اسی شہادتِ ازلی کا تذکرہ ہے جس پر عقیدہ توحید کی صداقت و حقانیت قائم کی گئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل کا حصہ ہی نہیں اس کی روح بھی ہے(28):

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾

''یعنی اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود اس بات کی شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، فرشتوں اور اہلِ علم نے بھی یہ شہادت دی کہ وہ حق تعالیٰ عدل وانصاف پر قائم ودائم ہے، اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک غالب وحکیم ہے!''

یہ آیت کریمہ توحید اور عدل کو یک جا کرتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننا سب سے بڑا اور سب سے پہلا انصاف ہے، یہ وہ انصاف ہے جس پر انسان کے ایمان، اعمالِ صالحہ اور دنیا و آخرت کی کوشش میں کامیابی کا دارومدار ہے، یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ آیت کے آخری حصہ میں اللہ رب العزت کے دو صفاتی نام عزیز اور حکیم کا آنا بہت اہم ہے اور یہ کتاب اللہ کے اسلوبِ اعجاز کا بھی ثبوت ہے۔ قرآن کریم کی آیات بینات میں وارد ہونے والا کوئی لفظ بھی محض اتفاق یا بھرتی کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ ہر لفظ موقع کی مناسبت و موزونیت کا آئینہ دار ہوتا ہے یہ اس خدائے حکیم وخبیر کی قدرتِ مطلقہ اور علم تام کی بھی دلیل ہے، قرآن کریم کے سلسلے میں یہ طے ہے کہ اس کا ہر حرف، ہر لفظ اور ہر کلمہ صورتِ حال کے تقاضے کے عین مطابق ہوتا ہے جملوں اور آیات کی ترکیب میں لفظ وہی آئے گا جو وہاں درکار ہے، اگر یہ لفظ نہ آتا تو بات نہ بنتی اور اگر ایسے

وہاں سے ہٹا دیا جائے تو بات بگڑ جائے، علمائے نقد و بلاغت کے نزدیک فصاحت و بلاغت کا کمال بھی یہی ہے اور قرآن کریم کے اعجازِ بیان میں کمال کی یہ صورت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، عزیز و غالب ہونا اور پھر اس کے ساتھ حکیم و خبیر ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ اور علمِ اتم کی طرف اشارہ ہے جس کا قانونِ عدل وانصاف غالب و مؤثر اور نظام کائنات کا اعتدال وتوازن اس قانونِ عدل کے کمال کی ایک مثال ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے مشاہدہ کی صورت میں موجود ہے، قانونِ عدل وانصاف کی عملی تنفیذ و تطبیق قوت اور غلبہ کی محتاج ہوتی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق و علام الغیوب سے بڑھکر کوئی غالب اور قوی ہو ہی نہیں سکتا، کوئی بھی نیا اور پرانا فرعون یا نمرود اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل کے قانون کو عمل کلی اختیار کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اگر کوئی کل یا آج کا ظالم وجابر اپنی حقیر خصلتوں سے مجبور ہو کر اس غالب و دانا ذاتِ سرمدی کے نظام عدل اور قانونِ انصاف سے کنی کترانے یا اس سے ٹکرانے کی حقیر و مذموم کوشش کرتا ہے تو اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی اس ناپاک حرکت کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے وسیع اور بے پایاں نظامِ کائنات میں ایک پلید ذرے کی بھی نہیں ہے، اس لیے اس کی ناکامی ونامرادی یقینی بات ہے بالکل جیسے اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل وانصاف کی عملداری ونفاذ بالکل یقینی امر ہے!

10۔ عدل امرِ ربی ہے: جس طرح روح ایک امرِ ربی یعنی ہمارے رب کا حکم ہے، عبادت اور پرستش بھی امرِ ربی ہی ہے اسی طرح عدل بھی امرِ ربی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس امر اور حکم کے سامنے کسی کی بھی مجال نہیں، کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس حکمِ ربانی کا پابند نہیں اور اس کے نفاذ کے سامنے بے بس نہیں وہ اپنے نفس اور شیطان کے دھوکے میں ہے۔

عدل ایک ایسا امرِ ربی ہے جو انبیاء کرام کی زبان پر رواں دواں رہا اور ہر ایک نے یہ اعلان کیا کہ وہ عدل کے اس امرِ ربانی کا پابند ہے، چنانچہ خاتم الانبیاء رسول عدل وامن صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ حکم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل کے اٹل ہونے کا اعلان فرمائیں:(29)

قُلۡ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ

''یعنی آپ فرما دیجئے کہ میرے رب کا حکم یہ ہے کہ دنیا میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہو!''

اور پھر رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشن اور رسالت کا مقصد بھی بیان کر دیا کہ مجھے تو میرے رب نے دنیا میں عدل قائم کرنے کا ہی حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں اس دنیا میں تمہارے درمیان عدل وانصاف قائم کر کے دکھادوں (30)!!''

یہاں پر ''قل'' (کہہ دیجئے) خود فعل امر ہے جو امر اور حکم کا درجہ رکھتا ہے لیکن اس لفظ ''قل'' کے بعد لفظ ''امر'' (اس نے حکم دیا) کا آیت میں وارد ہونا بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے، یہاں دراصل یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ''اے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ میرے رب نے مجھے یہ حکم دے دیا ہے کہ میں اس دنیا میں تمہارے درمیان عدل قائم کر کے دکھادوں'' یہاں دراصل دنیا میں نظامِ عدل کے عملی نفاذ کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے اللہ رب العزت اپنے محبوب رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبار حکم کے تکرار سے جس کام کی تاکید فرما رہا ہے اس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کا عالم کیا ہوگا یہ آپ ابھی آگے چل کر ملاحظہ فرمائیں گے، حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعی عدل قائم کر دیا تھا اور مذہب یا نسل کے فرق وامتیاز کے بغیر سب کو نظامِ عدل کے عملی نفاذ کا یقین دلا دیا تھا، ہر فرد کو یہ علم ہی نہیں یقین بھی تھا کہ اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں سے بغیر کسی لحاظ، رعایت یا امتیاز کے سب کو یکساں انصاف ملتا ہے!

11۔عدل منصبِ انبیاء: اللہ جل شانہ نے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے ان سب کے ذمہ نظامِ عدل کا نفاذ بھی تھا، اور جیسا کہ معلوم ہے کہ سب سے بڑا عدل وانصاف اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننا، صرف اسی کا حکم ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا ہے، اسی لیے از روئے ارشاداتِ قرآنی ہر نبی ورسول نے بلا استثناء جس چیز کا حکم سب سے پہلے دیا وہ صرف اللہ

تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا تھا (31) ۔جس طرح شرک باللہ کو قرآنِ کریم میں ظلمِ عظیم یا سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے اسی طرح اس کی توحید پر ایمان لانا اور صرف اسی کی عبادت کرنا بھی سب سے بڑا عدل اور انصاف ہے! اگر تمام انسانوں کا معمول یہ بن جائے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم مانیں گے تو انسانیت کو راحت و سکون کے ساتھ پر امن زندگی کا موقع بھی نصیب ہو جائے گا!

ہماری اس گفتگو کا یہ پہلو کہ ہر نبی اور رسول کا اولین منصب اور مشن صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک منوانا اور صرف اسی کی اطاعت و عبادت کا حکم دینا تھا، سورت الحدید کی اس آیت کریمہ کی طرف متوجہ کئے بغیر نامکمل رہ جائے گا جہاں ارشادِ خداوندی ہے! (32)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِۚ

”یعنی ہم نے اپنے رسول معجزات اور نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتابیں اور میزانِ عدل بھی اتاری تا کہ لوگ عدل و انصاف کے مطابق اپنا نظامِ زندگی چلا سکیں!“ گویا مقدس میزانِ عدل وحی و کتاب کی طرح آسمان سے نازل کی گئی ہے!!

قرآن کریم سے یہ بات بھی تکرار کے ساتھ ثابت ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی یا رسول نہ بھیجا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان تمام نیک بندوں نے انسانیت کو عدل و انصاف کا حکم بھی دے دیا تھا! ہر نبی اور رسول نے سب سے بڑے عدل یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان اور صرف اسی کی عبادت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ سب سے بڑے ظلم اور بے انصافی یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ماننے سے بھی منع فرما دیا تھا مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ شرک و بت پرستی بھی عام ہے اور ظلم کا بھی دور دورہ ہے لیکن جیسا کہ ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ دنیا بھر کی اقوام کے چند بے لگام نام نہاد لیڈر ظلم اور نافرمانی پر کمر بستہ ہیں اسی طرح انسانی

معاشروں میں ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہمیشہ ایسے بے لگام اور فریب کار نام نہاد لیڈر رہی تھے جنہوں نے اپنی غلط روش کو نہیں چھوڑا، یوں صرف ایسے ہی بے لگام اور فریب کار لیڈر ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی اسی غلط روش پر چل رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے آخری مکمل کلام کے عام ہونے کے ساتھ ہی یہ لوگ اب بیدار و ہوشیار عوام کی نظر میں آ گئے ہیں اب ان کا محاسبہ ہوتا رہے گا اس لیے اب دنیا میں قیامِ عدل کے ساتھ ساتھ قیامِ امن کی منزل زیادہ دور نہیں ہے! اب ظالم اپنے انجامِ بد سے زیادہ دور نہیں!!

12۔ جماعتِ عدل کا وجود: اللہ تعالیٰ کو اپنے وہ بندے بہت محبوب اور پسند ہیں جو حق پرستی کو اپنا شیوہ بناتے ہیں، حق سچ کے اصول پر زندگی بسر کرتے ہیں اور حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے عدل گستری کو اپنا شعار بناتے ہیں، ایسے لوگ ہر زمان و ہر مکان کے بندگانِ خدا کے محافظ و رہنما بھی ہوتے ہیں، یہ دنیا ایسے ہی حق پرست، حق گو اور عدل گستر انسانوں کے صدقے رواں دواں اور قائم و دائم ہے، جس جگہ اور جس لمحے یہ گروہ حق پرست، حق شناس بالکل معدوم ہو جائے گا وہاں کی دنیا کے تہ و بالا ہونے کا فیصلہ ہو چکا! یہی گروہ ہے جو انسانی معاشرہ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، یہ ایک ایسے شاک آبزربر (Shock absorber) کا کام کرتا ہے جو معاشرہ پر آنے والے ہر صدمہ اور دھاکہ کو برداشت کر لیتا ہے، یہی نیک لوگ تمام نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے انسانی معاشرہ کا سہارا بنتے اور فیصلہ کن قوت کا کام دیتے ہیں، ایسے ہی حق شناس، حق پرست اور حق نواز بندے ہر امت، ہر قوم اور ہر معاشرہ میں رہے ہیں اور رہتے ہیں جب تک یہ موجود ہیں یہ معاشرہ کی بقا اور سلامتی کے ضامن ہیں، انہیں آپ قرآن کریم کے فرمان کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والا عالم باعمل گروہ کہہ لیجئے یا ٹوائن بی کی زبان میں منتخب گروہ، فئة مختارة (Selected few) کہہ لیجئے بات ایک ہی ہے، اور یہ ان لوگوں کا وجود ہے جس کے طفیل نیکی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہتی ہے اور بدکاروں کے جگر لرزتے اور دل شکستہ رہتے ہیں!

حق تعالیٰ شانہ نے اس حق پرست، حق شناس اور حق پرور گروہِ منتخب کی اپنی کتاب زندہ قرآن حکیم میں جا بجا تعریف کی ہے اور ان کے مفید اور تعمیری کردار کو پسند فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ برگزیدہ اور پسندیدہ گروہ سچ کہتا ہے، سچ کا ساتھ دیتا ہے اور سچائی کی خاطر جان بھی قربان کرتا ہے، ان کے دلوں میں سچ ہوتا ہے، ان کی زبانیں ہمیشہ سچ بولتی ہیں اور سچ کے سوا کچھ بھی نہیں کہتیں، سچ تو یہ ہے کہ انہیں کے طفیل سچ زندہ ہے! اپنے ازلی عہد کے مطابق جس عدل پر رب ذوالجلال قائم ہے، جس عدل پر حق تعالیٰ نے فرشتوں اور حق پرست اہلِ علم ودانش کی تائید وگواہی لازم ٹھہرائی ہے وہ عدل وانصاف بھی اسی برگزیدہ گروہ کی حق پرستی اور حق گوئی کے طفیل نافذ و مؤثر ہے، اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے چونکہ ہر امت، ہر زمان اور ہر مکان میں بلا امتیاز وتفریق پائے جاتے رہے ہیں اس لیے اللہ رب العزت اس کی ستائش بھی عمومی انداز میں فرماتے ہیں کہ: (33)

''وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ یعنی ہم نے جو بندے پیدا کئے ہیں ان میں سے ایک منتخب گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی روشنی میں راہ پاتا ہے اور اسی حق کی بنیاد پر عادلانہ فیصلے بھی کرتا ہے!''

گویا یہی برگزیدہ گروہ ہے جس کے طفیل معاشرے زندہ رہتے ہیں اور دائم چلتے بھی رہتے ہیں، کیونکہ یہ حق کا ساتھ دیتا ہے اور حق کی بنیاد پر عادلانہ ومنصفانہ فیصلوں سے امیدوں کو زندہ، عزائم کو پائندہ اور حوصلوں کو بلند کرتا رہتا ہے اس لیے یہی برگزیدہ جماعت معاشرتی دوام کا سامان اور بنیاد بھی ہے!

اللہ حق ہے، اللہ صدق ہے، اللہ عدل ہے، اسی لیے اس نے عدل وصداقت پر قائم رہنے کا ازلی عہد باندھ رکھا ہے اور اس عہدِ ازل پر گواہی اور اس کی تائید اپنے مقرب فرشتوں اور پختہ علم کے مالک اہلِ علم ودانش ہی سے کروانا پسند فرمایا ہے، توحید عدل ہے اور شرک ظلم ہے، مگر عدل پر قائم اپنی وحدانیت کی گواہی اس نے ایسی ہستیوں سے لی ہے جو حق کے سوا کچھ نہیں جانتے اور سچائی کے سوا کچھ نہیں مانتے، جو عدل کی تلوار کی دھار پر چلتے ہیں

اور بے دھڑک چلتے ہیں کہ یہ تلوار کی دھار اہلِ حق کے لیے ڈھال کا کام دیتی ہے، یہ عدل پر قائم لوگ توحید حق کے متوالے ہیں جو گوشت پوست کے انسان کو سیرتِ فولاد عطا کرتی ہے، توحیدِ حق کا متوالا حق گوئی کو شعار بناتا ہے، ہمیشہ حق و صداقت کا ساتھ دیتا ہے مگر عدل کی تلوار کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ کوئی حرص، کوئی طمع اور کوئی لالچ اسے عدل کی راہ سے ہٹا نہیں سکتا، وہ فولادی تلوار کی دھار کو بھی خاطر میں نہیں لاتا، کوئی خوف کوئی خدشہ، کوئی ڈر اس کے پاؤں میں لغزش نہیں لا سکتا، کیا خوب کہا ہے بلبلِ شیراز شیخ سعدی نے:(34)

موحد چہ در پائے ریزی زرش چہ شمشیرِ ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس برین است بنیاد توحید و بس

یاد کیجئے سردارانِ قریش کے اس وفد کو جو حضرت ابو طالب کے پاس شکایت لے کر آیا تھا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے بتوں کی تضحیک اور ہمارے بڑوں کی رسوائی میں حد کر دی ہے، ہماری پیشکش ہے کہ ہم میں سے کسی سردار کی جس بیٹی کا ہاتھ چاہیں وہ حاضر ہے، جتنی دولت مانگتے ہیں وہ پیش کیے دیتے ہیں اور اگر حکومت چاہتے ہیں تو ہم انہیں آج ہی اپنا سردار و حکمران مان لیتے ہیں بس ہمارے بتوں اور ہمارے بڑوں کو کچھ نہ کہیں یعنی توحید کا ڈنکا بجانا چھوڑ دیں اور شرک کی برائی بیان کرنا بند کر دیں ! تو اس موقع پر ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں اعلانِ توحید اور ردِ شرک کا مشن نہیں چھوڑوں گا!

یہی تو وہ بندگانِ حق ہیں جن کے طفیل اللہ رب العزت کا فرمانِ حق اور کلمۂ عدل تکمیل پذیر ہوتا ہے جس کا اعلان اس ارشادِ ربانی میں آتا ہے(35)

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

"یعنی اے حبیب پاک (ﷺ) تیرے رب کی بات صداقت و عدل کے لحاظ سے درجۂ کمال کو پہنچ گئی، اللہ تعالیٰ (کے عدل و صداقت والی)

باتوں کو کوئی بھی اور کبھی بھی بدلنے والا نہیں ہے، وہی ذات پاک ہے جو
سب کچھ سنتا اور جانتا ہے!''

اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل کو درجہ کمال تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا اور اس کے فرمانِ حق وصداقت کو کوئی بھی نہیں بدل سکتا! اس کا فرمان قطعی، اس کا عدل اٹل اور اس کے صدق وحق کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا!

13۔ عدل شانِ مصطفوی ہے: یوں تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام نبی اور رسول برحق، واجب الایمان اور لازم الاطاعت ہیں، ہم مسلمان خدا کے ان برگزیدہ بندوں کو بلا تفریق و امتیاز ماننے کے پابند ہیں، یہ سب کے سب ایک ہی دینِ حق کی تبلیغ کے لیے مبعوث کئے گئے تھے مگر ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خاص صفت اور خاص امتیازی شان کا مالک بھی ہے، حلم وبردباری امتیازِ ابراہیمی ہے، رعب وجلال شانِ موسوی ہے، سیدنا مسیح علیہ السلام کی امتیازی صفت بشارت ہے جبکہ نبی آخر الزماں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی صفت رحمۃ للعالمینی ہے، بقول علامہ اقبال:

تقدیر و ہدایت ابتدا رحمۃ للعالمینی انتہا

لیکن شریعتِ ابراہیمی کا امتیاز توحیدِ ربانی ہے، شریعتِ موسوی کی نمایاں بات قانون کی شدت اور سخت گیری ہے، مسیحی شریعت کا امتیازی سبق پیار ومحبت ہے مگر شریعتِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی امتیازی شان قیامِ عدل ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں گناہ اور جرم کی سزا مجرم اور گناہ گار کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرنا بھی ہے (36)، یہ بڑی مشکل اور سخت سزا ہے، لیکن سیدنا مسیح علیہ السلام تو سزا کی بجائے گنہگاروں سے پیار ومحبت کا حکم دیتے تھے لیکن پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی شان قیامِ عدل ہے، آپ بے شک نبی رحمت بھی ہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں لیکن آپ کا عدل وانصاف بلا امتیاز وتفریق یا رعایت ولحاظ سب کے لیے ہے! آپ نے انسانیت کو جو نظامِ عدل دیا ہے وہ قابلِ عمل ہے اور حقیقت پسندی کا آئینہ دار ہے، سخت قوانین سے خوف ایک فطری بات

ہے اسی لیے یہودی اپنے مذہب کے سخت قوانین کو چھوڑ چکے ہیں، دشمن سے محبت بھی ناقابلِ عمل ہے اسی لیے تو مسیحیت کی پوری تاریخ اپنے مذہب سے بغاوت کے مترادف نظر آتی ہے، پادریوں نے سپین میں مسلمانوں کو زندہ جلایا اور عیسائی حکمران آج بھی ایٹم بموں اور بارود کی دنیا پر بارش کر رہے ہیں مگر مسلمانوں کی تاریخ میں عدل کے اصول کارفرما رہے ہیں، قانونی دلائل اور واقعات جس کے حق میں ہیں فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا، اپنا مقدمہ کمزور ہونے کے باعث علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ایک اسلامی عدالت میں اپنا مقدمہ ہار جائیں گے اور مقدمہ اصول عدل کے مطابق مضبوط ہونے کے سبب ایک یہودی جیت جائے گا! (37) آپ کو اگر سزا ملے کہ مجمع عام کے سامنے خود کو چھری سے ذبح کیجئے تو آپ اپنی مشکل کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں، اور اگر آپ سے کہا جائے کہ اپنے باپ کے قاتل سے پیار کیجئے، اس سے محبت کا عملی مظاہرہ کیجئے تو یہ کام آپ کو کس قدر گوارا ہوگا اور کس قدر آسان لگے گا؟ کیا آپ ایسا کر پائیں گے؟ لیکن اگر آپ بالفرض عدالت کی کرسی پر بیٹھنے پر مجبور ہیں، آپ کے والد کا قاتل آپ کے سامنے انصاف کے اصولوں کے مطابق فیصلہ لینے کے لیے پیش ہوتا ہے، تمام دلائل و شواہد قاتل کے حق میں ہیں تو کیا آپ میزانِ عدل میں تول کر دو لفظی فیصلہ بھی نہیں کر پائیں گے؟ کیا مشکل ہے کہ آپ یہ مان لیں کہ قاتل کا مقدمہ مضبوط ہے لہٰذا اسے سزا نہیں دی جا سکتی!!؟ اگر آپ اصولِ عدل کو نہیں مانتے تو پھر آپ کرسیٔ عدالت پر بیٹھنے کے اہل ہی نہیں! آپ نے اپنی اہلیت کا ثبوت دینا ہے اور اپنے باپ کے قاتل کو، مجبوراً ہی سہی، بری کرنا ہے! تو یہ ہے شریعتِ عدل وانصاف کا کمال! اور یہ ہے نبی عدل وانصاف کی امتیازی شان! اور یہاں میں اپنی بات کی تائید میں یہ دو آیات پیش کرنے کو کافی سمجھتا ہوں، ان میں سے پہلی آیت سورۃ نساء کی ہے، ارشادِ ربانی ہے: (38)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ

اَوۡلٰی بِهِمَا

"یعنی اے ایمان لانے والو عدل وانصاف کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی خاطر گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ یہ گواہی تمہارے اپنے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو، خواہ کوئی امیر ہو یا غریب ہو تم اس کی پرواہ مت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ قریب اور افضل ہے!!"

ادائے شہادت اسلام میں جرئت ایمانی کا حصہ ہے، اگر گواہی مانگی جائے تو انکار بھی گناہ ہے اور جھوٹ بولنا بھی جرم ہے، کتمان شہادت یعنی گواہی چھپانا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جرم اور گناہ ہے، لہٰذا گواہی بھی دینا ہے، انکار بھی نہیں کرنا مگر سچ سچ گواہی بھی دینا ہے، جھوٹ بولنا بھی گناہ اور جرم ہے، تو اصل کام عدل کا قیام ہے اگر تم سچ کی گواہی نہیں دو گے تو نظامِ عدل قائم نہیں ہو سکے گا!

یہ دوسری آیت سورت مائدہ سے ہے (ان دونوں آیتوں کے کچھ حصے پیچھے بھی گزر چکے ہیں) سورت مائدہ کی یہ آٹھویں آیت شہادتِ حق ادا کرنے اور نظامِ عدل وانصاف کی پاسداری اور سرپرستی کرنے کے سلسلے میں عدل کی دنیا کے متلاشی انسان کے لیے ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہے اور روئے زمین پر قیامِ عدل کی نوید اور زندۂ جاوید پیغامِ حق بھی ہے، ارشادِ خداوندی ہے (39):

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

"یعنی اے ایمان والے لوگو! عدل وانصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاطر گواہی کی ذمہ داری سنبھالنے والے بن جاؤ، اور کسی گروہ (یا شخص) کی [illegible] (کی گواہی نہ دیکر) انصاف نہ کرنے کے جرم پر آمادہ نہ

کرنے پائے، عدل قائم کرتے رہو، کیونکہ یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، لہٰذا تقویٰ اختیار کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتے ہیں!''

اس آیت کریمہ کے پیغام کا یہ نقطہ خاص یاد رکھنے اور تامل کرنے کے قابل ہے کہ شہادت حق ادا کرنے اور عدل کا فیصلہ صادر کرنے کے ضمن میں کسی کی طرف داری یا کسی کی عداوت وانتقام سے کام لینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، تمہاری گواہی کسی غیر مسلم، منکرِ حق یا دشمن کے حق میں ہی کیوں نہ ہو، اپنے یا اپنوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، یا اس سے خود کو کوئی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہی کیوں نہ ہو، شہادت بہرحال ادا کرنا ہے، یہ ایک امانتِ حق ہے اور اس امانتِ حق کا حقدار تک پہنچنا ضروری ہے، اسی طرح منصفانہ فیصلہ بھی دوست، دشمن یا اپنے اور غریب سب کے لیے یکساں استحقاق کی حیثیت رکھتا ہے حق کا اعلان واظہار بندۂ مومن کا فریضہ ہے، بلا لحاظ خوف یا طمع حق کے مطابق فیصلہ دینا بندۂ مومن کی پہچان ہے، شہادتِ حق ہو یا قیامِ عدل ہو، ہر حالت اور ہر صورت میں حق کا مکمل ساتھ دینا قرآن کریم کا فلسفۂ زندگی ہے، معاشرتی اطمینان وسکون اسی بھروسے اور اعتماد پر موقوف ہے جو عدل وانصاف کی فضا سے وابستہ ہے، یہ فضا قیامِ عدل کی شرطِ اول ہے، عدل اٹھ جائے تو پہلے اعتماد اور بھروسہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر انسانیت کے لیے فساد اور تباہی کے تمام راستے کھل جاتے ہیں!!

بعثتِ انبیاء کی اولین غرض وغایت بھی تو یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی اس سرزمین پر سب سے اہم اور سب سے بڑا عدل قائم کرنے کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ خطرناک و ہولناک اور سب سے بڑا ظلم بھی ختم کر دیا جائے، جیسا کہ واضح ہوا سب سے بڑا عدل وانصاف تو اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات اور اس کی وحدانیت پر غیر متزلزل اور پختہ ایمان ہے اور سب سے بڑا ظلم اور اکبرالکبائر یعنی سب سے بڑا گناہ کبیرہ شرک باللہ ہے، یہ ایسا گھناؤنا جرم اور گناہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے معاف نہ کرنے کا پیشگی اعلان فرما دیا

ہے (40)، مگر سورت الحدید کی مذکورہ آیت کریمہ میں ایک نہایت ہی اہم نقطہ قابل توجہ اور گہرائی میں جانے کا تقاضہ کرتا ہے، لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی تا کہ لوگ عدل کے سہارے قائم ہوں، گویا انسانی معاشرہ سنبھل کر ہوش وحواس اور عزم بالجزم کے ساتھ کھڑا تبھی ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا اس کا عکس یا فقہی زبان میں اس کا مفہوم مخالف یوں ہوگا کہ لوگ عدل کے سہارے کے بغیر قائم نہیں ہوسکتے! اور یہ بہت بڑا سچ ہے، ہمیشہ کی طرح آج بھی انسان جس بدامنی، بے چینی اور مایوسی کی زد میں ہے اس کا سبب صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے عدل وانصاف سے محرومی، انسانوں کی حق تلفیاں ہورہی ہیں، کسی کو اس کا حق نہیں مل رہا، انسان عدل سے محروم ہیں لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ رب العزت کی حق تلفیاں ہورہی ہیں ایک خدا کے بجائے بہت سے خداؤں کی پوجا ہورہی ہے، نئے دور کے فرعون اور نمرود خلقِ خدا کو روندنے کچلنے، لوٹنے اور غلام بنانے کے لیے نکلے ہوئے ہیں، جب تک حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کا کوئی پیروکار اور غلام ان انسانیت دشمن فرعونوں نمرودوں اور ظالموں کا پنجہ نہیں مروڑتا اس وقت تک اس روئے زمین پر عدل قائم ہوسکتا ہے نہ انسان سکھ کا سانس لے سکتے ہیں، خلق، خدا کا قیام (عزم بالجزم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہونا، ثابت قدم رہنا اور ڈٹ جانا) بھی عدل کے قیام (قرآنی زبان میں قیام عدل کے ساتھ اقامتِ عدل بھی آیا ہے) پر موقوف ہے، اگر روئے زمین کے تمام انسان اٹھ کھڑے ہوں (یقوموا بالعدل) اور عدل وانصاف کو پوری قوت اور عزم کے ساتھ نافذ کردیں (یقیموا العدل) اور پھر اس عدل وانصاف پر سختی اور عزم بالجزم کے ساتھ ڈٹ جائیں (یستقیموا للعدل) تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں امن وسلامتی کے ساتھ ساتھ اخوت ومساوات اور خوشحالی کا دور دورہ نہ ہو!

اللہ جل شانہ نے انسانوں کو اقامتِ عدل وانصاف کے لیے اٹھ کھڑے ہونے اور اس نیک مہم میں کامیاب وسرخرو ہونے کی خوشخبری بھی دی ہے، یہ سب کچھ ایک تمثیل [illegible] قرآن کریم میں وارد ہوا ہے اور میں اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ اس

تمثیل کے بطل یعنی ہیرو خدا کے محبوب رسول محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، ارشادِ خداوندی اس طرح ہے (41):

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"یعنی اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی ایک تمثیل پیش فرماتے ہیں، جن میں ایک تو گویا گونگا ہے وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے کیونکہ وہ اسے جہاں کہیں کسی مہم پر روانہ کرتا ہے تو وہ کوئی بھلائی کا کام کر کے نہیں لوٹتا، (بھلا بتاؤ تو سہی کہ) کیا وہ (نکما شخص) اور وہ جو (یقیناً اقامتِ عدل کے باعث) صراط مستقیم پر بھی ہے، یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟!"

یہاں پر ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھانے والے اور اور اقامتِ عدل سے گریز کرنے والے کو گونگا قرار دیا گیا ہے! یہ ظلم کرنے والوں اور ظلم سہنے والوں دونوں قسم کے لوگوں پر بہت بڑا طنز ہے، بہت بڑی چوٹ ہے! کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ نہ ظلم کرو اور نہ ظلم برداشت کرو" (42) لیکن جو اس حکم ربانی پر عمل کرتے ہوئے ظلم اور جبر کو ٹھکرا دیتا ہے اور عدل وانصاف کا حکم دیتے ہوئے صراط مستقیم اختیار کرتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہے اور یہ محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور کون ہو سکتا ہے؟ اور اب یہ مصطفوی فریضہ اور کارِ خیر ان کے پیروکاروں اور غلاموں نے انجام دینا ہے کیونکہ عدل وانصاف کے لیے "امرِ ربی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی منصب ہے اور صحیح معنی میں اقامتِ عدل بھی انہی کا کارنامہ ہے، جزیرۂ عرب کی تاریخ اور سیرتِ طیبہ کے صفحات اس پر گواہ ہیں! کتاب اللہ کی یہ مؤکد اور غیر متبدل صراحت بھی آپ کے سامنے آچکی ہے کہ آپ کو اس اعلان کا حکم (43) ہوا تھا کہ "وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ" یعنی مجھے حکم یہ دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان ہر صورت میں اقامتِ عدل کا فریضہ انجام دے دوں"۔

14۔ عدل حکمِ الٰہی: عدل کے لیے امر ربانی کا پیغام دینے والی آیت کریمہ سورت النحل کی وہ آیت بھی ہے بلکہ بہت نمایاں اور قطعی حکم کی حامل ہے جو آپ ہر جمعہ کو ہر خطیب کی زبان سے سنتے ہیں کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰

''یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں عدل کرنے کا، احسان کرنے اور رشتہ داروں کو دیتے رہنے کا، اور منع کرتے ہیں گندی باتوں، ناپسندیدہ باتوں سے اور سرکشی سے، اور وہ تمہیں وعظ ونصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم یاد رکھا کرو!(44)''

سورت النحل کی یہ آیت کریمہ جسے خطبہ جمعہ میں آپ ہر خطیب سے سنتے چلے آرہے ہیں یہ عدل وانصاف کے لیے امرِ ربانی کی نمایاں ترین نشانی ہے اور اپنے اندر عمومی حکم لیے ہوئے ہے، اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ یہ حکم اے مسلمانو! تمہارے لیے ہے بلکہ یہ حکم عمومی تمام انسانیت کے لیے ہے اور یہ آیت مبارکہ عدل کے متعلق ''امر ربی'' ہے اور بقائے جہان کے لیے ناگزیر ہے مگر یہ آیت اس (حکم عدل) کے علاوہ پانچ اور معاشرتی احکام ربانی پر بھی مشتمل ہے، گویا اس میں بیان ہونے والے احکام ربانی میں سے تین مثبت اور تین منفی احکام ہیں اور وہ ہیں: احسان کرنا، رشتہ داروں کو کچھ نہ کچھ دیتے رہنا، گندی یا بے حیائی کی باتیں، ناپسندیدہ اور ناروا باتیں اور سرکشی کا مظاہرہ کرنا! اگر کسی معاشرہ میں اقامتِ عدل سمیت ان چھ کے چھ احکامِ ربانی پر عمل ہو جائے تو ایسا معاشرہ وہ رفاہی وفلاحی معاشرہ بن جائے گا جو اس روئے زمین کو جنت کی مثال بنا دے گا! صرف عدل وانصاف کے قیام سے ہی دنیا میں امن وسلامتی کا ماحول پیدا ہونا یقینی بات ہے، احسان یعنی حسن عمل، حسن سلوک، اچھے عمل اور اچھے برتاؤ کو رواج دینا انسانیت کو کس قدر راحت، سکون، خوشی اور اطمینان کی دولت عطا کرنے کے مترادف ہے، اگر ہر فرد کی تربیت

میں احسان پر عمل کرنا بھی شامل ہو جائے تو یہ زندگی واقعی حسین بن جائے مگر کون کرتا ہے ایسا؟ مسلمان ایسا کیوں نہیں کرتے؟ اور پھر رشتے داروں کی مدد کرتے رہنا، حسب توفیق ان کو دیتے رہنا اور ان کی مشکلات حل کرتے رہنا کتنا بڑا کام ہے مگر اس کی عملی صورت کہاں ہے؟ مسلمان اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟! اسی پر آپ تین منفی باتوں کو بھی قیاس کر سکتے ہیں، معاشرے میں گندی باتوں یا بے حیائی کے عام ہونے سے کیا کیا نقصانات ہیں؟ ناپسندیدہ باتوں کا اگر قلع قمع ہو جائے اور سرکشی کی عادت کے بجائے عاجزی اور تواضع کو رواج مل جائے تو اس دنیا کا رنگ ڈھنگ ہی بدل جائے اور پھر ہماری یہ زندگی بھی سنور جائے اور حسنِ عاقبت کا سامان بھی ہو جائے، تو ایسے ہی انسانی معاشرہ کے لیے حق تعالیٰ نے وعظ اور نصیحت کو اپنی طرف منسوب کر کے ان چھ باتوں کی اہمیت کا کس طرح احساس دلایا ہے؟! اگر ہم اپنے رب کے اس وعظ اور نصیحت کو یاد بھی رکھیں تو ہم کس قدر پاکیزہ معاشرہ بن سکتے ہیں! ایک ایسا مطلوب معاشرہ وجود میں آجائے گا جو اللہ تعالیٰ کے وعظ کی شان اور اہلِ ایمان کی آن ہوگا!

اس عظیم الشان آیت کو خطبہ جمعہ کا حصہ بنانے والے اُموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہیں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ خامس الخلفاء الراشدین یعنی پانچواں خلیفہ راشد قرار دے گئے ہیں اور فرما گئے ہیں کہ وہ بھی حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی صف میں شامل ہیں!، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ تھوڑے سے عرصے میں اتنے عظیم الشان کارنامے انجام دے گیا جو تاریخ ساز بھی تھے اور قابلِ فخر بھی ہیں، ان کا کارنامہ اقامتِ عدل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عدل کا نمونہ ہے، اُموی خلیفہ ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اُموی خلفاء کے تمام سابقہ ظالمانہ احکام کو یک قلم منسوخ فرما دیا تھا جو انہوں نے اہلِ بیت خصوصاً سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے متعلق جاری کر رکھے تھے حتیٰ کہ اہلِ بیت کو بلا کر باغِ فدک بھی ان کے حوالے کر دیئے سمیت ان کے تمام مطالبات پورے کر دیے تھے، معاشرہ کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کو اپنی عدل گستری

سے مطمئن فرما دیا تھا! خوارج کا باغی اور سرکش گروہ کسی طرح راضی نہیں ہو پا رہا تھا مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سنگدل اور سرکش گروہ کو بھی راہِ راست پر لگا دیا! ان کی عدل گستری کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے! اپنے وقت کے مسلمان معاشرہ کو عدل سے خوشحال و مطمئن کر دینے والے مسلمان حکمران کا سورت النحل کی اس آیت کریمہ کو خطبۂ جمعہ کا حصہ بنا دینا صرف ان کو ہی زیب دیتا ہے وہ جس عدل کے حکمِ ربانی یا امرِ ربی کو اپنے خطبہ کا حصہ بناتے ہیں اس پر وہ خود عمل بھی کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے قول و عمل دونوں لحاظ سے حاکم عادل تھے، وہ گویا شمعِ عدل بھی تھے اور اس شمع عدل کی روشنی بھی!

15۔ کمزوروں سے عدل و انصاف: اس روئے زمین پر انسانی زندگی کا سب سے بڑا المناک پہلو یہ ہے کہ ضعیف، کمتر، ناتواں اور کمزور انسانوں کے ساتھ عدل و انصاف نہیں ہوتا۔ طاقتور، برتر، زور آور اور زبردست اپنے ہاں کے ناتوانوں اور زیردستوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ انصاف کرتے نہیں بلکہ انصاف ہونے بھی نہیں دیتے! ہمیشہ کی طرح آج بھی طاقتور، صاحبِ اقتدار اور زبردست لوگ کمزوروں اور زیردستوں کے ساتھ عدل و انصاف کو گوارا ہی نہیں کرتے، زبانی کلامی غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ انصاف کی باتیں تو بہت کی جاتی ہیں مگر عملی طور پر کچھ بھی نہیں کیا جاتا بلکہ عملی طور پر سب لوگ ''ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات'' کا عملی راگ الاپتے دکھائی دیتے ہیں، انفرادی اور معاشرتی سطح سے لے کر عالمی سیاست کی سطح تک ہر جگہ کمزور و ناتواں سے ناانصافی اور اس کی حق تلفی کی روش ہی معمولِ عام رستہ اور شیوہ بن گیا ہے، عجب تر بات یہ ہے کہ طاقت کے نشے میں وحشت اور بدمست زور آور مغالطہ اور فریب کاری سے کام لیتے ہوئے کمزوروں سے بے انصافی کو انصاف کا نام بھی دیتے اور دلواتے رہتے ہیں! طاقتور کی بدنیتی اور بدکاری کا حال یہ ہے کہ ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے مگر زبان پہ بات بازی کچھ اور ہوتی ہے! مغالطہ میں ڈالنا اور فریب [illegible]

[illegible] بے انصافی کی واضح مثال آپ

کے سامنے ہے، سیاسی اخلاقی اور فوجی لحاظ سے سب سے زیادہ کمزور قوم مسلمان کو سمجھا جاتا ہے (حالانکہ سیاسی، اخلاقی اور فوجی طور پر مسلمان دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور قوم ہیں، اسے مسلمانوں کے دشمن بھی اچھی طرح جانتے ہیں مگر صرف ان کے اپنے لیڈر شاید اسے نہیں جانتے، مانتے تو بالکل ہی نہیں!) کیونکہ گزشتہ چار پانچ صدیوں سے دنیا بھر کے طاقتوروں نے مسلمانوں کو نشانۂ ظلم وستم بنایا ہوا ہے، دنیا میں سب سے سستی، بے قیمت مسلم جان و مال ہے، لیکن انوکھی بات یہ ہے کہ دنیا کو مغالطہ میں ڈال کر اور فریب کاری سے کسی نہ کسی بہانے انہوں نے مسلمانوں کو گردن زدنی مجرم بھی بنا چھوڑا ہے، ان طاقتوروں کی باتیں، ان کی روش اور ان کا طریقۂ کار دوغلے پن سے عبارت ہے، جو وہ کرنا چاہتے ہیں اسے قلب و ذہن کی متعفن فضاؤں میں چھپا کر رکھتے ہیں، مقصد کچھ ہوتا ہے مگر زبان پر کچھ اور ہوتا ہے مثلاً افغانستان پر حملہ کا اصل مقصد خطے میں عدم استحکام پیدا کر کے پوشیدہ مقاصد حاصل کرنا، یہاں کی دولت لوٹنا اور یہاں کے بہادر لوگوں (مثلاً چینیوں اور مسلمانوں) کو قابو میں کرنا تھا مگر بہانہ کچھ اور تھا عراق پر حملہ کے بھی ایسے ہی مقاصد تھے مگر جو دل میں تھا وہ زبان پر نہیں لایا گیا، اس دوغلے پن کی ایک اور واضح مثال دنیا کے طاقتوروں کا خود قانون پر عمل نہ کرنا بھی ہے، نام نہاد اقوامِ متحدہ کے ذریعے یا براہِ راست بین الاقوامی قوانین پر مسلمانوں سے تو سختی کے ساتھ اور ہر صورت میں عمل کروایا جاتا ہے مگر غیر مسلم دنیا پر یہ نام نہاد بین الاقوامی قوانین لاگو نہ کرنے کے بہانے بنائے جاتے ہیں، شمالی کوریا ایٹم بم کے تجربے بھی کر چکا ہے مگر بین الاقوامی قوانین کی زد میں ہی نہیں ہے، ایران شاید ایٹمی طاقت بنا چاہتا ہے یا نہیں مگر ایران پر یونہی دانت تیز کئے جا رہے ہیں، پاکستان بھی ایٹمی طاقت ہے مگر اس کا گھیراؤ کیا جا رہا ہے، نسل پرست یہودی اسرائیل ایٹم بم کے خود تجربات کئے بغیر بھی آج ایٹمی طاقت ہے، اسی طرح نسل برتری کے غرور میں مبتلا ہندو بھارت بھی ایٹمی طاقت ہے مگر ان دونوں کی پیٹھ ٹھونکی جا رہی ہے نام نہاد اقوامِ متحدہ کی قرارداد پاس ہونے سے پہلے ہی مسلمان ملکوں سے اس کی تعمیل کروالی جاتی ہے اور انکار پر

فوراً انہیں افغانستان اور عراق بنا دیا جاتا ہے مگر نسل پرست صیہونی اور نسلی برتری کے غرور میں مبتلا ہندو برہمن سو سال سے فلسطین اور کشمیر پر بین الاقوامی قراردادوں کی مٹی پلید کر رہے ہیں مگر یہ نام نہاد اقوامِ متحدہ بھارت اور اسرائیل سے ان کی تعمیل کروانے سے "عاجز" ہے!

کمزوروں سے طاقتوروں کی بے انصافی اور مظالم کی یہ تو بالکل واضح مثالیں ہیں، عالمی سیاست کی سطح پر یہ حال ہے، مگر انسانی معاشروں میں اور خصوصاً اسلامی معاشروں میں انفرادی اور گروہی سطح پر بھی طاقتور اور زبردست اپنے ہاں کے کمزوروں اور زیردستوں پر مظالم توڑ رہے ہیں، مگر یہ سب کچھ انسان کی غلط فہمی بلکہ کج فہمی کا نتیجہ ہے کوئی کمزور حقیقت میں کمزور نہیں ہوتا، اسی طرح کوئی طاقتور بھی حقیقت میں طاقتور نہیں ہوتا، کمزوری اور طاقت دونوں وقتی، تقابلی اور عارضی چیزیں ہیں، طاقتور کمزور اور کمزور طاقتور ہو سکتا ہے، بات صرف سمجھنے اور غور کرنے کی ہے! سب کھیل انسانوں کی غلط فہمی اور کج فہمی کا ہے، ہوا ہمیشہ ایک رخ پر نہیں چلتی، مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کو، شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کو ہوا کا رخ بدلتا ہی رہتا ہے، اس تغیر پذیر اور فانی دنیا کی کسی چیز کو دوام حاصل نہیں ہے تو پھر طاقت پر اترانے اور کمزوری پر گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں! نمرود ہمیشہ نمرود نہیں رہ سکتا مچھر جیسی حقیر مخلوق بھی اسے بے بس کر کے موت تک پہنچا دیتی ہے، فرعون بھی بے بس ہو کر غرق ہوتے رہتے ہیں اس لیے کہ کبھی کوئی ابراہیم پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی کوئی موسیٰ آ جاتا ہے تو پھر اس غلط فہم اور غلط رو انسان کو یہ احساس و شعور کیوں نہیں ملتا؟ لیکن دراصل انسان جاننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا! ہزاروں سال ذلت اور غلامی اور حقارت کا شکار رہنے والی قوم یہود آج کہاں کھڑی ہے اور کیا کر رہی ہے؟ صدیوں کی بے بسی اور غلامی کے بعد ہندو کو اتنا بڑا ملک مل گیا ہے مگر وہ نہ اس پر شاکر اور قانع ہیں اور نہ انہیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہر چیز یہاں کی وقتی اور عارضی ہے، آج اگر ہندو اور یہودی کچھ قوت یا اقتدار کے مالک ہیں تو کل یہ چھن بھی سکتا ہے، اس کرسیِ اقتدار پر کل فلسطینی اور

کشمیری بھی بیٹھ سکتے ہیں؟ پھر ان سے کج رو یہودی اور برہمن کیا توقع رکھ سکتے ہیں!؟
کمزور ہونا یا طاقتور ہونا بھی ایسے ہی ہے جیسے دولت مند یا غریب ہونا! دراصل یہ عبرت کی جگہ ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ دولتمندی اور طاقتوری پر خدا کا شکرادا کیا جائے، دولت غریبوں کو بھی دی جائے اور طاقت سے کمزور کا ہاتھ بھی تھاما جائے، غربت ومحتاجی بھی ایک محرومی ہے بالکل ایسے ہی جیسے کمزوری اور ناتوانی بھی محرومی کی ایک شکل ہے، اس محرومی کو محسوس کرنا چاہیے اور محروم ہونے والوں کی دستگیری کرنا چاہیے، خدا تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے دولتمند کو غریبوں اور محتاجوں پر مہربان ہونا چاہیے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن کر طاقتور کو بھی کمزور پر شفقت کرنا چاہیے، لیکن ہوتا اس کے برعکس ہے، حالانکہ یہ فرق اور فاصلہ دراصل خلقِ خدا میں تنوع کے اس رنگ سے قادرِ مطلق کے کرشمۂ قدرت کا اظہار مقصود ہے، وہ جسے چاہے دولتمند اور طاقتور بنادے اور جسے چاہے کمزور اور محتاج بنادے، یہ تنوع یہ احساس دلانے کے لیے ہے کہ وہ مرضی کا مالک ہے جو چاہے کرتا ہے، بس انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر شکر گزار بندہ بن جائے اور محرومی پر اپنے رب کے سامنے دستِ دعا پھیلا دے، رزق اور عزت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ دے کر واپس بھی لے سکتا ہے اور واپس لے کر محروم کو دوبارہ عطا بھی فرما سکتا ہے، دولتمند محتاج ہو سکتا ہے اور محتاج دولتمند بن سکتا ہے اسی طرح طاقتور کمزور اور کمزور طاقتور بھی بن سکتا ہے، اس لیے جس طرح اہلِ ثروت کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی دولت وثروت کو خدا کی طرف سے عطیہ سمجھتے ہوئے غریبوں اور محروموں کو بھی اپنے ساتھ اس میں شریک کریں اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے ایسا ہی کرتے ہیں! جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا مقولہ اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش دراصل بیمار اور ناکارہ ذہنوں کی پیداوار ہے، طاقت اور دولت ہی کو سب کچھ جاننے اور ماننے والوں کو طاقت کے زوال اور نعمت سے محرومی کا احساس بھی کرتے رہنا چاہیے!

بہرحال پیغمبرِ عدل وامن صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے جس کی لاٹھی اس کی بھینس یا بالادستہ

ودولت کے نشے میں چور ہونے کی روش کو قطعی طور پر مسترد کر دیا ہے طاقتور کو کمزور کے حق کی حفاظت کرنا چاہیے اور دولتمند کو معاشرہ سے غربت دور کرنا چاہیے، تعلیماتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معاشرہ کے کمزور اور نادار افراد اور طبقات کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا تاکیدی حکم ہے اور عملی طور پر عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں اس پر پورا پورا عمل بھی ہوا! عورت، ماتحت یا زیردست اور یتیم کی کمزوری اور محتاجی کا خصوصی خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کی سرپرستی، ان کے حقوق کے تحفظ اور ان سب سے عدل وانصاف کا خصوصی حکم ہے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے لیے آخری وصیت یہ تھی کہ:

اتقوا اللہ فی الضعیفین النساء و ماملکت ایمانکم

یعنی دو کمزور ہستیوں کے حوالے سے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہنا اور وہ ہیں خواتین اور وہ لوگ جو تمہارے زیرِ دست اور ماتحت ہیں!!"

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامِ عدل وانصاف میں غنی وفقیر یا مالدار اور غریب سب کے سب بندوں سے برابری کے سلوک کا حکم ہے کیونکہ یہی وہ افراد، گروہ اور طبقات ہیں جو عدل وانصاف سے محروم رکھے جاتے ہیں، یہ کام مقتدر لوگوں اور حکام کا ہے کہ وہ اپنے اقتدار اور حکومت کے زور سے ان کا دفاع کریں اور حق تلفی نہ ہونے دیں۔

16۔ قرآنی آیاتِ عدل اور مفسرین: گزشتہ صفحات میں عدل وانصاف کے متعدد پہلوؤں کے متعلق جو قرآنی آیات ہمارے سامنے آچکی ہیں ان کی تفسیر کے ضمن میں مسلمان، علماء اور مفسرین کرام نے جو افکار اور آراء پیش کی ہیں ان کا مطالعہ بھی بہت مفید اور بے حد دلچسپ ہے تاہم اس کی تفاصیل سے تعرض کرنا مشکل اور غیر ضروری طوالت کا باعث ہوگا، بس مثال اور نمونے کے طور پر بعض مفسرین کی آراء کا اجمالی ذکر کفایت کر سکتا ہے۔

سورۂ آلِ عمران کی آٹھویں آیت کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ ارشاد کہ اس آیت میں العدل سے مراد اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی توحید پر ایمان ہے، امام طبری نے

اپنی تفسیر میں ابنِ عباس کے اس قول کی پر مغز تشریح اور خوبصورت توجیہ پیش کی ہے، فرماتے ہیں:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ آپ کو عدل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور عدل سے مراد انصاف ہے اور یہ انصاف نعمت عطا کرنے والے کی کرمنوازی کے اعتراف اور شکریہ کو واجب ٹھہراتا ہے، مقصود یہ ہے کہ تمام حمد و ستائش صرف اسی ہستی کے لیے مختص کیونکہ ہو وہ ہستی ہی تو اس کی اہل اور مستحق ہے، سو اب اگر مستحق ہستی کا تشکر عدل ہے تو پھر اوثان و اصنام کسی طرح بھی حمد و ستائش کے مستحق نہیں ہیں ان کی عبادت کرنا انسان کی جہالت اور نادانی ہے اسی لیے تو کہنے والوں نے یہ کہا ہے اور بالکل صحیح کہا ہے کہ یہاں عدل وقسط سے مراد لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے''۔

لیکن حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول عدل کے صرف ایک دائرے یا ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے، جبکہ دیگر اہلِ علم کے نزدیک عدل کے تین دائرے ہیں اور ان تینوں دائروں میں پورے طور پر عمل کرنے سے انسان عادل بن سکتا ہے اور عدل کا صحیح تقاضا پورا کر سکتا ہے، عدل کا ایک دائرہ انسان کی اپنی ذات ہے دوسرا دائرہ کائناتِ ارض و سماء میں دیگر مخلوق کے ساتھ تعلق کے لیے ہے جبکہ عدل کا تیسرا دائرہ انسان کی اپنی ذات اور اس کے خالق و مالک کے باہمی تعلق سے مختص ہے، حضرت ابنِ عباس کا مذکورہ قول اسی تیسرے دائرۂ عدل سے تعلق رکھتا ہے(49)

اسلامی اندلس کے دو عالم و مفسر ابو بکر ابن العربی صاحب احکام القرآن اور ابو عبداللہ القرطبی صاحب الجامع لاحکام القرآن (جسے عموماً تفسیر القرطبی کہتے ہیں) نے عدل کے ان تینوں دائروں کی خوبصورت تفصیل بیان کی ہے، آخر الذکر اگرچہ اول الذکر کے خوشہ چین ہیں تاہم ان کی بات بھی اصالت و ابداع سے خالی نہیں ہوتی، لیکن ابو بکر ابن العربی کی بات

ہی کچھ اور ہے، وہ فرماتے ہیں: (50)

''اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وہ قائم بالعدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایسے عدل کا حکم دیتے ہیں جس کا تعلق تمام جہان سے ہے، عدل کی معنوی حقیقت یہ ہے کہ عدل اور نقیضِ عدل یعنی جور کے دو کناروں کے درمیان کا راستہ اختیار کیا جائے، عدل کی ضد یا نقیض جور ہے، چونکہ باری تعالیٰ نے اپنے اس جہانِ دنیا کو تضاد، اختلاف، تقابل اور ازدواج یا ثنویت (دو ہونا) کے متنوع رنگوں سے سجایا ہے اور پھر اس جہانِ دنیا کا کام کاج چلانے کے لیے عدل وانصاف کی صورت و کیفیت کو اس تضاد، اختلاف، تقابل اور ثنویت کی صورت و کیفیت کے درمیان میں رکھا ہے تا کہ اس جہانِ دنیا کا ہر معاملہ اعتدال و میانہ روی کے ساتھ جاری وساری رہے!''

گویا ابن العربی کے نزدیک عدل ایک حالت یا کیفیت کا نام ہے جو اس جہانِ دنیا کے تضاد، اختلاف، تقابل اور ثنویت یا ازدواج کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی ہے، اس عدل اور انصاف کے طفیل اس جہانِ دنیا کی دو متضاد و متقابل یا مختلف چیزیں باہم ٹکرانے سے محفوظ رہتی ہیں، اگر عدل اور انصاف نابود و معدوم ہو جائے تو تضادات و اختلاف کی کیفیت ایک دوسرے کے باہم مقابل آ کر تباہی و بربادی کا وسیلہ اور سبب بن جائے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی حکمتِ عادلانہ کا نظامِ رحمت ہے جو انسانی زندگی، معاشرہ کی بقا اور کائنات کے تسلسل اور دوام کا ذریعہ ہے، جب تک اس حکمتِ عادلانہ کا یہ نظام رحمت کار فرما ہے اس وقت تک ہماری یہ دنیا باقی و دائم ہے!

عدل کے یہ تین دائرے بیان کرنے کے بعد قاضی ابوبکر ابن العربی ان تین دائروں کی تفصیل بیان کرتے ہیں، ان میں سے ایک دائرہ بندۂ عاجز اور قادرِ مطلق مولیٰ عزوجل کے درمیان تعلق سے عبارت ہے چنانچہ بندۂ عاجز اور اس کے ربِ قدیر کے درمیان رشتۂ عدل و انصاف کی روح اور مقصود یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دے،

اپنے ربِ قدیر کی رضا اور خوشنودی کو اپنے جذبات وخواہشات پر مقدم و برتر مانے، جن باتوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے انہیں پوری طرح بجالائے اور انجام دے لیکن جن باتوں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے ہمیشہ اور مکمل طور پر اجتناب کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی نواہی کے ارتکاب سے بچتا رہے اور اس کے اوامر کو بجالاتا رہے تو گویا بندۂ ناچیز نے اپنے ربِ قدیر کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے اس کے ضمن میں عدل وانصاف کو قائم رکھا!

عدل کا دوسرا دائرہ بندہ اور اس کی اپنی شخصیت کے درمیان کا رشتہ ہے، اپنے بدن کی صفائی اور تحفظ کا خیال رکھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تجھ پر تیرے جسم کا بھی حق ہے، اس لیے خود کو ایسی باتوں سے باز رکھے جن میں اس کی اپنی ہلاکت اور تباہی ہو (وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى یعنی جس نے خود کو ہوا و ہوس سے باز رکھا)، طمع وحرص کی پیروی سے اجتناب کرے اور ہر صورت میں صبر وقناعت کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے، اگر کوئی بندہ اس حالت وکیفیت کو قائم و برقرار رکھ سکا تو اس نے گویا اپنے آپ سے بھی انصاف کیا!

عدل کا تیسرا دائرہ بندۂ عاجز اور دوسری مخلوقِ خدا کے درمیان رشتہ وتعلق سے عبارت ہے جس میں سرِ فہرست خلقِ خدا کی خیر خواہی، فلاح اور خدمت ہے، مخلوقِ خدا کے تعلق میں ہر قسم کی خیانت اور بد دیانتی سے بچنا، ہر لحاظ سے تمام مخلوقِ خدا کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار کرنا، قول وفعل سے کسی کے ساتھ برائی یا بدسلوکی نہ کرنا، خفیہ وعلانیہ سب کی بھلائی کو مقدم رکھنا حتیٰ کہ برائی یا بدسلوکی کا خیال یا ارادہ بھی دل میں نہ آنے دینا اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کی کم سے کم مقدار اور معیار یہ ہے کہ کوئی انسان کسی مخلوق کو اذیت یا تکلیف نہ پہنچائے اور نہ پہنچانے کا سبب بنے، یہ بات تو تواتر کے ساتھ مشہور ہے کہ کسی مہم کے لیے سفر کے دوران میں رستہ میں کسی ساتھی نے کسی پرندہ کے گھونسلے میں سے اس کا بچہ اٹھالیا، وہ پرندہ بے قراری اور بے تابی کے ساتھ اس آدمی پر بار بار جھپٹنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو حکم دیا کہ اس پرندے کا بچہ اس کے گھونسلے میں اسی طرح

واپس رکھ دیا جائے، اس کو بھی تاریخ جانتی ہے کہ فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص کے خیمے میں کبوتری نے گھونسلہ بنالیا، خیمہ کو عربی میں فسطاط بھی کہتے ہیں، جاتے ہوئے اس عظیم فاتح نے حکم دیا کہ یہ خیمہ اس وقت تک یہیں رہے گا جب تک یہ کبوتری خیمہ چھوڑ کر خود نہیں چلی جاتی، مدتوں یہ خیمہ یونہی رکھنا پڑا، لوگوں نے اس کے آس پاس مکان بنائے اور شہر کا نام مدینة الفسطاط یعنی خیمہ کا شہر پڑ گیا، قاہرہ شہر کا پرانا نام یہی ہے مگر اب یہ فسطاط قاہرہ شہر کا ایک محلہ یا اضافی بستی کے طور پر واقع ہے اور یہیں پر اس جلیل القدر مسلمان فاتح کی مسجد "جامع عمرو بن عاص" آج بھی موجود ہے!!

حاکمِ عادل کیسا ہو؟

اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت امام شافعی خلفائے راشدین میں شمار کرتے تھے اور انہیں پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے تھے، انہوں نے اپنے عہدِ حکومت میں عدل و انصاف کا جس طرح بول بالا کیا اسے دنیا جانتی اور مانتی ہے، انہوں نے ایک مستند عالمِ حدیث و تفسیر محمد بن کعب القرظی سے عادلانہ و منصفانہ رویہ حکومت کی وضاحت و تشریح مانگی تو انہوں نے لکھ بھیجا:

كُنْ لِصَغِيْرِ النَّاسِ اَبًا وَلِكَبِيْرِهِمْ اِبْنًا وَلِلْمِثْلِ مِنْهُمْ اَخًا وَ لِلنِّسَائِ كذلك، وعاقِبِ النَّاسَ على قَدْرِ ذنوبهم وعلى قَدْرِ اَجْسَادِهِم وَلَا تَضْرِبَنَّ سَوْطًا وَاحِدًا فَتَكُوْنَ مِنَ العادِيْنَ

"یعنی چھوٹوں کے لیے باپ بن جائیے، بڑوں کے لیے بیٹا اور اپنے برابر والوں کے لیے بھائی بن جائیے اور عورتوں کے لیے بھی یہی تین درجے (بیٹی، بہن اور ماں کے درجے پر) ہو جائیے، لوگوں کو سزا دینے لگیں تو ان کے جرائم اور ان کی جسمانی کیفیت کو مدنظر رکھیے مگر اپنے ذاتی غصے کی وجہ سے کسی کو کوڑے مت لگائیے کہیں آپ حد سے بڑھنے والے نہ قرار دے دیئے جائیں!"

17: چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کا عملی تصادم

کشمکش حیات بلاشبہ روحِ حیات ہے لیکن زندگی کی اس کشمکش اور جہدِ مسلسل کے بہت سے رستے اور بے شمار طریقے ہیں، مگر ان میں سے بدترین اور قابلِ نفرین طریقہ یا رستہ ظلم اور تعدی ہے جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور پسندیدہ بات ہے اور نہ وہ اسے خود اپناتا ہے نہ اسے گوارا کرتا ہے، خدا نے اپنے نظامِ کائنات کے لیے جو رستہ اور طریقہ اختیار کیا اور روا رکھا ہے وہ اعتدال اور توازن کا طریقہ ہے جو عدل وانصاف کا نتیجہ ہے، ظلم اور تعدی کا رستہ اور طریقہ شیطانی کارستانی ہے جو اللہ جل جلالہ کو ہرگز گوارا نہیں ہے مگر بایں ہمہ عدل کے مقابلہ میں ظلم اور امن کے مقابلہ میں بدامنی موجود ہے، ظلم اور عدل کا یہ مقابلہ اور امن کے مقابلے میں بدامنی کی شیطانی چال ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی! علامہ محمد اقبال کے الفاظ میں گویا عدل وانصاف چراغِ مصطفوی ہے جو ازل سے ابد تک شرارِ بولہبی کی ظالمانہ و کافرانہ روش سے متصادم ہے:(51)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اس روئے زمین پر امن اس لیے قائم نہیں ہو رہا کہ یہاں نظامِ عدل کے قیام میں رکاوٹیں ہیں اور ان رکاوٹوں میں ایک رکاوٹ بلکہ سب سے بڑی رکاوٹ ظلم اور تعدی کی شیطانی روش ہے، جب تک ظلم وتعدی یعنی جارحیت اور دست درازی کا پنجہ نہیں مروڑا جاتا اور ظلم ودست درازی کے مرتکب سزا سے بچتے رہیں گے اس وقت تک دنیا میں عدل وانصاف اور قیامِ امن ناممکن ہے، قدم قدم پر ظلم اور دست درازی کے علمبردار شیطانی نمائندے موجود ہیں جو لاکھ بہانوں اور مغالطہ یا فریب کاری سے جنگ کے شعلے بھڑکاتے رہتے ہیں، شیطان کے ان ریاکار اور منافقین چیلوں چانٹوں کے بہانے اور حیلے اس قدر پراثر، پرکشش اور گمراہ کن ہوتے ہیں کہ صاف دل، نیک نیت اور سادہ لوح انسانوں کی اکثریت ان کے دھوکے میں آجاتی ہے، اس لیے ظلم دست درازی اور جارحیت کی جڑ کاٹنا پہلا قدم ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے پیغامِ آخرین قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے

ارشادات و فرامین میں ظلم و تعدی کو روکنے اور ظالم اور حد سے بڑھنے والوں کا قلع قمع کرنے کا حکم ہے، اس کے ہوتے ہوئے نظامِ عدل و انصاف کا نفاذ ممکن نہیں، عدل اور ظلم ایک دوسرے کی ضد ہیں، اجتماعِ ضدین ناممکن ہے اس لیے ظلم کی موجودگی میں عدل نہیں پنپ سکتا، ایک کا اثبات دوسرے کی نفی ہے، رات ہو اور دن بھی رہے، ظلم رہے اور عدل بھی ہو یہ کیسے ممکن ہے! یوں تو عدل کی آمد سے ظلم کا معدوم ہونا قدرتی بات ہے تاہم نفاذِ عدل سے پہلے ظالم کا احتساب اور ظلم و تعدی کا ختم کرنا ایک تمہید کا حکم رکھتا ہے، چونکہ خلقِ خدا کی غالب اکثریت نفاذِ عدل کے لیے سرتاپا تائید اور ظلم کے خلاف سراپا فریاد ہوتی ہے اس لیے ظلم خلقِ خدا کے سیلاب کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا، لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ظلم شر ہے اور عدل خیر ہے سو جس طرح خیر و شر کا تصادم ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اسی طرح عدل اور ظلم کی معرکہ آرائی بھی ازل سے ابد تک جاری و ساری رہے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابلیس ملعون کو خدائی مہلت حاصل ہے، ابلیس عداوت و حقارت کے باعث اولادِ آدم کو اپنے ہتھکنڈوں سے شر کی راہ پر ڈالتے رہنے میں سرگرم اور سرگرداں ہے شیطانی نظامِ ظلم و شر، رحمانی نظامِ عدل و خیر سے متصادم رہنے میں کوشاں ہے اور رہے گا مگر آخری فتح حق کے نظامِ رحمانی کا مقدر ہے شیطانی نظام کا مقدر ناکامی و نامرادی اور حق کے ہاتھوں فیصلہ کن شکست ہے!

اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی پر بھی ظلم نہیں

اللہ تعالیٰ کے نظامِ عدل و خیر کی بنیاد اس حقیقت پر قائم ہے کہ ربِ ذوالجلال سراپا عدل ہے چنانچہ سب سے پہلے اس نے اپنی پاک ذات ستودہ صفات کے ظلم اور ناانصافی سے پاک اور مبرا ہونے کا اعلان فرما رکھا ہے، خدا کی ذات ظلم سے پاک ہے وہ اپنے بندوں پر نہ ظلم کرتا ہے اور نہ اسے گوارا ہے کہ کوئی بھی اس کے بندوں پر ظلم کرے، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت ربِ کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر معمولی فرق و تنوع کے ساتھ کم سے کم چار مرتبہ نازل فرمائی اور یہ چار سورتوں میں متعدد بار دہرائی گئی ہے کہ: (52)

لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ یعنی وہ ذات پاک اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا''

اسی پیغام ربانی کو ایک اور انداز اور مختلف اسلوب کے ساتھ یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ (53):

''وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ یعنی اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ بھی نہیں فرماتا!''

روزِ حشر جب بندوں سے حساب کتاب لینے کا وقت آئے گا تو اس وقت بھی حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے یہ اعلان ہوگا کہ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ یعنی آج اس انصاف کے دن کسی سے بھی بے انصافی نہیں ہوگی اور کسی کے خلاف بھی کسی قسم کا ظلم روا نہیں رکھا جائے گا!

اللہ تعالیٰ جو قادرِ مطلق بھی ہیں اور عادلِ مطلق بھی اس ذاتِ پاک کا یہ بھی اعلان ہے کہ وہ اپنی زمین پر ظلم کے نظام کو ہمیشہ انجام کار نامرادی اور ناکامی سے دوچار کرتا ہے، نمرود ہو، فرعون ہو، شداد ہو یا اس کے بعد آنے والے شیطان کے کچھ اور چیلے چانٹے ہوں، ان سب کا انجام ہمیشہ ناکامی اور نامرادی کی ذلت میں ڈوب جانا ہے! کوئی ظالم بھی کبھی بھی کامیاب اور سرخرو نہیں ہوسکتا! چنانچہ یہ آیتِ ربانی بھی معمولی سے لفظی فرق کے ساتھ کم سے کم چار مقامات پر تکرار سے قرآن کریم میں وارد ہوئی ہے: (54)

''لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی ظالم لوگ کبھی بھی فلاح نہیں پاتے''

اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں اہلِ ایمان کو جو حکم فرمایا ہے وہ ظلم کے لیے دودھاری تلوار کی حیثیت رکھتا ہے، حکم یہ ہے کہ بندۂ مومن کو نہ تو کسی پر ظلم کرنا چاہئے اور نہ کبھی اپنے خلاف کسی کا ظلم برداشت کرنا چاہئے! اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ ظلم کو ہر حال میں پائے حقارت سے ٹھکرا دیں، نہ تو خود کسی پر ظلم کریں اور نہ کسی ظالم کے ظلم کو برداشت کریں، ارشادِ ربانی ہے: (55)

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔

"یعنی نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی کا ظلم برداشت کرو!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ظلم کو قیامت کی تاریکیوں میں سے ایک تاریکی قرار دیا ہے، اسی لیے مظلوم انسان کی بددعا سے بچنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْم یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو کیونکہ اس کی دعا کو خدا تک پہنچنے سے کوئی رکاوٹ بھی نہیں روک سکتی!(56) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی اعلان فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا اس لیے جو خود کسی پر ظلم کرنا گوارا نہیں کرتا تو پھر وہ کسی حقیر ظالم کے ظلم کو کس طرح گوارا کر سکتا ہے، ارشادِ نبوی ہے:(57)

فَاِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ مِنْ خَلْقِهٖ اَحَدًا

"یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا"۔

ظلم کی نفی اور انکار عدل کے اثبات اور اقرار کے مترادف ہے، جب ظلم نابود ہوگا تو یہ بات عدل کے وجود اور اثبات کو مستلزم ہوگی، نظامِ عدل کے قیام و نفاذ کے لیے ظلم اور بے انصافی کا خاتمہ ایک تمہیدی قدم ہے، ظلم کے نابود اور معدوم ہونے سے نظامِ عدل کے نفاذ کے لیے، زمین ہموار ہوتی ہے، اس لیے آپ ظلم کی نفی کریں یا عدل کا نظام قائم کرنے کے لیے مثبت قدم اٹھائیں بات ایک ہی ہے، جہاں اور جب بھی آپ نے ظلم کو نابود کیا وہاں عدل بھی قائم ہوگیا! تاہم ظلم کی نفی، اور انکار کے بغیر عدل کا نظام قائم کرنا نامعقول اور ناممکن بات ہے!!

18۔ نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرکزی نقطہ عدل اور امن ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ شروع سے آخر تک، سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی گود سے لے کر سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارک میں رفیقِ اعلیٰ سے وصال تک عدل اور امن سے عبارت ہے، اللہ رب العزت نے ان کی منزلِ مقصود، قول و فعل کا حقیقی ہدف اور عزم و نظر کا مرکزی نقطہ بھی عدل اور امن ہی رکھا، اس حقیقی ہدف اور مرکزی نقطہ سے نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی کہیں نہیں ہٹی! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے عدل و انصاف

کا نظامِ زندگی پسند فرماتا ہے جس میں سکھ چین اور امن وسلامتی کی فضا میں اپنی دنیا اور آخرت دونوں سنوار سکیں! ایک ایسی فضا اور ایک ایسا ماحول جس میں کوئی مظلوم انصاف سے محروم نہ رہے اور کوئی زیرِ دست یا محتاج نہ کسی کا دستِ نگر ہو اور نہ اسے کوئی امن وسلامتی کی زندگی میں کوئی چیز پریشان کر سکے، حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے یہی پرامن ماحول اور سکھ چین کی یہی زندگی پسند کی گئی تھی بلکہ وعدہ فرمایا گیا تھا (59) اور تمام انبیاء کرام اسی دینِ عدل اور امن کے لیے انسانوں کو بلاتے رہے، اور اس عدل وامن کی زندگی کی تکمیل کا کام رسولِ عدل وسلامتی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام واختتام کو پہنچایا، جب کسی حرص اور طمع کے مارے نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے ضمن میں بے ادبی وگستاخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فلاں چیز مجھے نہ دے کر کوئی انصاف نہیں فرمایا تو اس کے جواب میں زبانِ حق شناس وحق گو پر بے ساختہ یہ الفاظ رواں ہو گئے تھے کہ: (60)

''ومن یعدل بعدی اذا لم اعدل یعنی اگر میں نے انصاف نہ کیا تو پھر میرے بعد عدل وانصاف کون کر پائے گا؟'' یہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس بات کا واضح اعلان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے جن مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال کی تکمیل مقصود ومطلوب ہے ان میں قیامِ عدل وانصاف کو نمایاں بلکہ مرکزی حیثیت حاصل تھی، جب آپ نے یہ فرمایا تھا کہ:

> انما بعثت لاتمم مکارم الاخلق ومحاسن الاعمال
>
> ''یعنی میری بعثت اور نبوت کی غرض وغایت تو بس یہی ہے کہ میں بلند اخلاق اور حسنِ عمل کو معیارِ تکمیل تک پہنچا دوں!!''

خلقِ خدا کے لیے عدل وانصاف اور امن وسلامتی سے بڑھ کر بلند اخلاقی اور حسنِ عمل اور کیا ہو سکتا ہے؟ اسی انصاف اور سلامتی کو انسانیت ترس گئی ہے اور انسانیت کی یہ حسرت اور یہ ضرورت اب پوری ہو کر رہے گی! اب انسان بیدار ہو چکا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو رہا

ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے دنیا میں صحیح معنی میں عدل قائم کر کے دکھایا اور آپ کے دین میں ہی عدل وانصاف کی تاکید ہے۔

یہ آیاتِ قرآنی تو ہم پہلے بھی پڑھ چکے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوہرا حکمِ انصاف دیتے ہیں، یعنی ایک تو قُل کا صیغہ امر آتا ہے اور پھر اُمِرْتُ یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کا لفظ آتا ہے کہ میں اس کے بندوں میں عدل وانصاف قائم کر دوں دنیا کو عدل وامن کے پیغام کے علاوہ اس عدل اور امن کو عملی شکل میں ایک معیار بھی عطا کر دوں، اور یہ آپ نے عطا فرما دیا ہے۔(61)

یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح صدق وامانت جیسے مکارمِ اخلاق کو اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند اخلاق کا قدرتی اور جبلی یا پیدائشی حصہ بنا دیا تھا اسی طرح عدل اور امن بھی آپ کی فطرت وطبیعت کا حصہ تھے! چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتایا کرتی تھیں کہ جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضائی فرزند کی حیثیت سے میری گود میں آئے تو میں نے سینے سے لگا لیا اور ایک دودھ ان کے منہ میں دے دیا، جب آپ پی چکے تو دودھ چھوڑ دیا، میں یہ سمجھی کہ دودھ ختم ہو گیا تھا اس لیے چھوڑ دیا ہوگا، تب میں نے دوسرا دودھ آپ کو پلانا چاہا مگر آپ نے منہ نہ لگایا، مجھے خیال آیا کہ شاید آپ سیر ہو چکے ہیں اس لیے نہیں لے رہے مگر جب اس بات کا تکرار کئی بار ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ دوسرا دودھ اپنی رضاعی بہن کے لیے مکمل اور سالم چھوڑ دیتے ہیں تاکہ انصاف کا تقاضا پورا ہو! یہ قدرتِ خداوندی تھی جس نے لکھ دیا تھا کہ پیغمبرِ عدل وسلامتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عدل وانصاف گود اور گہوارے سے ہی شروع ہو جائے گا!!

بعثت سے قبل کی مکی زندگی میں اللہ رب العزت نے اپنے محبوب پیغمبر عدل وامن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گفتار میں کردار میں اور عدل وانصاف میں توازن واعتدال کا عملی نمونہ بنا دیا تھا، صدق اور امانت دو عظیم وجلیل اخلاقی قوتیں ہیں جو انسان کی گفتار اور کردار دونوں میں عدل اور انصاف کا ترازو بنائے رکھتی ہیں اور وہ بات کہنے میں صداقت اور کام کرنے میں امانت

کا عملی مظاہرہ کرتا رہتا ہے، اس لیے جہاں صدق و امانت کا ڈیرہ ہوگا وہیں سے عدل وانصاف کے سرچشمے بھی ابلیں گے، آپ کی صداقت و امانت کا یہ عالم تھا کہ اس وقت کے مکی معاشرے کے تمام مرد وزن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازراہ تحسین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے پکارنے کی بجائے الصادق الامین کہہ کر پکارتے تھے، یہی صداقت و امانت کے اخلاقِ کریمانہ تھے جن کے طفیل حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدائے جوانی ہی میں اہلِ مکہ کو خون خرابے سے بچالیتے ہیں، تعمیرِ کعبہ کے وقت حجرِ اسود اپنی مقررہ جگہ پر نصب کرنے کا وقت آیا تو قریش کا ہر قبیلہ یہ شرف اپنے لیے مختص کرنے کا دعوے دار بن گیا اور ایسا تنازع پیدا ہوگیا کہ لوگ مرنے مارنے پر تل گئے، ایسے میں قدرت نے الصادق الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نجات کے لیے وہاں بھیج دیا، سب نے یک زبان ہوکر آپ کو حَکم یا ثالث تسلیم کرلیا، آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا دی، اور حجرِ اسود کو چادر کے درمیان میں رکھا اور ہر قبیلے کے سردار کو چادر کے کنارے تھامنے کا حکم دیا، جب دیوارِ کعبہ کے مقررہ نقطہ پر آئے تو اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اس کی جگہ نصب فرما دیا! یہ عدالتِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا پہلا اجتماعی عادلانہ فیصلہ تھا جس نے عدل و امن کے مستقبل کی نشاندہی کردی اور تاریخ کی آنکھ نے جسے ریکارڈ کرلیا!

19۔ عدلِ اعظم سے دعوتِ حق کا آغاز

قرآنِ کریم اور ارشاداتِ نبوی کی رو سے سب سے بڑا گناہ اور ظلم شرک ہے یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور ہمسر ٹھہرانا، اسی طرح اس کائنات کی سب سے بڑی سچائی اور سب سے بڑا عدل وانصاف بھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ہے اور پھر اسی عقیدۂ توحید پر عمل کرتے ہوئے صرف اللہ جل جلالہ کی ہی عبادت کرنا ہے! چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ حق اور تبلیغِ اسلام کا پہلا قدم اور نقطۂ آغاز اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی توحید پر ایمان لانا تھا بلکہ ہر نبی کی دعوتِ حق اور تبلیغ اسلام کا پہلا قدم اور نقطۂ آغاز یہی توحیدِ ربانی پر ایمان تھا ہر نبی کا یہی اعلان تھا کہ "اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اس

کے سوا تمہارا اور کوئی معبود یا تمہاری عبادت کے لائق نہیں ہے!(62)'' اور یہی توحید پر ایمان لانا ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کا بھی آغاز تھا۔ آپ نے فرمایا: ''ایھا الناس ! قولوا لا إلٰہ الا اللہ تفلحوا کہ اے دنیا بھر کے انسانو! کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، تم کامیاب ہو جاؤ گے!(63)'' یوں گویا عقیدۂ توحید نہ صرف یہ کہ دینِ حق کی اساس اور بنیاد ہے بلکہ ایمان کا پہلا سبق، اسلام کا پہلا قدم اور نقطۂ آغاز یہی عدل اعظم ہے! جو انسان اپنے فکر وعمل کی بنیاد توحید پر رکھتا ہے وہ دراصل اپنے فکر وعمل کا آغاز سب سے بڑے عدل اور انصاف سے کر رہا ہوتا ہے اور جس کے فکر وعمل کا آغاز ہی سب سے بڑے عدل اور انصاف سے ہو گا اس کے آئندہ ہر قدم کو عدل وانصاف کا آئینہ دار بھی ہونا چاہئے!

اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام حق یعنی قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شرک کی نفی اور توحید کے اقرار کو عدل اعظم کا پہلا قدم قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر جو دلائل قرآن کریم میں پیش کئے گئے ہیں ان سے شرک کی جڑ کٹ گئی ہے اور عقیدۂ توحید کی پختہ بنیاد پڑ گئی ہے، پہلے لوگ خدائی کے دعوے کرتے تھے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تشریف آوری کے بعد ہر حقیر انسان کو خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے شرم آتی ہے اور کوئی بھی اس احمقانہ دعوے کی جرات نہیں کرتا! شرک اور بت پرستی کی نفی اور انکار بھی اس انداز سے کیا گیا ہے کہ اب اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب بھی صرف کوئی ڈھیٹ اور بے شرم ہی کر سکتا ہے!!

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جدّ الانبیاء، یعنی نبیوں کا دادا قرار دیا گیا ہے، اسی طرح انہیں تاریخ انبیاء کا موحّد اعظم یا سب سے بڑا توحیدی بھی مانا گیا ہے، اسی لیے حنیفیت اور حق پرستی کی سنتِ ابراہیمی کی پیروی کو اسلام کا مقصد بھی قرار دیا گیا ہے قرآن کریم میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح اسوۂ ابراہیمی کی پیروی بھی لازم ٹھہرائی گئی ہے اور اسی لیے امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ

علیہ نے فرمایا ہے کہ ’’یکے از مقاصدِ اسلام احیائے سنتِ ابراہیمی است یعنی اسلام کے مقاصد میں سے ایک مقصد سنتِ ابراہیمی کو زندہ کرنا بھی ہے!(64)‘‘ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے وجودِ برحق اور عقیدۂ توحید پر جو دلائل بیان ہوئے ہیں ان میں سے بہت سے دلائل ایسے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے اور ان کی زبانی آئے ہیں، ان دلائل میں سے نظامِ شمسی کا ایک رخ اور ایک ہی انداز پر چلنا اس کی بہت اہم دلیل ہے کہ یہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے، اس نظام کا رخ بدلنے کی کسی میں طاقت ہی نہیں ہے: چنانچہ عقیدۂ توحید پر سب سے موثر دلیل قرآن نے یوں دی ہے کہ اگر اس کائناتِ ارض وسما میں اللہ رب العزت کے ساتھ نظامِ ہستی چلانے والا کوئی اور بھی ہوتا تو اس میں بگاڑ پیدا ہو جاتا اور فساد مچ جاتا ’’لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا یعنی اگر زمین اور آسمان کے نظامِ شمسی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایک اور خدا بھی ہوتے تو اس میں فساد برپا ہو جاتا!(65)‘‘ تو اس طرح شرک کی نفی اور بت پرستی کے انکار کو معقول اور قابلِ یقین دلائل سے مسترد کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کو پختہ یقینی دلائل سے ثابت کر کے کائنات میں عدل اعظم قائم فرما دیا گیا ہے!

اللہ تعالیٰ کے مقدس اور پاک بندوں - انبیاءِ کرام - کی تاریخ دراصل خدا شناسی اور بت شکنی کی تاریخ ہے، جس طرح نبوت ورسالت کی تکمیل اور اختتام حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوتا ہے اسی طرح خدا شناسی اور بت شکنی کی وہ تاریخ بھی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل اور اختتام پذیر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم انبیاء حضرت نوح، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور مردِ خدا حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام سے ہوتے ہوئے سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تکمیل پاتی ہے! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبرِ عدل وسلامتی ہونے کے ساتھ ساتھ نبی العلم بھی ہیں جن کی دعوتِ حق کا آغاز اقرأ یعنی پڑھو کے حکم خداوندی سے ہوتا ہے(66) اور آپ کا امت کے لیے حکم ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم یعنی علم کی طلب اور تلاش ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے!(67)‘‘ یوں علم

اور معرفت کی جو تاریخ غارِ حراء اور وادیٔ بطحاء سے شروع ہوئی وہ اس قدر زور دار اور اتنی روشن تھی کہ انسانیت کی آنکھوں سے کوئی سچائی بھی چھپی نہ رہ سکی یہ تحریک اتنی زوردار تھی جس نے یونان وروم کے علوم ومعارف کو بھی تہہ خانوں اور قید خانوں سے رہائی دلائی اور ہندو فارس کے میخانوں اور بت خانوں میں سڑنے اور برباد ہونے سے علم کے صحیفوں کو بچا کر علم ومعرفت کو یوں عام کردیا کہ تاریخ کی ظلمتوں میں ڈوبا ہوا یورپ بھی جاگ اٹھا اور کاروانِ علم کی قیادت سنبھالنے کے قابل ہوگیا اس لیے آج کے علم ومعرفت، سائنس اور ٹیکنالوجی اور تہذیب کی چکا چوند روشنی میں اب خودساختہ معبودوں کے پوجنے کا دور قصۂ پارینہ اور ماضی کا خواب بن چکا ہے! آج کے انسان نے بت پرستی کی حقیقت کو جان لیا ہے، بس خداشناسی میں جدید ذہن الجھن کا شکار ہوگیا ہے۔ گویا آج کے جدید انسان نے ''لا الٰہ'' تو کہہ دیا ہے مگر ''الا اللہ'' کہنے پر اس کا ذہن اٹکا ہوا ہے اور بالآخر یہ اقرار بھی ہو ہی جائے گا جب قرآن کریم کے دلائل ربوبیت وتوحید عام ہوں گے، آج کا انسان عدل اعظم کے پہلے قدم کے نصف حصہ یعنی ردِّ شرک کو مان چکا ہے صرف دوسرے حصہ کے اقرار کی کمی رہ گئی ہے! اس اقرار کے بعد عدل اعظم یعنی اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کا اقرار بھی ہو کر رہے گا اس اقرار کی روشنی میں دنیا میں اخوت ومساوات کا دور دورہ ہو کر رہے گا یوں عدل وانصاف کی وہ فضا قائم ہو جائے گی جس کی ہمیشہ کی طرح آج کے انسان کو بھی ضرورت ہے! وہ وقت اب دور نہیں جب اللہ کی زمین پر اللہ کی مخلوق عدل وانصاف کے سایہ میں امن وسلامتی کی فضا میں سانس لے سکے گی کیونکہ اب ظلم پر صبر کی اخیر ہو چکی!

20- عدل منصبِ مصطفوی ہے

رسول اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو پیغمبرِ ''عدل وسلامتی'' کہنا کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں اور نہ یہ بات محض خوش عقیدگی یا فقط محبت وایمان کی بات ہے بلکہ یہ تو ایک ٹھوس سچائی اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس پر کتاب وسنت کی شہادتِ حق کے ساتھ ساتھ تاریخ کی گواہی بھی موجود ہے! ہمارے آقا ﷺ کے اوصافِ ستودہ بے اندازہ ہیں اور آپ

کی حیثیتیں بے شمار ہیں، آپ تخلیق کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی و رسول ہیں مگر بعثت اور ظہور کے اعتبار سے سب سے آخری ہادیٔ برحق اور خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ رحمۃ للعالمین بھی ہیں، آپ کا پیغام سب نبیوں کا پیغام اور آپ ﷺ کا دینِ حق وہی اللہ تعالیٰ کا دین ہے جو تمام انبیائے کرام کا بھی واحد دین ہے اور اپنے اپنے وقت میں ہر نبی اور رسول نے اللہ تعالیٰ کے اسی پسندیدہ دینِ حق کی تبلیغ فرمائی لیکن آپ کے منصبِ نبوت و رسالت کی ایک امتیازی شان بھی ہے اور وہ ہے عدل وانصاف کے قیام سے امن وسلامتی کی فضا پیدا کرنا جس میں روئے زمین پر بسنے والی انسانیت سکھ چین کے ساتھ اپنی دنیا و آخرت دونوں سنوار سکے!!

اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشا چونکہ اپنی تمام مخلوق کے لیے عدل اور انصاف ہے اس لیے قیامِ عدل وانصاف کا منصب اس نے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے سپرد فرمایا، ہم یہ دیکھ چکے ہیں اور گزشتہ صفحات میں پڑھ بھی چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اعلان فرمانے کا حکم دیا ہے کہ آپ انسانیت کو یہ بتا دیں کہ اے انسانو! مجھے میرے رب نے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں روئے زمین پر تمہارے درمیان انصاف قائم کردوں!(68) شریعتِ موسوی کا امتیاز سخت گیر قوانین ہیں، جبکہ دینِ عیسوی کی شان نرمی اور رعایت ہے، قانون کی شدت انسان کو تھکا کر اکتا بھی دیتی ہے جبکہ نرم روی اور رعایت ولحاظ کا انداز لوگوں کو آزاد و بے مہار بھی بنا دیتا ہے لیکن اگر شدت میں نرمی اور سخت گیری میں رعایت کی گنجائش پیدا کر دی جائے تو پھر اعتدال اور توازن کی وہ فضا پیدا ہو جاتی ہے جو نہ تو انسانیت کو بیزار کرتی ہے اور نہ اسے مادر پدر آزاد اور بے مہار بننے دیتی ہے، یہ توازن واعتدال اسی کیفیت کا نام ہے جو عدل وانصاف سے جنم لیتی ہے ایک سوشلسٹ عرب ملک میں ایک مسیحی گرجا پر لکھا ہوا تھا:

"Muses brought law, and Jesus brought grace"

یہ دیکھ کر کسی مسلمان نے اپنے عرب ساتھی سے کہا: ”بھئی! اس میں ایک جملے کا اضافہ

بہت ضروری ہے'' کہ:

"But, Muhammad brought both, law and grace "

ان دونوں جملوں کا مطلب عرب بھائی کو بہت پسند آیا یعنی سیّدنا موسیٰ علیہ السلام قانون یا تورات لائے جبکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نرم رویہ اور خوشخبری لیکر آئے مگر ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں چیزیں یعنی قانون اور نرم روش کی شکل میں نظامِ عدل کا داعی قرآن کریم لیکر تشریف لائے، یہی وہ اعتدال اور توازن ہے جو عدل وانصاف کی فضا سے وجود میں آتا ہے اور انسانیت کو امن اور چین نصیب ہوتا ہے، یہی وہ امتیازی منصب ہے جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا ہوا!

مگر دلچسپ بات وہ ہے جو تاریخ کے سینے میں محفوظ اور ریکارڈ ہو چکی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تورات کے سخت اور مشکل قوانین پر عمل متروک ہو چکا ہے، تحریف اور تغیر کی قینچی الگ چلتی رہی ہے جس نے تورات کے احکام میں کتر بیونت کر کے بات کچھ کی کچھ بنادی ہے اور یہودیوں نے شریعتِ موسوی پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، وہ مسلمانوں سے بھی اکثر یہی کہتے اور مشورہ دیتے ہیں کہ وہ بھی اپنے دین پر عمل چھوڑ دیں یا کم سے کم وہ مسلمانوں سے توقع یہی لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ بھی ان کی طرح قرآن کے احکام پر عمل چھوڑ دیں گے لیکن مسیحیت کی تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ مسیحی لوگ نرمی اور محبت کی روش سے علمِ بغاوت بلند کیے ہوئے ہیں اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نرم روش، لحاظ ورعایت نرم رویہ اور سب سے محبت اور پیار کا مسلک اختیار کرنے کی بجائے ظلم اور تشدد کو اپنائے ہوئے ہیں، سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے تو یہ بتایا ہے کہ اپنے دشمن سے بھی پیار کرو، اگر کوئی تمہیں ایک رخسار پر تھپڑ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے پیش کردو مگر کونسا عیسائی ملک تھا یا ہے جو اس حکم پر عمل کرتا رہا یا آج کر رہا ہے؟ تاریخ عیسائیوں کے مظالم سے بھری پڑی ہے اور آج بھی مسیحی دنیا ایشیاء پر آگ برسا رہی ہے ایٹم بم سب سے پہلے ایک مسیحی ملک نے جاپان پر برسائے، آج بھی مسیحی لوگ ایشیائی ملکوں خصوصاً اسلامی ایشیائی ملکوں پر آگ برسا رہے ہیں؟ چین کے

مسلمانوں کو عیسائی حکمرانوں نے زندہ آگ میں جلایا، مشرقِ وسطی میں صلیبیوں نے جو مظالم ڈھائے ہیں کتبِ تاریخ میں انہیں پڑھ کر آج بھی انسانیت کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ چیخ اٹھتی ہے، ویت نام کمبوڈیا، عراق، صومالیہ اور افغانستان ہمارے سامنے ہیں!

لیکن مسلمانوں کی تاریخ اس کے بالکل برعکس ہے، وہ اپنی مقدس کتاب قرآن کریم کو آج بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں بلکہ اپنے سینوں میں محفوظ کئے ہوئے ہیں وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ پاک اور اخلاقِ حسنہ کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہیں، اس کے باوجود کہ یہودی، صلیبی عیسائی اور بت پرست ان سے زبردستی اسلام چھڑوانے کی فکر میں ہیں لیکن جنگ اور صلح و امن کے جو اصول ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیئے ہیں اور ان پر انہوں نے حرف بحرف خود بھی عمل فرمایا اور امت کو ان پر عمل کی تاکید بھی فرمائی ہے!

خلفائے راشدین حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اپنے عساکر کو محاذ جنگ پر روانہ کرتے ہوئے ہدایات دیتے تھے کہ کھیت ویران نہیں کرنا، پھلدار درخت نہیں کاٹنے، عورتوں بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہیں اٹھانا، عبادت گاہوں اور ان میں مصروف عبادت لوگوں سے تعرض نہیں کرنا، جو لوگ ہتھیار پھینک دیں یا قیدی بنا لیے جائیں ان سے بھی انصاف کرنا ہے اور اچھا سلوک کرنا ہے! مگر آج اس نام نہاد مہذب دور اور سائنس و ٹیکنالوجی کی روشنی میں بھی صلیبی حملہ آور مسلمانوں کے ساتھ جنیوا کنونشنز پر بھی عمل نہیں کر رہے، عراق، افغانستان کے قید خانوں میں یا گوانتاناموں میں مسلمان قیدیوں پر ان صلیبیوں نے جو مظالم توڑے ہیں ان سے خود عیسائی مغرب کے باضمیر اور انسان دوست لوگ بھی لرز اٹھے ہیں مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پیروکاروں نے اس وقت بھی بے بس قیدیوں پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ ہمیشہ انصاف اور حسنِ سلوک کیا جب جنیوا کنونشنز کا نام بھی نہ تھا!

اس کی واضح مثالیں ہم فلسطین اور بیت المقدس کی تاریخ سے لیتے ہیں، پہلی صدی ہجری میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مسلمان فاتحانہ داخل ہوئے تو خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہایا گیا تھا عظیم خلیفہ راشد نے عیسائی مفتوحین سے بے حد نرمی اور شفقت کا سلوک کیا، کسی کی جان و مال یا عزت سے کسی نے کوئی تعرض نہ کیا، یہاں تک کہ بیت المقدس کے عیسائیوں نے امیر المومنین سے یہ درخواست کی کہ آپ ان کے مقدس کنیسہ میں ظہر کی نماز پڑھیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تو نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت فرمائی تھی مگر عادل و منصف خلیفہ نے یہ کہہ کر گرجا میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا کہ کل کو مسلمان اس پر یہ کہہ کر قبضہ نہ کرلیں کہ اس میں تو ان کے دوسرے خلیفہ راشد نے نماز پڑھی تھی!

مگر اس کے چار پانچ سو سال بعد صلیبیوں نے جب بیت المقدس فتح کیا تو مسجد اقصیٰ کے صحن کے علاوہ شہر کی گلیوں میں بھی مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا مشہور عیسائی مورخ لین پول جو اس وقت صلیبی فوج کے ساتھ تھا اس نے صلیبیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کے مسلمان مفتوحین پر مظالم کے جو پہاڑ توڑے گئے ہیں ان کی تفاصیل اپنی کتاب تاریخ میں درج کی ہیں، وہ کہتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کا صحن مسلمانوں کے خون سے ایک تالاب بن گیا تھا اور شہر کی گلیوں میں بہنے والا خون عیسائی فوجیوں کے گھٹنوں تک بلند ہو گیا تھا!

چار سو سال بعد تاریخ پھر اپنے آپ کو دہراتی ہے، یہی بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی فتح کرتا ہے، یہ عظیم مسلمان فاتح ایک بار پھر حضرت عمر کی تاریخ کی یاد تازہ کر دیتا ہے! فتح کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ سب مفتوحین کو امان دی جاتی ہے، جو عیسائی صلیبی اپنا مال و متاع لے کر جانا چاہے اسے کھلی اجازت ہے! کسی کی جان و مال اور عزت سے کوئی تعرض نہ ہوگا! صدیوں بعد تاریخ ایک بار پھر نئی کروٹ لیتی ہے! بیسویں اور اکیسویں صدی عیسوی میں صلیبی ایک بار پھر بیت المقدس اور فلسطین پر قابض ہوتے ہیں مگر اب کے وہ فتح کے بعد اپنا ظلم و بربریت کا ٹھیکہ اسرائیل کے صیہونیوں کو دے دیتے ہیں! آج پھر انہی

عیسائی صلیبیوں کے سایہ میں یہودی نہتے اور بے بس بوڑھے بچوں اور عورتوں پر مظالم کی انتہا کر دیتے ہیں اور ان کے بستے گھر چھین کر انہیں بے گھر کر دیتے ہیں مگر یہ صلیبی خاموش تماشائی ہی نہیں بنتے بلکہ یہودیوں کو اسلحہ اور مالی امداد دے کر لطف اندوز ہو رہے ہیں! اور صومالیہ، عراق اور افغانستان میں عیسائی اپنے پیغمبر سیدنا مسیح علیہ السلام کی نرم روش، لحاظ اور دشمن سے جس محبت کا ثبوت دے رہے ہیں وہ سب دنیا کے سامنے ہے! مغرب کے صلیبی سامراجی گزشتہ تین چار صدیوں سے جو کچھ اسلامی دنیا کے ساتھ کر رہے ہیں اسے سب جانتے ہیں اور آج بھی دیکھ رہے ہیں!

21: اسوۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قیامِ عدل و امن

تہذیب اور سائنس کی موجودہ چکا چوند روشنی میں بھی انسان عدل اور امن کو ترس رہا ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی برق رفتار ترقی اور تہذیب و ثقافت کی گہما گہمی بھی انسان کو عدل اور سلامتی کا ماحول مہیا کرنے سے عاجز ہے! حالانکہ ترقی یافتہ دنیا کے نام نہاد رہنما اور قائدین عدل، مساوات اور انسانی حقوق کا واویلا کرتے اور ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے نہیں تھکتے مگر آج کا انسان، خصوصاً تیسری دنیا کا انسان بلکہ بالخصوص پسماندہ عالم کا انسان — اور پھر وہ بھی مسلمان انسان — عدل و انصاف کو ترس گیا ہے، وہ مساوی انسانی حقوق سے بھی قطعی محروم ہے اس محروم اور پسماندہ انسان کو شاید یہ امید موہوم ہے، وہ اس وہم اور جھوٹی امید کی دنیا میں زندہ ہے کہ شاید یہ عدل و مساوات اور انسانی حقوق کے ڈھنڈورچی اسے کچھ دینے کی سوچ رہے ہیں مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ یہ ریاکار اور منافقین اس بے بس و بے کس انسان کو مغالطہ میں ڈال رہے ہیں، وہ دغابازی اور فریب کاری پر کمر بستہ ہیں وہ تو اسے جہالت اور پسماندگی میں جکڑ کر تماشہ دیکھنے اور دنیا میں لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کی فکر میں ہیں، ان کے قدم عدل و امن، مساوات اور انسانی حقوق کے تحفظ کی طرف بڑھ ہی نہیں رہے، وہ تو عدل کی بجائے ظلم، مساوات کی بجائے اپنی برتری کو منوانے اور حقوق دینے کے بجائے ان کے حقوق تلف کرنے اور چھیننے کی طرف لپک رہے ہیں! عدل و سلامتی اور مساوات سے

محروم انسان کو ڈھنڈورچی کچھ دے سکتے ہیں نہ کچھ دینا چاہتے ہیں! بلکہ آج کے بے بس، بے کس اور محروم انسان کو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ضرورت ہے! آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی اور تہذیب وثقافت کی روشنی میں حیران و پریشان کھڑے ہوئے انسان کو اسوۂ مصطفیٰ ﷺ کو بلا تردد اور بلا تاخیر اپنا لینے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ اسوۂ طیبہ ہر طرح محفوظ، مکمل طور پر واضح اور صحیح معنی میں قابلِ تقلید ہے! صرف فیصلہ کرنے اور ارادہ باندھنے کی دیر ہے! وہی پیغمبرِ عدل وسلامتی رسول اعظم وآخر ﷺ کی تعلیمات اور عملی زندگی جسے اللہ رب العزت نے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے، کیونکہ یہ تعلیمات، عملی زندگی اور اسوۂ حسنہ حرف بحرف محفوظ ہے، اس کا ہر پہلو روشن اور واضح ہے، کوئی ابہام نہیں، کوئی مغالطہ نہیں، کوئی مشکل نہیں، کوئی بوجھ نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں، دنیا کے ہر سلیم الفطرت کامل العقل اور سب سے بڑھ کر سچائی کے متلاشی انسان کے لیے کھلی اور عام دعوت ہے یہ دعوت وہ ہے جو قوم پرستی یا وطن اور نسل کی حدود سے بالکل آزاد ہے بلکہ ان تمام خرافات اور مشکلات سے انسان کو آزادی اور چھٹکارا دلانے کا سامان لیے ہوئے ہے! آج اگر آپ ظلم وتعدی کا شکار ہیں تو پھر اسوۂ مصطفوی اس ظلم وتعدی کے لیے ضربِ کاری ہے، آج اگر آپ نسل پرستی اور تعصب کی زد میں ہیں تو اسوۂ مصطفیٰ ﷺ اس تعصب اور نسل پرستی کے تمام امراض کے لیے اکسیر ہے آج اگر آپ جہالت اور پسماندگی میں پھنسے ہوئے ہیں تو پھر یہ اسوۂ مصطفوی ﷺ ہی آپ کے لیے وسیلۂ نجات ہے!

آپ کی ضرورت صرف اتنی ہے کہ صرف تیئس سالہ عہدِ نبوت ہی نہیں بلکہ تمام تریسٹھ سالہ اسوۂ مصطفوی ﷺ کو نظر میں رکھتے ہوئے اسے اپنے عمل، اپنے عزم اور اپنی تحریک کا حصہ ہی نہیں بلکہ اوڑھنا بچھونا بنا لیں، آپ کی ہر مشکل آسان اور آپ کے ہر مسئلے کا حل مل جائے گا، یہ اسوۂ حسنہ آپ کو ہر قدم پر، ہر جگہ پر، اور ہر لحہ میں کامل رہنمائی اور واضح رستہ مہیا کرے گا، صرف یہی نہیں بلکہ آپ کے قلب وضمیر کو اطمینان اور سکون بھی نصیب ہوگا! پیغمبر عدل وسلامتی کی تریسٹھ سالہ زندگی کا ہر لحہ اور ہر قدم عدل وانصاف کے ساتھ ساتھ

رحمت و شفقت اور اخوت و مساوات ہی کے لیے اٹھا اور تمام وقت انہی بلند مقاصد کے لیے وقف تھا، منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل بھی آپ سراپا رحمت، شفقت، عدل، سلامتی اور مساوات کے داعی اور عامل تھے اور نبوت عطا ہونے کے بعد بھی رحمۃ للعالمین نے عدل و امن اور محبت و مساوات کو عام کر دیا، خود عمل کیا، ساتھیوں کی تربیت فرمائی اور اسے ایک تحریک بنا دیا اور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے تربیت یافتہ کارکنوں کی ایک عظیم و جلیل جماعت تیار کی اور دنیا کو پہلی بار یہ علم ہوا کہ تربیت یافتہ کارکنوں کے بغیر کوئی بھی تحریک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی، مکی عہدِ نبوت میں ایسی تربیت کا مرکز دارِ ارقم تھا اور مدنی عہدِ مبارک میں تربیت کا مہتمم بالشان کارنامہ صفۂ مسجد نبوی میں انجام پایا۔

قیامِ عدل و انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہمیشہ کی طرح آج بھی مساوات اور برابری سے انکار ہی رہا ہے! کچھ بڑے اور عزت دار خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں اور قانون توڑنے کو اپنا حق تصور کرتے ہیں! یہ چیز عدل و انصاف کے لیے زہرِ قاتل ہے اور ہمیشہ بے چینی اور بے اطمینانی کو جنم دیتی ہے، یہی روش ظلم بھی کہلاتی ہے! غریب اور کمزور کی حق تلفی کو معمول بنالیا جاتا ہے، غریب اور کمزور کو قانون کے شکنجے میں جکڑا جاتا ہے مگر اس کے برعکس امیر اور طاقتور اپنے حق سے بھی زیادہ لے جاتا ہے اور خود کو قانون سے بھی بالاتر سمجھتا ہے! یہ عدل نہیں ظلم ہے اور اس سے عدل و سلامتی نہیں بلکہ بدامنی اور اضطراب جنم لیتا ہے، اسی لیے بچپن سے جوانی تک رسول اکرم ﷺ نے برابری و مساوات اور عدل و سلامتی کا ساتھ دیا، نبی بننے سے پہلے کے زمانے میں قریشِ مکہ کے ایک سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں بے کسوں اور بے بسوں کی حمایت اور سب کے لیے بلا امتیاز عدل و انصاف کے یکساں اصول اور قواعد بنائے گئے، قانون کی نظر میں امیر اور غریب اور چھوٹے بڑے سب کے ساتھ یکساں سلوک کے فیصلے ہوئے، اس وقت ابن جدعان کے ہاں منعقد ہونے والے اس اجتماع میں رسول اکرم ﷺ بھی خوشی خوشی شریک ہوئے، بے کسوں اور بے بسوں کی حمایت اور سب سے یکسانِ انصاف کے

عہدو پیمان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پسند فرمایا، نبوت عطا ہونے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے عہدو پیمان کی تعریف فرمائی اور ہمیشہ ایسے معاہدوں کی طرف مائل رہے! کمزوروں کے حقوق کے تحفظ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مقدم رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادلانہ رویہ اور سب کے ساتھ یکساں سلوک نے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ بنالیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بات کہتے وہ سچ ہوتی اور جو قدم اٹھاتے وہ سراپا دیانتداری پر مبنی ہوتا تھا، اسی لیے تو اہل مکہ کے ہاں وہ نام کے بجائے صادق وامین کے لقب سے پکارے جاتے تھے، لوگ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلے کرواتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ ودانایانہ فیصلوں سے خوش اور مطمئن بھی ہوتے، خانہ کعبہ میں حجرِ اسود کو ازسرِ نونصب کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عادلانہ وحکیمانہ فیصلہ کیا اس سے سب لوگ خوشگوار حیرت میں پڑ گئے اور یہ فیصلہ ہمیشہ کے لیے ضرب المثل بن چکا ہے! مکہ مکرمہ میں جس ناتواں اور مظلوم کو حق نہ دلایا جاتا اس کا آخری سہارا اور آخری منزل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے تھے!

سردار قریش ابوجہل خود کو نہ صرف فرعون سمجھتا تھا بلکہ اسلام کا بھی شدید ترین دشمن تھا اس نے ایک دیہاتی عرب سے ادھار پر اونٹ خریدا اور بعد میں قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول پر اتر آیا، بدو کو جب کوئی سردار قریش حق نہ دلا سکا تو وہ آخرکار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، آپ اس کے ساتھ گئے اور ابوجہل کو اس کا حق دینے پر مجبور کردیا! مکی عہد کے ایسے متعدد واقعات بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں مگر اس پر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گواہی کافی ہے، حضرت ابوطالب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیواؤں، یتیموں اور بے کسوں کا سہارا قرار دیتے ہیں اور ام المومنین بھی گواہی دیتی ہیں کہ نبوت سے پہلے بھی آپ حق داروں کو ان کا حق دلانے میں مدد فرماتے تھے (تعین علیٰ نوائب الحق!!)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کی پختہ بنیاد اس وقت رکھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اولاد آدم کو برابر اور بھائی بھائی قرار دے دیا، سب سے پہلے مکی عہد میں دارارقم

میں مواخات یا بھائی چارہ کروایا جس میں بڑے، چھوٹے، آزاد غلام اور عرب وغیر عرب سب کے سب بھائی بھائی قرار دیئے گئے اور پھر مواخاتِ مدینہ ہوئی جس میں مہاجرین و انصار اور عرب وعجم کو اخوت ومساوات کی ایک لڑی میں پرو دیا گیا! مکی عہد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنی سگی پھوپھی زاد زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرادی! پھر وفات سے پہلے انہی زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی فوجی مہم کی کمانڈ سونپی جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر سردارانِ قریش ادنی سپاہی کی حیثیت سے شریک تھے! یہ نسل پرستی، خاندانی برتری اور ہر قسم کے امتیاز پر ضربِ کاری تھی! معاشرہ میں اس اخوت ومساوات کے قیام سے عدل اور امن کی بھی مضبوط بنیاد پڑ گئی تھی!

ہجرت کے بعد مدنی عہدِ نبوت میں قبیلہ بنو مخزوم کی فاطمہ نامی عورت چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی اور قرآن کریم کے عادلانہ قانون کی رو سے جرم ثابت ہونے پر اس پر حد لاگو کرنا ناگزیر ہوگیا تھا، قبیلے کے بڑوں نے سفارشوں کے ذریعہ اس عورت کو حد سے بچانے کی دھوڑ دھوپ شروع کردی، حضرت اسامہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت پیار کرتے تھے اور ان کی ہر بات مانتے تھے، مخزوم کے لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفارش کے لیے عرض کیا، جب بات رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو پیغمبرِ عدل وسلامتی اور اخوت ومساوات نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے کی اقوام اور امتیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ غریب کے جرم کو تو کبھی معاف نہیں کرتے تھے اور اسے فوری طور پر قانون کے شکنجے میں جکڑنا اپنا فرض سمجھتے تھے مگر جب کوئی بڑا کسی جرم میں پکڑا جاتا تو اس کے جرم پر مٹی ڈالنا ضروری سمجھتے اور اسے قانون سے بالاتر قرار دیتے تھے! تم بھی یہی کچھ کرکے برباد ہونا چاہتے ہو؟ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی ایسا کرتی تو میں اس پر بھی حد لاگو کردیتا!!

یوں پیغمبرِ عدل ومساوات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب چھوٹے بڑے کو قانون کی نظر میں مساوی

قرار دیا!! اسی معاشرتی مساوات کا نام عدل ہے اور اسی سے خوشی اور اطمینان جنم لیتا ہے اور پھر معاشرہ میں امن اور سکون وجود میں آتا ہے آج کی دنیائے انسانیت کو بھی اسی مساوات کی بنیاد پر قائم ہونے والے عدل وانصاف کی ضرورت ہے اور اسی عدل وانصاف سے امن وسلامتی کا دور دورہ ہو سکتا ہے جو انسانیت کا گوہرِ مقصود ہے!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے جو فیصلے صادر ہوئے اور امن واطمینان کا باعث ہوئے ان پر کئی ایک فضلائے تحقیق نے کام کیا اور علامہ مصطفیٰ اعظمی نے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عدالتی فیصلوں پر کتاب لکھ کر فیصل ایوارڈ بھی حاصل کیا ہے، آپ کے یہ تمام فیصلے عادلانہ وحکیمانہ تھے جن سے مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو اطمینان نصیب ہوا! حتیٰ کہ غیر مسلم (یہودی اور دیگر غیر مسلم) بھی آپ سے فیصلے کراتے تھے اور آپ کے حکمت بھرے عادلانہ فیصلوں سے ہمیشہ مطمئن ہو کر جاتے تھے، عدالتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، سے صادر ہونے والے ان فیصلوں کی امتیازی شان اور روح یہ تھی کہ:

(1) یہ فیصلے عدل وانصاف کے کڑے اصولوں کے مطابق ہوتے تھے اور ان اصولوں سے بال برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے تھے۔

(2) ان میں کسی کا لحاظ یا رورعایت نہیں ہوتی تھی، چھوٹا بڑا قانون کی نظر میں سب یکساں تھے۔

(3) آپ ناراضگی یا غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ صادر نہ فرماتے تھے، ٹھنڈے دل ودماغ سے فیصلہ فرماتے تھے۔

(4) ان فیصلوں میں کوئی بات عقل وخرد یا دانائی کے خلاف نہیں ہوتی تھی!

(5) ہر فیصلہ یوں لگتا تھا جیسے آسمان سے قضاوقدر خداوندی کا فیصلہ بن کر نازل ہوا ہے، اس لیے عدالتِ نبوی کے یہ تمام فیصلے جج یا قاضی کے لیے آج بھی مشعلِ راہ ہیں اور دنیا کے لیے اطمینان یا تسلی کا باعث ہیں!

عدل کا اٹل قانون

پیغمبرِ عدل و امن کی شریعت اللہ تعالیٰ کا ابدی اور اٹل قانون ہے جو نہ صرف اس روئے زمین میں سکون اور اطمینان اور سلامتی و بقا کی ضمانت ہے بلکہ یہ اعتدال و توازن کے عنوان سے پوری کائنات میں جاری و ساری اور اس کے دوام کا بھی ضامن ہے، اگر عدل وانصاف میں خلل آئے تو بدامنی اور فساد پھیل جاتا ہے اور پھر نہ سکون و اطمینان رہتا ہے اور نہ سلامتی اور بقا کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے، اور جس دن بھی عدل وانصاف، جو پوری کائنات کے نظام میں اعتدال اور توازن کے عنوان سے جاری و ساری ہے، خلل اور بگاڑ کی زد میں آ گیا تو وہی دن قیامِ قیامت کا دن بھی ہو گا، اس لیے جو لوگ حق تلفی اور انکارِ عدل کے مجرم ہیں وہ نہ صرف اس روئے زمین پر امن و سلامتی کے دشمن ہیں بلکہ وہ اس فساد اور بگاڑ کی راہیں بھی ہموار کر رہے ہیں، جو نظامِ کائنات کے اعتدال و توازن میں بھی خلل کا باعث ہو کر انسانیت کو تباہی کے جہنم میں دھکیل سکتا ہے! اب وقت آ گیا ہے کہ تہذیب و تمدن اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی روشن دماغ دنیا کے لوگ انسانیت کے ان دشمنوں کے ہاتھ سے قیادت کی باگ ڈور چھین لیں، حق تلفی اور بے انصافی کے مرتکب دغابازوں کا پنجہ مروڑ دیں ورنہ ظلم و تعدی اور فساد و دغابازی کے یہ مرتکب انسانیت کی کشتی کو اپنے حسد و ہوس کے سمندروں میں غرق کر دیں گے!

عدل زندگی اور امن کی ضمانت ہے مگر یہی عدل وانصاف عالمِ انسانیت میں تمام رونقوں کی علامت بھی ہے، یہی عدل نظامِ کائنات کی روح بھی ہے جس سے نظمِ اعتدال و توازن قائم و دائم ہے، اللہ تعالیٰ کا عادلانہ نظامِ کائنات ارض و سماء کے لیے رحمت ہے جو عالمِ بشریت سمیت پوری کائنات کے تمام گوشوں کو اپنی اس رحمت کے دائرے میں لیے ہوئے ہے، یہی وہ نظامِ عدل ہے جو قرآنی احکام کا جوہر ہے، جو حدود و قیود کا قائل ہے اور نہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے کسی شعبہ یا گوشے کو تشنہ کرتا ہے، یہی وہ بشارت ہے جو فرمانِ الٰہی وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (اس سے تیرے رب کے فرمان صدق

وعدل کی بات مکمل ہوتی ہے) کا ہدف اور تقاضا ہے! لیکن جو حقیر اور ذلیل انسان دغا بازی اور فریب کاری کے مظالم سے خلقِ خدا کے امن کو اپنے لالچ اور ہوس کی بھینٹ چڑھاتے آرہے ہیں ان کا اب وقتِ آخر آچکا ہے اس لیے کہ ظالم کا مقدر حسرت کی موت ہے بالکل جیسے عدل وانصاف کی تقدیر غیر فانی مسرت ہے، شادمانی ہے، امن ہے، سلامتی ہے اور ایک ایسی فضا ہے جو مساوات و برابری کی بدولت خوشی اور اطمینان کی بھی ضمانت ہے! انسانوں کی حق تلفی کو کھیل بنانے والے اور ظلم وتعدی کو اپنا مسلک بنانے والے دراصل عدل وامن کے ہی دشمن نہیں بلکہ وہ برابری اور مساوات کے بھی منکر ہیں! مگر یہ سب خود پسند اور نسل پرست بھی اپنے غرور اور حسد کی آگ میں جل کر خاکستر ہونے والے ہیں! پیغمبر عدل وامن اور اخوت ومساوات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بول بالا ہو کر رہے گا! علم ودانش سے اپنے دماغوں کو روشن کرنے والے انسان اور تہذیب وتمدن کے علمبردار بندگانِ حق اب اپنے بھلے برے کو جان اور پہچان چکے ہیں! اب انہیں زیادہ دیر کے لیے اسلام کے نظامِ عدل وامن اور پیغامِ اخوت ومساوات سے دور ومحروم نہیں رکھا جا سکے گا! بس اب یہ روشن دماغ انسانیت جو طلوعِ فجر کی منتظر ہے ظلم وحق تلفی کی تھکاوٹ اور خود پسندی اور نسل پرستی کی تاریکی سے نجات پانے ہی والی ہے!

جس طرح صدق وامانت عدل وانصاف کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح جھوٹ اور عہد شکنی یا وعدہ خلافی بھی ظلم اور بے انصافی کے خوفناک جراثیم ہیں! صدق وامانت یا سچائی اور دیانتداری تمام اخلاقِ فاضلہ کے سرچشمے ہیں! عدل وانصاف کے اٹھ جانے کا بنیادی سبب بھی یہ ہے کہ دنیا سے صداقت وامانت اٹھ چکی ہے چونکہ صدق وامانت کی جگہ جھوٹ اور بددیانتی نے لے لی ہے اس لیے عدل وانصاف کی جگہ بھی ظلم اور بے انصافی نے لے لی ہے! خدا کی بستی، اس دنیا، کو ایک دکان سمجھنے والے مغربی [illegible] صداقت وامانت کا دائرہ صرف بیوپار فروشی اور دکانداری تک محدود کر دیا [illegible] ہے کم مغربی [illegible] کے لیے تو صداقت وامانت کی جگہ

جھوٹ اور بد دیانتی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا چکے ہیں اس لیے ان کے ہاں عہد شکنی وعدہ خلافی اور غلط بیانی سیاسی معمولات ہیں! اس صورتِ حال نے ہماری اس دنیا کو ظلم اور بدامنی کے جہنم میں بدل دیا ہے! آج روئے زمین پر آپ کو جو بے چینی، بدامنی اور اضطراب دکھائی دیتا ہے اس کا واحد اور بنیادی سبب یہی ہے کہ صداقت وامانت سے محروم اور جھوٹ اور وعدہ خلافی سے چور سامراجی دنیا کے ان قائدین نے دنیاوی امن بالخصوص اسلامی دنیا کے امن کو تہ وبالا کر دیا ہے، یہ نام نہاد سامراجی قائدین غلط بیانی، دغابازی اور فریب کاری کو اپنی کامیاب سیاست کے گر تصور کرتے ہیں! ظاہر ہے یہ دغاباز اور فریب کار زیادہ دیر کامیاب نہیں رہ سکیں گے! اس لیے اس بات کا واضح امکان موجود ہے کہ سیاست کی دنیا کی یہ فریب کاری اور دغابازی تجارت کے میدان میں بھی ایک معمول بن سکتی ہے اور یہ زیادہ دیر اپنا مہنگا سودا بھی فروخت نہیں کر سکیں گے! مگر ان کی بلا سے! آج تو وہ کامیاب ہیں، رہی کل کی بات تو اسے کل والے خود دیکھ لیں گے! اس لیے تو یہ لوگ وعدہ خلافی، عہد شکنی اور نوسربازی کو کامیاب سیاست کا نام دینے لگے ہیں! یہ لوگ مسلم دنیا سے کیے گئے وعدوں کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کو جائز بلکہ کامیاب سیاست تصور کرتے ہیں، یہ وعدہ خلافی فلسطینیوں سے ہو یا کشمیری مسلمانوں سے ہو یا یہ وعدہ خلافی مکارمِ اخلاق کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اگر اس سے مسلمانوں کو نقصان بھی پہنچتا ہے تو ان کے نزدیک اس میں کیا حرج ہے؟!

انسان اور امن

انسان فطرتی طور پر امن وسکون سے زندگی گزارنے کا آرزومند ہے۔ لفظ "انسان" کا اشتقاق اگر انس سے مانا جائے تو باہمی انسیت اور سکھ چین سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا بھی اسی اشتقاق کا تقاضا ہے اور یوں امن وسلامتی انسان کی فطرت میں شامل ہو گی۔ ہم میں سے ہر فرد اگر خود سے سوال کرے کہ کیا وہ امن وسکون کی زندگی پسند کرتا ہے یا بصورتِ دیگر دنیا میں شر وفساد کی زندگی گوارا کرے گا؟ تو ہر ایک کے ضمیر کی آواز یہی ہو گی کہ اس کی پہلی تمنا اور تڑپتی ہوئی آرزو اس دنیا میں اور آگے کی دنیا میں صرف امن اور سلامتی

کی زندگی ہے، وہی امن وسلامتی جس کے لیے وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح ترس رہا ہے، تڑپ رہا ہے اور تلاش میں لگا ہوا ہے! یہی امن وسلامتی انسان کی فطرت میں داخل ہے، گویا انسانیت کی غالب اکثریت صرف امن اور سکون ہی چاہتی ہے۔

لیکن کچھ انسان بدفطرت بھی ہوتے ہیں، وہ امن کی تمنا سے شناسا ضمیر رکھنے کے باوجود انسانیت کی فطرتی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، وہ انسانیت کے بجائے شیطنت کو گلے سے لگا لیتے ہیں، وہ نہ اپنی فطرت کو یاد رکھ سکتے ہیں نہ خالقِ فطرت کی یاد ان کے دل میں رہتی ہے۔ ان پر شیطان کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور پھر یہ بھوت اتارے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ اس دنیا میں بیچاروں کے اسی چارے کا نام طاقت کا جہادی ڈنڈا ہے۔ اسی سے بدفطرت کو اپنی فطرت اور خالقِ فطرت کی یاد دلائی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے یہ صورت نہ اصلی ہے نہ دائمی، اصلیت اور دوام امن وسلامتی کو ہی حاصل ہے جو انسان کی فطرت ہے۔ بدفطرت کو فطرت اور خالقِ فطرت کی یاد دلانا امن وسلامتی کے لیے ضروری ہے اور یہی ضرورت پوری کرنے سے وہ اعتدال اور توازن وجود میں آتا ہے جس کا نام صراطِ مستقیم ہے، یہی خلاصہ اور جوہر ہے اس ضابطۂ حیات کا جو پیغمبرِ امن وسلامتی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ لے کر آئے ہیں، وہی دینِ فطرت دین اسلام، جو اس روئے زمین کو امن کا گہوارا بنانے کی ضامن قوت ہے۔

لیکن عصرِ حاضر کی طرح ہمیشہ سے ہماری اس دنیا پر ایک اقلیت چھائی ہوئی ہے جو ان بدفطرت انسانوں کے ہاتھوں آج کی طرح ہر زمانے کا سلیم الفطرت انسان نالاں ولرزاں رہا ہے۔ اس بدفطرت اقلیت نے دنیا کی غالب اکثریت کے یقین واعتماد کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور یوں لگنے لگا ہے کہ شروفساد اصل ہے اور انسان کی فطرت ہے! مگر امن وسلامتی کی بات خلافِ فطرت ہے! انسان کا کام جنگ وجدال معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ فضا شیطان کے بدفطرت چیلوں نے مسلط کر رکھی ہے۔ اس خوف وبے اعتمادی کی گھٹی گھٹی سی فضا میں تو سلیم الفطرت غالب انسانی اکثریت کے لیے جینا دوبھر اور سانس لینا محال دکھائی دینے لگا ہے۔

ظاہر ہے اس غیر فطری فضا کو یا تو ختم ہونا پڑے گا اور یا پھر یہ دنیا کو تہہ و بالا کر کے رکھ دے گی اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ لہٰذا چند بدفطرت انسانوں کی حقیر اقلیت کا ہاتھ روکنا پڑے گا، یہی ہاتھ روکنا اصل میں جہاد ہے، بدفطرت انسانوں کو بدامنی پر اکسانے والے ابلیسوں کا ہاتھ پکڑنا پڑے گا یا ان کا سر کچلنا لازم ہو جائے گا۔ امن و سلامتی کی فضا بحال رکھنے کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حکم بھی یہی ہے، عمل بھی یہی ہے اور پیغام بھی یہی ہے۔ اسی سے اعتدال و توازن کی وہ فضا قائم ہوگی جو امن و سلامتی کے لیے درکار ہے، وہی امن و سلامتی جو انسان کی فطرتی ضرورت ہے۔

بات کو کھول کر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آج دنیا پر بدامنی کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ یہ فضا ظلم، حسد، جھوٹ، لالچ اور جذبۂ انتقام کی پیدا کردہ ہے۔ اس لیے لوگ جس امن و سلامتی کے پیچھے بھاگ رہے ہیں وہ اس وقت تک ہاتھ نہیں آئے گی جب تک دنیا سے ظلم، حسد، جھوٹ، لالچ اور جذبۂ انتقام نابود نہیں ہوتا۔ اسے نابود کرنے کے لیے عدل و انصاف درکار ہے، ہمدردی و ایثار ضروری ہے اسکے لیے صدق و امانت، صبر و قناعت اور عفو و درگزر کے نسخہ ہائے کیمیا کارگر ہو سکتے ہیں، یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ یہی نسخہ ہائے کیمیا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس ہیں، آپ نے پورے تیرہ سال تک اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ کی گلیوں میں بدفطرت انسانوں کے ہاتھوں اذیت و خونخواری کا صبر و ہمت سے سامنا کیا۔ امن و سلامتی کی ہر کوشش کو پسند فرمایا حتیٰ کی معاہدۂ حدیبیہ بھی امن کی خاطر گوارا کیا (69)۔ صدق و امانت سے معاہدے نبھا کر اعتماد کی فضا قائم کی اور یوں امن و سلامتی کی راہ ہموار کی۔ آپ نے اَسْلِمْ تَسْلَمْ (سر تسلیم خم کر دو، امن و سلامتی پاؤ گے) (70) کا عالمی پیغام بھی دیا عفو و درگزر سے کام لینے اور جذبۂ انتقام کو کھاڈ پھینکنے کی عملی مثال (71) فتح مکہ کے موقع پر سامنے آتی ہے۔ لیکن سو باتوں کی ایک بات کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے جزیرۂ عرب سے ظلم کی جڑیں اکھیڑ کر عدل و انصاف قائم کیا تو امن و سلامتی کی فضا خود بخود قائم ہوگئی۔ شیطان کے غلام بدفطرت انسان کی سرکوبی کے لیے آپ نے

کو اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (72) کا خدائی جہادی ڈنڈا بھی عطا ہوا۔ آج بھی ایسے ہی اقدامات سے دنیا میں امن وسلامتی کی فضا قائم کی جاسکتی ہے۔ جہاں عدل ہوگا وہیں امن ہوگا! ظلم رہے اور امن بھی قائم ہوجائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

اگر آپ اجازت دیں تو بات قدرے مزید وضاحت کے ساتھ عرض کی جاسکتی ہے۔ قرآن عزیز کی رو سے یہودی اور بت پرست اہلِ ایمان کے شدید ترین دشمن ہیں (73)، مکہ کے بت پرستوں اور خیبر ویثرب کے یہودیوں کے درمیان اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اتحاد اور تعاون تھا۔ فتح مکہ کے بعد مکی بت پرستوں کا تو خاتمہ ہوگیا مگر جزیرۂ عرب سے جلاوطنی کے باوجود یہودیوں کی دسیسہ کاریاں جاری رہیں اور آج بھی اسی طرح جاری ہیں۔ رومیوں اور فارسیوں کو حجاز سے بھاگنے والے یہودیوں نے ہی ننھی سی اسلامی ریاست مدینہ کے خلاف اکسایا تھا۔ پاپائے روم اور یورپ کو صلیبی جنگوں کا طوفان اٹھانے کے لیے بھی یہودیوں نے آمادہ کیا تھا۔ استعمار واستشراق کے اولین علمبردار اور غلط راہیں سجھانے والے بھی یہی یہودی تھے۔ افغانستان میں کمیونزم اور اسلام کے تصادم کی سازشیں بھی یہودی کا ہی کارنامہ ہے۔ پھر تہذیبوں کے تصادم کا ڈھکوسلا اور نئے سامراج کو عالمِ اسلام اور چین وجاپان کے زرد انسان کے خلاف اکسانے والے بھی یہی ہیں مگر نائن الیون (9/11) کا ڈرامہ اور عراق پر قبضہ بھی اسی سازشی قوم کا کارنامہ ہے۔ فلسطینیوں پر ظلم اور پاکستان کے خلاف آج سازشوں کے جال بھی یہی لوگ بن رہے ہیں۔

لوٹ مار کی شیطانی خواہش اور فتوحات کے جنون نے نئے سامراجیوں کو ان صہیونی سازشیوں کا سرپرست ومددگار بنادیا ہے۔ یہ بات بھی زبردست توجہ چاہتی ہے کہ بھارت-اسرائیل گٹھ جوڑ کی صورت میں تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ بت پرست-یہودی سازباز کی یہ تازہ ترین اور شاید آخری کوشش ہے جو اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ہورہی ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ عالمی میڈیا اور عالمی مالیاتی نظام بھی عالمی صہیونیت کے قبضے میں ہیں۔ گزشتہ صدی میں مسلمانوں کی غفلت اور لاپرواہی سے فائدہ اٹھاتے

ہوئے یہ یہودی تین معرکے سر کر چکے ہیں۔ برطانیہ، امریکہ اور روس وغیرہ کی سرپرستی میں ناجائز اسرائیلی ریاست قائم کر کے وہ فلسطین کا نام ونشان مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ بزعمِ خود، قتل مسیح کے جرم سے پاپائے روم سے براءت نامہ بھی حاصل کر چکے ہیں اور غضب یہ کہ یہودی تو صیہونی ہیں ہی، مگر اس چالاک قوم نے عیسائیوں۔ خصوصاً امریکی عیسائیوں۔ میں بھی ''عیسائی صیہونی'' تیار کر لیے ہیں جو یہودیوں کے جھانسے میں آ کر یا جارج بش کی فریب کاری کے رنگ میں اس عقیدے کے قائل نظر آتے ہیں کہ بیت المقدس جب عظیم تر اسرائیل کا دارالحکومت بن جائے گا تو مسیح علیہ السلام آ جائیں گے اور دجال قوم یعنی مسلمانوں سے تاریخِ انسانی کی سب سے بڑی طویل ترین اور مقدس جنگ کریں گے۔ فتح کے بعد یہودیوں سمیت سب دنیا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیروکار بن جائے گی۔ اس پر المیہ یہ ہے کہ اصل دہشت گرد تو خود یہودی تھے اور اب بھی ہیں، اصل دہشت گرد ہندو برہمن تھے اور اب بھی ہیں اور حقیقی دہشت گرد تو پرانے اور نئے سامراجی تھے اور اب بھی ہیں مگر یہ دہشت گردی کا تاج بھی یہودیوں سمیت سب نے مسلمانوں پر فٹ کر دیا ہے کچھ نادان مسلمان پیسے کے لالچ میں یا بے دانشی اور غلط روش کے باعث عالمی صیہونیت کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں لیکن اسلام ان کے ان کرتوتوں سے بری ہے مگر اس سے فائدہ اٹھا کر عالمی صیہونیت نے سب مسلمانوں کو دہشت گرد یا یوں کہہ لیجئے کہ اسلام کو دہشت گردی کا مترادف بنا دیا ہے جس کے نتیجہ میں صیہونیت زدہ عالمی میڈیا نے دنیا کی تمام نفرت اور لعنت بھی مسلمانوں پر انڈیل دی ہے۔ الغرض یہ عالمی تناظر ہے جس میں آپ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت امن وسلامتی سے روشنی حاصل کرنا ہے۔

رسول عربی ﷺ اول و آخر بلاشبہ پیغمبرِ امن وسلامتی ہیں، آپ تمام جہانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں، آپ کا دین اسلام دین اطاعت وسلامتی ہے، آپ آمنہ کے لال ہیں اس لیے امن وسلامتی اور رحمت آپ کے اپنے نام پاک اور حضرت والدہ ماجدہ کے اسم مبارک کا حصہ ہے (74)۔ آپ نے اپنے قول وفعل سے ہمیشہ امن کو ترجیح دی،

دھوکے سے قتل کرنا، بیگناہوں کو دہشت گردی سے مارنا سب آپ کے دین میں ممنوع اور حرام ہے آپ کو تو سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: "سو اگر دشمن امن کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی امن وسلامتی کی طرف مائل ہو جایئے، توکل اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی کیجئے۔(75)" معاہدہ حلف الفضول نے زمانہ قبل اسلام میں مکہ اور عرب کو امن وسلامتی دی تھی آپ ایسے معاہدہ امن کی ہمیشہ آرزو کرتے تھے(76) آپ کے دین میں بچوں بوڑھوں، مذہبی پیشواؤں اور عورتوں پر جنگ میں بھی ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا گیا ہے اور یہی حکمِ قرآنی بھی ہے۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم ان کے پیروکار امن وسلامتی کے علمبردار ہیں۔ اسلامی جہاد کا مقصد غیر مسلموں کو نابود کرنا، بیگناہوں کا خون گرانا اور چھپ کر دہشت گردی سے معصوم جانوں کو ضائع کرنا ہرگز ہرگز اسلام نہیں ہے اسلامی جہاد بدامنی کو روکنے، سلامتی کا انتظام کرنے اور بدفطرت مفسدوں کی سرکوبی کے لیے ہے۔

سب انسان۔ بلا امتیاز وتفریق۔ برابر ہیں! یہ بات محض تصور واعلان تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس پر ہر حال میں حرف بحرف عمل ہوا اور اس پر واضح، روشن اور قابلِ یقین واعتماد اوراقِ تاریخ گواہ ہیں!!

یوں تو دنیاوی حیات نبوی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، گود سے گہوارہ تک اور پھر گہوارہ سے گور تک، از ابتداء تا انتہا زندگی کا ہر لمحہ اور ہر قدم میرے نزدیک سراپا ہدایت کی روشنی اور رہنمائی کا مینارِ نور ہے جو قابلِ حجت بھی ہے اور قابلِ تقلید واتباع بھی، تاہم بعثت کے بعد تیئیس سالہ عہدِ نبوت تو واجب الاتباع اسوہ حسنہ ہے جس کی پیروی کا واضح حکم ربانی موجود ہے!(77) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا تیرہ سالہ مکی عہدِ نبوت عدل وانصاف کے قیام اور فرد ومعاشرہ کو شر پسند اور فتنہ پرور شیطانوں سے نجات دلا کر امن وسلامتی کی فضا مہیا کرنے کی دعوتِ حق میں بسر ہوا، اس عرصہ میں رسولِ صادق وامین صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر ہونے والے ظلمِ عظیم۔ شرک باللہ وبت پرستی۔ سے دنیا کو پاک کرنے کی جہدِ مسلسل

کے ساتھ ساتھ، کمزوروں، بے کسوں، بے سہاروں اور ظالم معاشرہ کے ستائے ہوئے اور پسے ہوئے ناداروں کے لیے عدل وامن اور سلامتی کی فضا مہیا کرنے میں صرف کیا، لیکن مکہ کے بڑوں کو نہ ظلمِ عظیم سے روئے زمین کو پاک کرنے کی دعوتِ حق پسند آئی اور نہ وہ زیر دستوں کے لیے عدل وامن اور سلامتی کی فضا مہیا کرنے کو برداشت کر سکے، یہ سب کچھ ان بڑوں کو اس لیے گوارا نہ تھا کیونکہ شرک وبت پرستی چھوڑنے کے ساتھ ہی انہیں اپنے گھناؤنے استحصالی دھندے بھی چھوڑنا پڑتے تھے جبکہ زیر دستوں کو عدل وانصاف دینے اورامن وسلامتی کو تحفظ دینے سے ان کا تکبر وغرور خاک میں ملتا تھا اور ان کے اقتدارِ مطلق پر قدغن لگتی تھی، تاہم مکی عہدِ نبوت کی تیرہ سالہ جدوجہد مسلسل کے واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ تمام مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود دعوتِ توحید کے ساتھ ساتھ وحدتِ نسلِ انسانی اور مساوات کی تحریک بھی جاری رہی، جیسے جیسے ظلم اور اذیت رسانی میں شدت آتی گئی اسی حساب سے یہ دعوتِ توحید اور تحریکِ مساوات کی مقبولیت وپذیرائی میں بھی اضافہ ہوتا گیا مگر منظم ریاست کے فقدان کے باعث دعوتِ توحید میں بھی رکاوٹیں حائل ہوتی رہیں، عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی تحریک کو بھی تحفظ حاصل نہ ہوسکا! چنانچہ کفار کا ظلم وتشدد اس قدر بڑھ گیا کہ اہلِ اسلام اپنا دین وایمان بچانے کے لیے ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے (78)

یہ خیال کچھ انجان اور نادان لوگوں کا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی عہدِ نبوت ورسالت میں تو روحانیت کے علمبردار اور دینِ اسلام کے مبلغ تھے مگر ہجرت کے بعد جونہی یثرب میں وارد ہوئے تو اچانک سیاست وحکومت آپ کا مطمع نظر بن گیا مگر یہ نادانی اور انجانی صیہونیت زدہ مستشرقین کی بدگمانی اور روحِ اسلام سے بے گانگی اور جہالت کا نتیجہ ہے! اسلام جس قدر روحانیت اور آخرت پر زور دیتا ہے اسی قدر دنیا کی عملی زندگی پر بھی توجہ مبذول کرواتا ہے، کیونکہ جس بدنصیب کی یہ دنیاوی زندگی آخرت کی کامیاب زندگی کے لیے کھیتی نہیں بن سکتی اس کی آخرت بھی مشکل سے ہی سنور سکتی ہے، جو دنیاوی زندگی کے

محاذ پر کامیاب نہیں ہو پاتا وہ آخرت کی زندگی کے محاذ پر بھی کامیاب نہیں ہوتا، یہ بات ان نادانوں کے دانا ''مائیکل ہارٹ'' ہی سمجھ سکا جسے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مادی وروحانی اور دنیاوی واخروی دونوں محاذوں پر بیک وقت یکساں کامیاب دکھائی دیتے ہیں اور اسی لیے وہ انہیں اپنی کتاب ''ایک سو'' (The one hundred) میں تاریخ انسانی کا نمبر ایک رہنما اور سب سے زیادہ کامیاب لیڈر قرار دیتا ہے (79)!

مکی عہدِ رسالت کی انتھک جدوجہد نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ''عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد'' عدل وانصاف کا قیام اور عدل وسلامتی کی فضا منظم وبا اختیار حکومت کے بغیر ناممکن ہے، اسی لیے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچتے ہی مرکزِ اسلام مسجد نبوی اور تربیت گاہ صفۂ مسجد نبوی کی تعمیر کے فوری قدم کے بعد اگلا اہم اقدام ''میثاقِ مدینہ'' کے آئین کے زیرِ سایہ اسلامی ریاست کے قیام کا اعلان تھا! مگر یہ خیال لغو اور باطل ہے کہ معاذ اللہ مکہ سے مدینہ آنے کے بعد آپ نبی کے بجائے ایک حکمران زیادہ نظر آئے، تاریخ کے تلخ حقائق وواقعات اس بچگانہ وجاہلانہ بلکہ معاندانہ اور حاسدانہ خیال کو جھٹلا رہے ہیں، تعمیرِ معاشرہ، تنظیم ریاست اور تربیت اخلاق کے احکامِ قرآن کی کثرت اس مدنی دور میں نازل ہوئی، مکہ مکرمہ میں اگر دارِ ارقم مسلم معاشرہ کا مرکز اور تربیت گاہ تھی تو مدنی عہد میں مسجد نبوی اور صفۂ مسجد نبوی نے جماعت صحابہ (مردوزن) رضی اللہ عنہم کی تعلیم وتربیت کا کام کیا، بلکہ مکہ کے دارِ ارقم کی نسبت مدینہ کے صفۂ مسجد نبوی کا دائرہ زیادہ وسیع ہو گیا تھا! کیونکہ یہاں حلقۂ تربیت نبوی میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی شامل ہوتی تھیں بلکہ ہفتہ میں پورا ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف خواتین کے لیے مختص فرما دیا تھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ نگاہِ نبوت میں مرد کی نسبت عورت کی تعلیم وتربیت کی اہمیت زیادہ ہے! کیونکہ مہذب اور تربیت یافتہ ماں ہی پاکیزہ نسب ونیک خصلت اولاد کی ضمانت ہے، اسی حقیقت نے مصر کے عظیم شاعر حافظ ابراہیم سے یہ کہلوایا ہے کہ (80):

الْاُمُّ مَدْرَسَةٌ اِذَا اَعْدَدْتَهَا اَعْدَدْتَ شَعْبًا طَيِّبَ الْاَعْرَاقِ

یعنی ماں کی حیثیت ایک سکول کی سی ہے، اگر تم اسے (ماں کو) مہذب بنا دیتے ہو تو تم نے گویا پاکیزہ نسب اور نیک خصلت قوم تیار کر دی ہے!

یہ بات اہلِ اسلام کے لیے سرمایہ فخر ہے کہ باون دفعات پر مشتمل "میثاقِ مدینہ" تاریخِ انسانی کا قدیم ترین تحریری دستور ہے جو آج بھی اسی طرح تحریری شکل میں موجود اور محفوظ ہے جس طرح اسے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور عملی طور پر نافذ کیا تھا، یہ دنیا کا پہلا شورائی جمہوری آئین ہے جس پر کئی ایک گروہوں اور جماعتوں نے اتفاق کیا تھا اور اس میں ہر فریق یا شریک کو، فکر، رائے اور عقیدہ کی مکمل آزادی دی گئی تھی۔ ان جماعتوں یا گروہوں میں مسلمان۔ مہاجرین وانصار۔ یہود۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ عیسائی اور مشرکین سبھی شامل تھے، ہر گروہ کو اپنی مذہبی اور ثقافتی روایات کو زندہ رکھنے، اپنے اپنے پرسنل قانون کے ماتحت عدالتی نظام قائم کر کے فیصلے لینے کی کھلی آزادی حاصل تھی (81)۔ اس لیے اگر سب کو مکمل مذہبی اور فکری آزادی دینے کا نام سیکولرازم ہے تو پھر ایسی غیر جانبدار ریاست تو آج تک صرف ایک ہی ہوئی ہے اور وہ تھی ریاستِ مدینہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں میثاقِ مدینہ کے زیرِ سایہ قائم ہوئی تھی، یہ فرانس کے سرکوزی، برطانیہ کے ٹونی بلیئر، امریکہ کے جارج بش یا بھارت کے واجپائی کی سیکولر ریاستیں نہیں کہ جہاں مسلمان عورت کے ڈوپٹہ اوڑھ لینے اور کسی مسلمان طالبہ کے حجاب سے سر ڈھانپ لینے سے زلزلہ آ جاتا ہے اور دوسرے مذاہب کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کی بھی گنجائش نہیں ہے!! میثاقِ مدینہ کو آئین مان کر ہر ہر گروہ اپنی ثقافتی روایات اور پرسنل قوانین کے مطابق عدالتی فیصلے لینے کے اصول کو تسلیم کر کے آئین اور قانون کو دو الگ الگ چیزیں ماننے کا تصور بھی سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دیا ایک ایسے زمانے میں جب عرب وعجم آئین وقانون کے اس فرق سے آگاہ تو کیا ہوتے انہوں نے تو شاید آئین اور قانون کے لفظ بھی نہیں سنے ہونگے!! لوگوں کے لیے تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جس سرزمین کے پسماندہ معاشرہ کی رگ وپے میں خانہ بدوشی کی زندگی اور قبائلی نظام رچا بسا تھا اس کی

جگہ شورائی نظام نے کیسے لے لی؟ مگر لوگ شاید یہ نہیں جانتے کہ دارِ ارقم اور صفۂ مسجد نبوی کے معلم بے نظیر اور مصلح بے بدل رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کتنا وقت اور کتنی توجہ صرف فرمائی، نگاہِ نبوت کے اعجاز نے وحی ربانی کی رہنمائی میں تئیس سال صرف فرما کر ایک ایسی امت وسطہ وعادلہ تیار فرمائی جس کا ہر ہر فرد اپنے اپنے کام کا مردِ میدان تیار ہو کر نکلا اور جدھر کا رخ کیا کامیابی نے قدم چومے دارِ ارقم میں سینۂ فاروق اعظم پر نبوت کے ایک ہی دستِ اعجاز نے چھوا تھا مگر اس نے دل و دماغِ فاروقی کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی تھی کہ امام ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کو بھی کہنا پڑا کہ:

> سینۂ فاروق را بمنزلہ خانہ بشمر کہ درہائے مختلف دارد و در ہر در کاملے نشستہ
>
> یعنی فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سینے کو ایک حویلی تصور کر لو جس کے کئی ایک مختلف دروازے ہیں اور تمہیں ہر دروازے میں ایک مردِ کامل بیٹھا نظر آئے گا"۔

انسانیت کو تاریخ میں پہلی بار یہ علمی پیغام ملا کہ انسانی معاشرہ کی مکمل تبدیلی یا (Total change) اور ہمہ گیر انقلاب کے لیے تربیت یافتہ کارکن درکار ہوتے ہیں اور یہ کارکن خود بخود تیار نہیں ہو جاتے بلکہ پوری توجہ سے بڑے اہتمام سے اور مسلسل نظرِ کرم سے ہی ایسے کارکن تیار ہوتے ہیں، آج تو دنیا کا ہر انقلابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوشہ چین نظر آتا ہے مگر مصلح دارِ ارقم اور معلم صفۂ مسجد نبوی سے پہلے ایسا کوئی معلم و مصلح یا انقلابی نظر نہیں آئے گا مگر اب تو ہر بوالہوس نے یہ روش اپنا لی ہے مگر کہاں اصل اور کہاں نقل! حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غبارِ قدم کو بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا! جو کچھ دارِ ارقم اور صفۂ مسجد نبوی میں ہوا وہ اللہ کا منشا اور انسانیت کا مقدر سنوارنے کا اعلیٰ و مفید پروگرام تھا جس سے دنیا تو کیا خود مسلمان بھی پوری طرح آگاہ نہیں، اس کی ایک جھلک صوفیہ صافیہ کے نظامِ تصوف میں دیکھی جا سکتی ہے (میں عقابوں کے نشیمن پر قابض زاغوں کی بات نہیں کرتا، مگر یہ بات حضور ہجویری، خواجہ اجمیری، بختیار کاکی اور فرید گنج شکر رحمہم اللہ کی!)

ارتقی و صُفی تصوف کے پرستار و علمبردار صوفیہ صافیہ کا وجود امت کی عزت و بقا اور آئین و قانون کی حکمرانی کی ضمانت بھی ہے!

یہ درست کہا گیا ہے کہ تہمت طراز صیہونیت زدہ مستشرقین کا یہ خیالِ خام بھی ہے اور بے بنیاد بھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے، آپ کی تمام تر توجہ تبلیغ و وحی ربانی اور تربیت و عملِ روحانی پر مرکوز رہی مگر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپ کی توجہ سیاست و حکومت کی طرف پھر گئی اور پھر آپ نے تنظیمِ ریاست اور مخالفینِ اسلام سے تصادم کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیا حالانکہ یہ رائے عقل کے دیوالیہ پن، بے دانشی اور جہالت کی پیداوار ہے، جو حسد اور بغض کا نتیجہ ہے، مدنی عہدِ نبوت اسی اعتدال و توازن سے عبارت ہے جو مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور مسلم امت کا امتیاز قرار پایا تھا، مدنی دور میں بھی صفہ، مسجد نبوی مسلم کمیونٹی کا مرکزِ تعلیم تربیت رہا جس طرح مکی عہد میں درِ ارقم کی پناہ گاہ مسلمانوں کی تعلیم تربیت کا مرکز اور قریش کے دار الندوہ کے مقابلے میں اہلِ اسلام کے شورائی نظام کی علامت تھی!(82) مدینہ منورہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل منصب پیغمبری قرآن کریم کی حفاظت کا سامان اور افرادِ امت کی تربیت تھی مگر یہود نے میثاقِ مدینہ جیسے متفقہ دستور و آئین سے بغاوت کرتے ہوئے قریشِ مکہ کو اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف اکسانے پر تمام تر وسائل اور طاقت صرف کر دی جس کے نتیجہ میں غزوات پیش آئے اور تصادم کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں، غزوات اور تصادم کی یہ تمام صورتیں مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں پیدا ہوئیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی تمام تر ذمہ داری اسلام مخالف یہودیوں اور قریش مکہ پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ ربانی اذنِ قتال مل جانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکمِ ربانی یہ تھا کہ(83):

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

''یعنی اگر اسلام مخالف لوگ امن کی طرف مائل ہوں تو جواب میں آپ بھی امن کی طرف ہی مائل ہو جایئے مگر بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی کیجئے

(کیونکہ بد عہد دشمن کا کیا بھروسہ!؟)"

چنانچہ اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے جنگ اور امن کے ڈبل سٹینڈرڈ اور دوغلا معیار رکھنے والے ہندو برہمن، صیہونیت میں ڈوبے ہوئے یہودیوں اور صلیبی مخمصہ میں گرفتار عیسائیوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے بد عہدی کے خطرات کے لیے پوری طرح تیار رہنے کی ضرورت ہے! لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی عہد میں نبی و رسول اور مبلغ و مصلح اسلام تھے مگر مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کے افکار و معمولات ہی بدل گئے تو یہ سراسر غلط اور بدگمانی یا کج فہمی کا شکار ہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ مکی عہدِ نبوت میں بھی حسبِ ضرورت امور و اصولِ حکمرانی پیشِ نظر تھے اور تبلیغِ دین اور روحانی تربیت بھی اصل منصب و معمول تھا: شہادت و دلالت کے لیے اتنا کافی ہے کہ:

(1) بعثت سے پہلے بھی رسول اولین و آخرین ﷺ اہلِ عرب میں طاقتور کے ہاتھوں کمزور کی اہانت و حق تلفی کو ناپسند فرماتے تھے اور اس ظلم و تذلیلِ آدمیت کو قطعی طور پر مسترد کر چکے تھے، مستضعفین پر مستکبرین کی زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور ہر اس پروگرام اور اقدام میں شریک ہوتے تھے جو مظلوم کی حمایت و دادرسی کے لیے ہوتا تھا اور کمزور کی حق تلفی و محرومی اور زور آور کی طرف سے کمزور پر زیادتی کو ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے، چنانچہ کمزور اور مظلوم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اور آپ انہیں حق انصاف دلائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔

(2) حلف الفضول قریش مکہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، اسلام سے پہلے عربوں کی تاریخ میں اور کوئی عمرانی معاہدہ اس جیسا کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا تھا، اس کا مقصد مظلوم اور کمزور کی حمایت اور ظالم یا طاقتور سے اسے ہر حال میں حق و انصاف دلانا مقصدِ اولین تھا، سردار قریش عبداللہ بن جدعان کے مکان پر انسانیت کے بہی خواہ اور ہمدرد جمع ہوئے تھے، جن میں سے اکثر کے نام فضل، فضیل اور فاضل تھے اس لیے اس معاہدے کا نام بھی حلف الفضول یعنی فضل والے لوگوں کا معاہدہ پڑ گیا، عبداللہ بن جدعان

کے مکان پر طے پانے والے اس معاہدہ میں کم سنی کے باوجود حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ بصد خوشی پوری طرح شریک تھے اور عمر بھر اس معاہدہ عمرانی کی تحسین فرماتے اور یہ خواہش ظاہر کرتے رہے کہ ظلم کے خاتمہ اور مظلوم کی حمایت کے لیے ہونے والے اس معاہدہ میں اب بھی شرکت پر تیار ہیں اور ایسے معاہدہ کی خاطر بڑے سے بڑے دنیاوی فائدے کو بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دیں گے!(84)

(3) قریشِ مکہ بالخصوص اور عرب سردار بحیثیت مجموعی خاندانی و نسلی برتری کے قائل تھے، یہ خیال باطل اور اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ جس نظامِ زندگی کے داعی تھے اس میں حسب و نسب اور خاندانی یا قبائلی برتری کو کوئی دخل نہیں، آقا و غلام یا بڑے چھوٹے کا فرق و امتیاز مکہ مکرمہ میں ممنوع تھا اور مدنی دور میں بھی اس نقطۂ نظر کو ترقی اور فروغ دیا گیا، مساوات و برابری اور اخوت و برادری کو مکی اور مدنی دونوں ادوار میں مقدم رکھا گیا، مکی دور میں رسول اکرم ﷺ نے اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ سے کی تھی، پھر مدینہ منورہ میں انہی کے فرزند حضرت اسامہ کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا، لشکر میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے علاوہ کبار انصار و مہاجرین کو اس غلام زادہ سپہ سالار کے ماتحت ادنی سپاہی کی حیثیت سے شامل فرمایا، منظم انسانی معاشروں اور انسان دوست حکومتوں کے پسندیدہ سیاسی و معاشی نظاموں میں مساوات اور برابری کے اصول اب بنیادی انسانی حقوق بن گئے ہیں، مکی عہد ہی میں ستائے ہوئے اور پسے ہوئے انسانی طبقات اور غلاموں کی سرپرستی اور برابری کے حقوق دینا اس سیاسی اور معاشرتی نظام کا امتیاز ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مکی عہد میں انسانیت کو عطا فرمایا تھا اور پھر اسلامی حکومتوں کے طرزِ حکمرانی کا لازمہ بن گیا، پھر مصر اور اسلامی ہند میں کئی غلام سپہ سالار بنتے رہے اور ''خاندانِ غلاماں'' قسم کے شاہی خاندان وجود میں آتے رہے، اس طرزِ حکمرانی کی طرح تو مکی عہد میں ہی ڈالی گئی جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت بھی حکمرانی کا تصور موجود تھا۔

(4) مکہ مکرمہ میں دارِ ارقم کو مسلمانوں کے دینی سیاسی، معاشی اور معاشرتی مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی اور اسے قریش کے سیاسی و معاشرتی مرکز دارالندوہ کا متبادل مان لیا گیا تھا، لوگ اسے "دارالاسلام" یا مرکزِ اسلام قرار دیتے تھے، ابنِ سعد، طبری اور ابنِ اثیر نے واضح لفظوں میں تسلیم کیا ہے بلکہ دارِ ارقم میں نبی رحمت کا نزول یا فروکش ہونا ایک ایسا سیاسی اقدام تھا جو تاریخ کا نقطۂ آغاز بن گیا تھا، لوگ کہتے تھے کہ

فلاں واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں فروکش ہونے سے پہلے کا ہے یا بعد کا، دارِ ارقم میں نبی رحمت کا نزول بھی مروج ہوگیا تھا اور عام الفیل کی طرح ایک نقطۂ تاریخ بن گیا تھا، بعد میں دارالخلافہ یا دارالحکومت اور دارالسلام کی اصطلاحیں "دارِ ارقم" کی پیروی میں رواج پاگئیں!

دارِ ارقم میں تعلیم و تربیت اور وعظ و نصیحت کے علاوہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی معاملات زیرِ بحث و مشاورت آتے تھے اور فیصلے ہوتے تھے، دارِ ارقم کا نظام بڑے سلیقہ، باقاعدگی اور باریک بینی سے چلتا تھا اور تمام معاملات کے فیصلے یہیں پر کیے جاتے تھے، ہمارے صوفیائے کرام نے تعلیم و تربیت، وعظ و تلقین کے لیے یہی ارقمی اور صُفّی طریقۂ تربیت اپنایا، ہمارے چشتی بزرگوں میں سے خواجہ اجمیر، بختیار کعکی، فریدِ گنج شکر اور نظام الدین اولیاء ان تمام تر اولیائے کرام نے تو یہی نبوی شورائی جمہوری نظام اپنایا تھا ہر بات میں "موروثیت کے پنجے" نے تو اہلِ اسلام کو بعد میں جکڑا تھا، یہی درویشانہ سیاسی و حکومتی انداز نیک اطوار اور درویش صفت حکمرانوں نے بھی اپنایا، ہماری اور دنیا کی نجات بھی اسی شورائی نظام میں ہے!(85)

(5) مکی عہدِ نبوی میں آئین و قانون کی حکمرانی کا جو تصور وجود میں آیا اور جس کے متعلق قرآن مجید میں واضح اشارات بلکہ روشن حقائق موجود ہیں ان سے وہ خطوط اور طریقے کھل کر واضح ہوجاتے ہیں جو طرزِ حکمرانی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمائے ہیں، اس طرزِ حکمرانی کا ایک بنیادی نقطہ شورائیت یا جمہوری مشاورت

ہے، سورت شوریٰ مکی سورت ہے اور اس سورت میں دارِ ارقم کے مرکز سے وابستہ مسلمانوں کا جو طرزِ عمل سامنے آتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے پسندیدگی اور ستائش کے انداز میں ذکر فرمایا ہے کہ وامرھم شوری بینھم یعنی دارِ ارقم کے نظام سے وابستہ اہلِ ایمان کے تمام معاملات باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں (86)!

یہاں سے جمہوری مشاورت اور شورائیت اسلامی نظامِ سیاست کا امتیازی لازمہ ٹھہرا جس میں کمیونٹی کے ہر فرد (مرد و زن) کو آزادانہ مشورہ دینے اور معاملات حکومت میں شرکت کا حق اور بلا امتیاز سب کو برابر اہمیت حاصل ہے!

لیکن اسلام کے عطا کردہ شورائی جمہوری نظام اور مغرب کے صدارتی یا پارلیمانی جمہوری نظام کے درمیان تقابل میں کمال کا ایک پہلو یہ ہے جو ایک اور مکی سورت کی اس آیت کریمہ سے عیاں ہوتا ہے سورت زمر میں ارشاد ربانی ہے کہ: (87)

> ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے ان مومن بندوں کو ایک خوشخبری سنا دیجئے کہ جو لوگ ایک دوسرے کے آزادنہ اظہار رائے کو آرام سے کان لگا کر بڑے غور سے سنتے ہیں، پھر جو بہترین رائے سامنے آتی ہے اسی کی پیروی کرتے ہیں، یہی تو وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہِ راست پر ڈال دیا ہے اور یہ وہی ہیں جو پختہ عقل والے ہیں!''

یہ آیت کریمہ ایک ایسے شورائی جمہوری نظامِ حکمرانی کا پتہ دیتی ہے جس میں دو چیزوں کو ملحوظ خاطر رکھنا اور ان پر لفظ و معنی ہر دو لحاظ سے پورا پورا عمل لازم اور منشائے خداوندی کا تقاضا ہے:

ایک یہ کہ ہر رکنِ شوری اور شریکِ مشاورت کو کھلی آزادی دینا ہوگی کہ وہ اپنے دل کی بات اور رائے کا اظہار کرے اس طرح کہ وہ بلا جھجک اور بلا خوف بات کرے اور سب لوگ پوری توجہ اور انہماک سے اور غور و فکر کے ساتھ سنیں اور انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال (یہ دیکھو کہ کہنے والے نے کیا کہا مگر یہ مت دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے) کی تصویرِ عملی

شکل میں سامنے آجائے، اس رکن کا تعلق حزبِ مخالف سے ہو یا حزبِ اقتدار سے، ہر ایک کو اپنے دل کی بات کہنے اور اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو، دوسری چیز یہ ملحوظِ خاطر رہے اور اس پر لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے عمل کیا جائے کہ حزبِ مخالف اور حزبِ اقتدار کی تمام آراء سامنے آجانے کے بعد جو رائے سب سے زیادہ افضل سب سے زیادہ مفید اور تعمیری نظر آئے اس کو اپنا کر عمل کیا جائے، گویا رائے کو تولنے کا حکم ہے اور آراء کو گننے کا رویہ بے معنی ہے کیونکہ بقول شاعرِ اسلام دوسو گدھوں کے سر گن لینے سے ایک انسان کی فکر اور رائے کا فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس جمہوری سوچ پر عمل پیرا ہونے والے اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی اور کامرانی کی بشارت دی ہے، انہیں راہِ راست پر چلنے والے اور پختہ عقل وبصیرت کے مالک قرار دیا ہے۔

اس کی واضح مثال ہمیں عہدِ فاروقی کے ایک واقعہ سے ملتی ہے جس کے مطابق حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے متصادم ہوگئی تھی مگر صحابہ کرام کی اکثریت کی رائے سے فیصلہ ہوا تھا، فتوحات کے نتیجہ میں شام وعراق کی زرخیز اراضی مجاہدین کو مالِ غنیمت کے طور پر حاصل ہوگئی تھیں اور سپہ سالار نے پوچھ بھیجا تھا کہ کیا یہ زمینیں بھی عام مالِ غنیمت کی طرح تقسیم کردی جائیں جس میں پانچواں حصہ عام مسلمانوں کے بیت المال کا ہو اور باقی تمام وسیع وزرخیز زمینیں چند مجاہدین کو دے دی جائیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یہی رائے تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان دو زرخیز ملکوں کی یہ وسیع اراضی بیت المال کی ملکیت ہوں گی کیونکہ یہ تمام اراضی چند لوگوں میں بانٹنے سے ایک بالائی طبقہ جنم لے گا اور یہ بات اسلامی معاشرہ کے اصول مساوات سے متصادم ہے جو بعثتِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، کی روح کے خلاف ہے چنانچہ یہ بات اہلِ مدینہ کے ریفرنڈم کے ذریعہ طے کی گئی اور یوں شام عراق کی زرخیز اراضی ریاست کی ملکیت قرار پاگئیں، اس مثال سے نہ صرف اسلامی ریاست اور معاشرہ وڈیرہ شاہی سے بچ گئے بلکہ ملکیت زمین کے باب میں اہلِ

فکر و دانش کے لیے رہنمائی کا ایک مصدر بھی میسر آ گیا۔

(6) انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ کے مفصل احکام تو مدینہ منورہ کی اولین اسلامی ریاست کے قیام کے بعد آئے لیکن مکی عہدِ نبوت کے دوران میں دارِ ارقم کے نظام سے وابستہ مسلم کمیونٹی کے مالیاتی نظام کے متعلق بھی واضح اشارات کتاب اللہ سے ثابت ہیں، مکی سورتوں میں انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید و تلقین کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کے متعلق بھی ارشاداتِ ربانی موجود ہیں، سورت شوریٰ میں جہاں اہلِ ایمان کے شورائی نظام کی بات ہوئی اسی آیت کے ایک حصہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا بھی تذکرہ ہے ارشادِ خداوندی ہے: وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یعنی باہمی مشاورت سے اپنے معاملات طے کرنے والے اہلِ ایمان کو جو کچھ ہم نے رزق عطا کیا ہے اس میں سے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں!

سورت الروم بھی مکی سورت ہے، اس میں سود کی مذمت کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی برکات و تحسین کے متعلق بھی اہم باتیں ارشاد ہوئی ہیں (88)، مخیر صحابہ کرام اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دل کھول کر انفاق فی سبیل اللہ میں بھی مسلم کمیونٹی کی مشکلات حل کرتے تھے، دار ارقم میں تعلیم اور تربیت پانے والے اکثر حضرات غلام اور پسے ہوئے طبقات کے لوگ تھے، اس ضمن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کردار مثالی تھا، قریش کے مستکبرین ان فاقہ کش محتاجوں پر طنز کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں کے پاس دولت کیوں نہیں؟ ہم ان پر اپنا پیسہ کیوں خرچ کریں! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت اور کرم ان کے اس طنز کا جواب ہوتا تھا!

(7) سیرتِ طیبہ کا یہ ایک قابلِ فخر اور روشن ترین باب ہے کہ صنادیدِ قریش نے جب آپ کو یہ پیشکش کی کہ ہم آپ کو اپنا حکمران تسلیم کیے لیتے ہیں، ہم میں سے جس کو دامادی کا شرف بخشنا چاہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی لختِ جگر کا رشتہ دینے کے لیے تیار ہوگا اور اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم اپنی دولت آپ کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں بس آپ صرف یہ کیجیے کہ ہمارے بتوں یا معبودوں کے متعلق نرم رویہ اختیار فرما لیجیے تو آپ نے اپنے چچا حضرت

ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں یہ مطالبہ مسترد کرتے ہوئے اعلان فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے مشن سے ہرگز دست بردار نہیں ہوں گا! یہ اس لیے تھا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا حقیقی مقصد توحید ومعرفتِ الٰہی کا روئے زمین پر ڈنکا بجانا تھا، کیونکہ حق تعالیٰ نے تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کا یہی مقصد بیان فرمایا ہے، تمام انبیائے کرام نے اپنے اپنے وقت کی نادان اور ناسمجھ انسانیت کو یہی پیغام دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، وہی سب کا خالق ومالک اور رازق ہے مگر ایک تو نابالغ ذہنِ انسانیت یہ بات سمجھنے کے لیے ابھی تیار نہیں ہوا تھا اور دوسرے یہ کام نزولِ قرآن اور افصح العرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصطفوی فصاحت وبلاغت کا منتظر ومحتاج تھا! اس اعلانِ واجب الاذعان میں گویا یہ حقیقت پنہاں تھی کہ جب تک کائناتِ ارضی سے سب سے بڑے ظلم اور سب سے بڑے گناہ کو جڑ سے نہیں اکھاڑ دیا جاتا اس وقت تک دنیا میں نہ انصاف ہوسکتا ہے اور نہ ہی امن قائم ہوسکتا ہے انسان کے اس فعل شنیع اور گھناؤنے جرم سے اللہ رب العزت کی حق تلفی ہورہی ہے! جب تک اس حق کو نہیں مانا جاتا اس وقت تک عدل وانصاف کے سب دعوے جھوٹے اور امن کی ہر کوشش بے کار اور بے نتیجہ ہے کیونکہ شرک تو ظلمِ عظیم ہے! اس ظلمِ عظیم کی بیخ کنی کے بغیر آئین وقانون کی وہ حکومت قائم نہیں ہوسکتی جس کا تصور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے اس لیے قریش جس حکمرانی کی پیشکش کررہے ہیں وہ بے حد حقیر اور بے کار ہے! جب تک شرک وبت پرستی جیسا حقیر دھندا اور انسانوں کا سب سے بڑا گناہ نابود نہیں ہوتا اس وقت تک ظلمِ عظیم کے خاتمہ کا تصور خیالِ خام ہے اور اگر ظلم ختم نہیں ہوتا تو عدل وانصاف ممکن نہیں اور قیامِ عدل وانصاف کے بعد روئے زمین پر قیامِ امن نہ ہو تو حکمرانی بے کار ہے! اس لیے قریش کی یہ پیشکش بھی ناکارہ اور بے فائدہ ہے لہٰذا مسترد کیے جانے کی مستحق ہے!

ہمارے نزدیک قریش کی اس پیشکش کو پرزور لفظوں میں فوری طور پر مسترد کرنے کا حقیقی سبب تو یہی تھا کہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ انسانیت کو آئین وقانون کی حکمرانی کا تصور دینے والے

رسولِ برحق اور جوہر انسانیت کے ذہن مبارک میں یہ بات بھی ہو کہ صنادیدِ قریش کی بیساکھیوں کے سہارے قائم ہونے والی حکومت بھی بے معنی ہے کیونکہ اس صورت میں اختیارات تو صنادیدِ قریش کے پاس ہونگے اور اگر اختیارات کرسیٔ اقتدار کے اپنے قبضے میں نہ ہوں تو حکومت یا حکمرانی کس بات کی؟ حقیقی حکومت واقتدار تو عامۃ الناس کی امانت ہے اگر وہ ساتھ ہوں تو پھر یداللہ علی الجماعۃ (کہ اللہ تعالیٰ کا دستِ تائید تو عوامی اکثریت کا مقدر ہے) اور جس حکومت کو اس عوامی اکثریت کی دلی تائید حاصل ہوگی وہی حکومت فیصلے کرنے میں خودمختار ہوگی، اسی کا نام شورائی جمہوریت ہے جس میں عوام الناس میں سے ہر فرد کو اس حکومت کے قیام وانصرام میں آزادانہ رائے کا حق حاصل ہو! اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ امرھم شوری بینھم کے علمبردار رسولِ برحق ﷺ کی نگہ بلند اس حقیقت کو مکہ مکرمہ میں بھی دیکھ رہی تھی اور پھر مدینہ منورہ میں بھی! اس لیے مدینہ منورہ کی ریاست اسلامی گویا مکہ مکرمہ کے دارِ ارقم میں قائم شورائی جمہوریت کا تسلسل تھا لہٰذا تجاہلِ عارفانہ کا شکار نادانوں اور انجانوں کی یہ رائے حقیقت میں حاسدانہ انکار کا مظہر ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اکرم ﷺ ایک مصلح ومبلغ کی بجائے ایک حکمران نظر آئے! آپ کی حکومت تو ازل سے ابد تک قائم ہے، وہ تو روحانیت اور مادیت کا حسین امتزاج سکھانے کے لیے آئے تھے! وہ مکہ میں بھی نبی اور حکمران تھے اور پھر مدینہ منورہ میں بھی اور وہ بقول مائیکل ہارٹ دونوں جگہ اور دونوں محاذوں پر منفرد کامیابی سے سرفراز فخرِ اولین وآخرین ہیں مگر حاسدوں کو یہ حقیقت ناگوار لگتی ہے اور وہ بچگانہ ردِعمل ظاہر کرتے رہتے ہیں!

(8) رسول اللہ ﷺ کی شریعت جامعہ کاملہ ہے، جس میں دین اور دنیا کو الگ نہیں کیا جاسکتا، رسول اللہ ﷺ کی ازلی وابدی حکمرانی میں چونکہ روحانیت ومادیت یا دوسرے لفظوں میں دین اور دنیا دونوں ایک ساتھ اور بیک وقت بندۂ مومن کی میراث ہیں، اسی لیے ہمیں قرآن کریم نے جو دعا سکھلائی ہے اس میں بھی دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی مانگنے کی تلقین ہے مگر اس میں دنیا کی حسنات پہلے

حسنات بعد میں مانگی جاتی ہیں کیونکہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے بلکہ تمہید ہے، جس کی دنیا اعتدال وتوازن کے ترازو میں تل گئی اس کی آخرت بھی سنور گئی مگر جس کی دنیا ہی نہ سنور سکی وہ آخرت کو کیا سنوارے گا! مسلمان حکمران علی الاعلان اپنے دین اعتدال وتوازن کا دعویدار ہوتا ہے! اور یہ سچ بھی ہے مگر اکثر غیر مسلم حکمران زبانی کلامی تو غیر جانبدار اور سیکولر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اندر سے وہ کٹر مذہبی اور متعصب ہوتے ہیں اور دنیا کو فریب دیتے ہیں مگر ان کے اعمال ان کے دوغلے پن کا بھانڈا پھوڑ دیتے ہیں، وہ صرف مسلمان حکمران کو شرمندہ کرنے اور ان کی طرح سیکولر ہونے کی ترغیب دے رہے ہوتے ہیں چنانچہ مسلمان حکمران چونکہ منافقت وریاکاری سے کام نہیں لیتے اس لیے وہ اپنے سیکولرازم میں بھی بہت سنجیدہ ہو جاتے ہیں اور اپنے مذہبی لوگوں کو دباتے بلکہ ان کا قتل عام بھی کرتے ہیں (جیسے ترکی وایران میں ہو چکا یا مصر اور پاکستان میں ہو رہا ہے!) اس کے برعکس غیر مسلم حکمران اپنے مذہبی گروہوں کو روکنے یا دبانے کے بجائے انہیں در پردہ شہہ دیتے اور ان کی سرپرستی کرتے ہیں، چنانچہ حضرت محمد ﷺ کے ہاں آئین وقانون کی جس حکمرانی کا تصور ہے اس میں مذہب کا اعلانیہ اقرار اور پرچار بھی ہے مگر اس کے ساتھ ہی لا اکراہ اور لا تسبوا کے اصولوں کے مطابق غیر جانبداری بھی اسلام میں اصل دین ہے یعنی مسلمان حکمران از روئے ایمان اور عقیدہ غیر مسلموں کے ساتھ غیر جانبدارانہ سلوک کا پابند ہے! یہی کچھ کہا اور کیا حضرت محمد ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین نے، اسی لیے اگر سیکولرازم سے مذہب کے معاملات میں غیر جانبداری اور منصفانہ ومساویانہ سیاسی سلوک مقصود ہے تو پھر اب تک دنیا میں غیر جانبدارانہ اور نتیجہ کے طور پر سیکولر ریاست قائم ہوئی ہے تو وہ صرف مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست ہے (یا پھر مسلم ہندوستان کے مسلمان حکمران غیر جانبدار تھے مگر ہندو تھے نہ ہیں! سرکوزی صاحب کا سیکولرازم تو مسلمان عورت کے سر پہ دوپٹہ دیکھ کر بھی دھڑام سے زمین بوس ہو جاتا ہے مگر جارج بش کا اکیسویں صدی کا سیکولرازم تو منافقت اور ریاکاری ہے وہ تو عالم اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کرکے

پھر مکر گیا اور پھر اسی صلیبی جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بدلنے میں کامیاب ہو گیا مگر احمق مسلمان حکمران سامراجی شیطانوں کی ان چالوں کو بھی نہیں سمجھ پا رہا ہے!؟)

(9) مکی عہدِ حکومت میں حکمرانی کا عمل چونکہ دارِ ارقم کے اندر تک محدود تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال (جنگ) کا اعلان نہیں فرمایا تھا بلکہ صبر و استقامت اور برداشت کا حکم تھا مگر جہاد تو مکہ میں بھی فرض تھا مگر چونکہ بدقسمتی سے قتال کو ہی جہاد سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ جہاد کا مفہوم توسیع تر ہے جس میں سے ایک قتال یا مسلح جنگ بھی ہے، اس کے برعکس جہاد اور (مجاہدہ دونوں باب مفاعلہ کے مصدر ہیں) کو بھی قتال کے مترادف سمجھ کر اس کے وسیع تر مفہوم کو نظر انداز کر دیا گیا ہے (اسی لیے شاید مسلمانوں نے عملی زندگی میں جہاد ، مجاہدہ اور محنت و کوشش کو بالکل خیر باد کہہ دیا ہے؟!) لیکن مدنی عہد میں قتال کے اعلان کے بعد عملی زندگی میں مجاہدہ و محنت کو جہاد اکبر قرار دیا گیا مگر مسلمان دارِ ارقم اور صفۂ مسجد نبوی کے مصلح و معلم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ کو جانتے اور مانتے بھی نہیں ،صرف حق پرست صوفیہ صافیہ ہی ہیں جو تصوف کے عنوان سے اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔

(10) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکمِ ربانی آئین وقانون کی حکمرانی سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ مکی عہد میں آزمائش کے مرحلے سے صحابہ کرام کو گزار چکے تھے، دارِارقم کی حکمرانی کا عہد تو تربیت دینے اور ممولوں کو شاہین بنانے تک محدود تھا اور اقبال کے اس قول کی عملی ترجمانی تھی کہ:

با نشۂ درویشی درساز ودما دم زن چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

ہجرت کے بعد چونکہ ممولے تربیت و نگاہِ نبوی کی برکت سے شاہین بن چکے تھے اس لیے اب سلطنتِ جمشید پر ضرب لگانے کا وقت آ گیا تھا اس لیے اذنِ جہاد کے ساتھ ساتھ اذنِ قتال بھی مل گیا، نادان وانجان حاسد ممولوں کو شاہین بنانے کی دمادم زن کو نہیں سمجھ سکا اس لیے حسد و عناد سے چلا اٹھا کہ مکہ مکرمہ میں تو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نبی اور روحانی مصلح نظر آئے مگر اسے یہ نظر نہ آیا کہ وہ تو مدینہ منورہ میں بھی معلم و محافظ قرآن کی

حیثیت سے انسانوں کی تعمیر فرماتے رہے اور جہادِ اکبر کو جاری رکھا مگر حاسد یہودیوں نے قریش سے مل کر چین سے نہ رہنے دیا اس لیے عدل وانصاف کے بعد امن لانے کے لیے شمشیرِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بے نیام ہونا پڑا!!

تاہم یہ تلوار صرف امن کے لیے بے نیام ہوئی تھی، اگر یہود وقریش مسلمانوں کو امن سے رہنے دیتے تو بعید نہ تھا کہ رسول رحمت وشفقت اپنے سایہ میں تربیت پانے اور شاہین بننے والوں کو ایسے جہاد کے لیے تیار کرتے جو سیدِ ہجویر، خواجہ اجمیر، بختیار کعکی، فرید گنج شکر اور نظام الدین اولیاء جیسے شاہین مجاہد تیار کر کے بھی دنیا کو فتح کر لیتے اور یوں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ شفقت پوری دنیا پر تن چکا ہوتا مگر حکمتِ خداوندی اپنا کام کر رہی تھی، دین نے مکمل شکل میں سامنے آنا تھا، ''اقرأ'' کے حکم ربانی کے علمبردار معلم انسانیت کی برکت سے علم کا بول بالا ہونا تھا، انسان کے ذہن نے ترقی کر کے آسمانوں تک پہنچنا تھا جو اللہ کے فضل اور شیطانی وسوسوں اور ابلیسی خرخشوں کے باوجود چوٹی پر پہنچ چکا، انسان جاگ گیا، ضمیر زندہ ہو گئے، اب حقیقت دعوتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام عیاں ہو چکی اب پھر دارِ ارقم اور صفہ مسجد نبوی کی سنت کو زندہ رکھنے والے سید ہجویر، خواجہ اجمیر، بختیار کعکی، فرید گنج شکر اور نظام الدین اولیاء رحمہم اللہ جیسے حق پرستوں کا وقت آ گیا ہے!

(11) ہجرت کے بعد مکی عہدِ رسالت میں دارِ ارقم سے وابستہ کمیونٹی کی تعلیم وتربیت، ہدایت ورہنمائی اور قیادت وحکومت کو تسلسل سے جاری رکھنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری نوعیت کے تین اقدامات فرمائے:

(الف) مسجد نبوی کی بلا تاخیر بنیاد وتعمیر اور اس میں دارِ ارقم والی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے صفہ مسجد نبوی کی تخصیص اور تعمیر کو لازمی اور ضروری تصور فرمایا گیا، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ جس طرح دارِ ارقم کے مقاصد، سرگرمیوں اور مقام سے بے اعتنائی برتی گئی اسی طرح بلکہ کچھ زیادہ ہی صفہ مسجد نبوی کی غرض وغایت، فوائد، مقاصد اور مقام سے بھی ہم غافل

چلے آتے ہیں، لوگ اس حقیقت سے بھی ناآشنا چلے آتے ہیں کہ دارِارقم کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے اور حضرت ارقم بن ابی ارقم کی عزت افزائی اور شکریہ کے طور پر باقی تمام مہاجرین کے برعکس مدینہ منورہ کی وادیٔ عقیق میں صرف مدنی دارِارقم تعمیر کرنے کے لیے شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی قطعۂ زمین عطا فرمایا تھا، مگر کیوں؟ وہ کدھر گیا؟!

(ب) تمام مسلم کمیونٹی میں مواخاتِ مدینہ عمل میں لائی گئی بالکل ایسے ہی جیسے مکہ مکرمہ کے دارِارقم میں سابقین اولین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان عمل میں آئی تھی

(ج) پورے جزیرۂ عرب میں بالعموم اور مدینہ شریف کے قرب وجوار کے تمام قبائل کو بالخصوص دعوتِ اسلام کے ساتھ ساتھ امن اور رحمت کا پیغام دیا گیا تاکہ بدو قبائل یہود کی سازشوں کے باعث یا قریش کے اکسانے پر ریاست مدینہ کو گزند پہنچانے سے باز رہیں بیشتر پڑوسی قبائل کے ساتھ امن و دوستی کے معاہدے بھی کیے گئے۔

مگر جس معاشرے میں قبائلی منافرت و مخاصمت عام ہو اور منظم ریاست اور آرام دہ زندگی کا تصور بھی موجود نہ ہو بلکہ ان زمانوں (قرونِ وسطیٰ!) کی تمام دنیا یا تو پسماندگی وخانہ بدوشی کی زندگی کی خوگر ہو اور یا پھر مطلق العنان بادشاہوں اور شہنشاہوں نے انسانوں کی گردنیں دبوچ رکھی ہوں، ایسے وقتوں میں ایک ایسی آئینی شورائی جمہوری ریاست کا تصور دینا جو فلاحی رفاہی ریاست ہو بلکہ آج کی فلاحی جمہوری ریاستوں سے بھی بہتر ہو ایک حیران کن بات ہے مگر ایسی ریاست قائم ہو چکی! ایسی فلاحی جمہوری ریاست جہاں ہر فرد کو قیام وانصرامِ حکومت میں حصہ لینے اور آزادانہ رائے دینے کا حق ہو، جہاں ایک عام مرد اور عورت کو بھی حاکمِ وقت پر تنقید کرنے اور احتساب کرنے کا حق حاصل ہو بلاشبہ تعجب اور حیرت کی بات ہے! مگر پیغمبرِ عدل وانصاف اور امن وسلامتی نے ایسا کر دکھایا نہ صرف انہوں نے بلکہ ان کے جانشینوں کی تربیت یافتہ جماعت نے بھی آپ کے بعد اس سلسلے کو جاری رکھا!

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین (تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت ہیں) یہ

اللہ رب العزت کا فرمان ہے (89)، أنا نبی الرحمۃ (میں نبی رحمت ہوں!) یہ خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے (90) یہ دعوے ہیں ان کے دلائل اور شواہد درکار ہیں اور یہ دلائل وشواہد ملنے چاہئیں اور یہ ملتے ہیں، ان دعووں کے کچھ تقاضے ہیں جو پورے ہونے چاہئیں اور یہ تقاضے پورے ہو چکے! اس رحمت کے تقاضے یہ ہیں کہ یہ سب کے لیے ہو اور اس سے کوئی بھی محروم نہ رہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ تمام عمر، از ابتدا تا انتہا واقعی سب کیلئے بلکہ تمام مخلوق کے لیے بھی سراپا رحمت ثابت ہوئے، تمام انسانوں کے لیے، حسب ونسل اور قوم اور رنگ کے بغیر سب کے لیے رحمت تھے اور ہیں،

انسان تو انسان ہے جانور بھی اس مجسم رحمت شفقت سے محروم نہیں رہے! حتیٰ کہ نباتات وجمادات کو بھی اس رحمت سے حصہ ملا، کذب اور خیانت دو اخلاقی بیماریاں ہیں جن سے ہمیشہ کی طرح آج بھی انسانی معاشرے اذیت ناک کیفیت سے دوچار ہیں مگر رسول صادق وامین ﷺ سے کبھی بھی کسی کو یہ تکلیف اور اذیت نہیں پہنچی کیونکہ آپ تو سراپا صدق وامانت تھے اور ہیں! لوگ تو آپ کو مبارک وباعزت نام سے پکارنے کو بھی بے ادبی سمجھتے تھے، اس کے بجائے ستودہ اوصاف سے ہی آپ کو یاد کرتے تھے، سب آپ کو صادق وامین (سچا اور امانت دار) کہتے تھے (91)، بلکہ آپ کا پہلا نمایاں معجزہ ہی پاک سیرت وبلند کرداری ہے، اللہ جل شانہ نے مکہ کے لوگوں کو سب سے پہلا چیلنج یہی دیا ہے کہ تم بتاؤ تو سہی کہ میرے محبوب رسول ﷺ نے تمہارے سامنے زندگی کے چالیس سال گزارے ہیں تو کیا تمہاری عقلیں تمہارا ساتھ چھوڑ گئی ہیں؟ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اس نے تم سے تو ہمیشہ سچ ہی بولا اور ہر ایک سے امانت داری کا معاملہ کیا ہے تو کیا اب وہ چالیس سال بعد صرف میری رسالت ونبوت کا بوجھ اٹھانے کا جو اقرار فرما رہے ہیں اس میں جھوٹ اور بددیانتی ہے؟! (والعیاذ باللہ!) اس سے بڑی بے عقلی کی بات اور کیا ہوگی!؟ ارشاد ہوا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

"یقیناً میں تمہارے ساتھ ایک عمر گزار چکا ہوں؟ تو کیا تم عقل سے کام

نہیں لے سکتے (92)؟!"

رسول اکرم ﷺ نے بھی اہلِ مکہ کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا تھا: (93)

لَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ فَهَلْ وَجَدْتُمُوْنِىْ صَادِقًا اَوْ كَاذِبًا

"یعنی میں تم میں ایک طویل مدت رہا ہوں تو کیا اس دوران میں تم نے مجھے سچا پایا یا جھوٹا؟!"

اس پر اہل مکہ کا اجتماعی جواب تھا:

اِنَّا جَرَّبْنَاكَ مِرَارًا وَوَجَدْنَاكَ صَادِقًا

"یعنی ہم آپ کو بارہا آزما چکے ہیں اور ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے!!"

آپ ﷺ نے سب سے پہلے مکہ میں ظلم کے خلاف آواز اٹھائی یوں تمام عمر ہمیشہ ظلم کے خلاف شمشیر برہنہ رہے! آپ نے مظلوم کی حمایت کا اعلان فرمایا پھر ہر قدم پر مظلوموں کے لیے ڈھال بنے رہے، مکہ میں بھی! اور مدینہ میں بھی! آپ نے انسانی مساوات اور اسلامی اخوت کا علم بلند فرمایا پھر ہمیشہ وحدتِ نسلِ انسانی کی بنیاد پر تمام انسانوں کو بلا امتیاز وتفریق اولادِ آدم کے ناطے سب کو عزت کے قابل اور برابر قرار دیتے رہے اور اس پر خود بھی عمل کیا! آپ نے رنگ ونسل کے دعووں کو باطل قرار دیا پھر آخری دم تک اس کو پوری قوت سے ٹھکراتے رہے حتیٰ کہ اپنا آخری سپہ سالار لشکر بھی ایک غلام زادے کو بنایا اور کبار صحابہ کو اس کے ماتحت ادنیٰ سپاہی کے طور پر کام کرنے کا حکم دیا، آپ عدل کے ذریعہ امن قائم کرنے کے داعی تھے اور ہمیشہ ہی اس پر عمل کرتے رہے، آپ کے نزدیک سلگتی ہوئی آگ کی بدامنی پر امن کے گھونسلے نہیں بن سکتے! اگر کہیں کبھی بنے ہیں تو بتاؤ اور دکھاؤ۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بھی اذن قتال وجہاد سے پہلے ابوسفیان کی شرارتوں کو برداشت کرتے رہے مگر اصرار کے باوجود اسلام کے اولین سپہ سالار اعلیٰ شیرِ خدا اور رسول حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار کے باوجود بھی ہتھیار اٹھانے سے منع کرتے رہے، میثاقِ مدینہ پر عمل کے متفقہ اعلان کے باوجود یہود کی سازشوں، غداریوں اور بے وفائیوں

سے بہت عرصہ تک درگزر سے کام لیتے ہوئے چشم پوشی کرتے رہے، بدر واحد کی جنگوں میں ہمیشہ عدل کے اصولوں پر کاربند رہے، صلح حدیبیہ آپ کی امن پسندی کا تاریخی بلکہ تاریخ ساز ثبوت ہے جہاں آپ ﷺ نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح حاصل کی جسے قرآن کریم نے "فتح مبین" قرار دیا ہے! غالب اور فاتح اگر اپنے خون کے پیاسوں کو انتقام کی آگ بجھانے کے بجائے عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے یہ فرمادے کہ جاؤ تم پر کوئی دوش نہیں تم آزاد ہو تو کیا یہ رحمت وشفقت کا سلوک نہیں ہے؟

رسول اللہ ﷺ کی تمام زندگی، نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد، ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد قول میں اور فعل میں ہر قدم اور ہر کلمہ عدل وامن اور مساوات کے سوا کچھ نہیں!

اسلامی اخوت و مساوات اور آج کا انسان

بعثت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور نور اسلام کا ظہور انسانی تاریخ کا ایک ایسا سنگم ہے جہاں پر تاریکی اور جہالت کا دور ختم ہوتا ہے اور علم و دانش کی روشنی اور تہذیب و تمدن کی رونق کا آغاز ہوجاتا ہے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کے ابدی سرمایہء معرفت قرآن کریم کی سب سے پہلی وحی ربانی کا حرف اول ''اقرأ'' ہے جو امر کا صیغہ ہے اور تحصیل علم کو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض قرار دیتا ہے (94) یہاں سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ علم و حکمت تو انسانیت کا زیور و زینت ہے ہی مگر جہالت انسان کا سب سے بڑا دشمن اور سب سے بڑا عیب بھی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام آخرین نے انسانیت کو ایسے معاشرتی اور تمدنی اصول زندگی بھی عطا کئے ہیں جن کی پہلے نہ کوئی مثال تھی اور نہ زمانہ بعد میں ان کی کوئی نظیر لا سکا، بقول متنبی (95)

مضت الدھور فما اتین بمثلہ　　ولقد أتی فعجزن عن نظرائہ

یعنی زمانے بیت گئے مگر اس کی پہلے نہ کوئی مثال پیش کر سکے تھے اور اب وہ آ گئے ہیں تو ان کی نظیر لانے سے بھی عاجز ہیں!

اسلام کے اس بیمثال و بے نظیر معاشرہ اور تمدن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت کے قول و عمل سے ایسے عملی خطوط مہیا فرمائے ہیں جو اعلیٰ اخلاقی اقدار اور دنیا و آخرت کی متوازن زندگی کے لیے قابل عمل نمونے بھی ہیں اور اسلامی معاشرہ و تمدن کی بقا اور دوام کی ضمانت بھی ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ غار حرا سے اقرأ کی چمکنے والی علم و عدل کی روشنیوں نے انسان دشمن شیطانی تاریکیوں کو شکست دے کر بھگا دیا ہے اور اولاد آدم کیلئے دنیا کی زندگی متوازن اور بار آور بنادی ہے یہی بات قرآن کریم نے یوں بیان فرمائی ہے (96):

''آپ فرما دیجئے کہ حق آ گیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے بلاشبہ باطل کا مقدر تو شکست

کھا کر بھاگنا ہی ہے۔"

برطانوی مستشرق نکلسن نے اگرچہ یہ بات جزیرہ عرب کے حوالے سے کہی ہے مگر یہ تمام دنیا پر بھی صادق آتی ہے کہ:(97)

"with the appearence of Muhammad, the most impenetrable veil over the preceding age is suddenly lifted and we find ourselves on the solid ground of historical tradition."

اس طرح گویا اقرأ کی جاوداں روشنی ایک ایسی حد فاصل ہے جو ظلم و جہالت کے زمانوں کو علم و عدل سے الگ کر دیتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نبی العلم والعدل کی حیثیت سے جہالت کے ساتھ ظلم کو بھی ختم کر دیتے ہیں، علم اور عدل اکٹھے ہو جائیں تو ظلم اور جہالت دونوں کو بھاگنا پڑتا ہے غارِ حرا سے علم و عدل اور امن و سلامتی کا جو قافلہ حضرت محمد ﷺ کی قیادت میں روانہ ہوا تھا اس نے علم و عدل کے ساتھ ساتھ امن و سلامتی کو بھی عام کر دیا یہ قافلہ جہاں جہاں سے گزرا وہاں روشنی ہی روشنی ہے مگر جہاں گزر نہیں ہوا وہاں ابھی تک تاریکی ہی تاریکی ہے:

جہاں گذر نہ ہو سکا وہاں اندھیری رات ہے
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا!

تاہم ظلم و جہالت کی تاریکیوں کے جو شکست خوردہ مگر منحوس سائے اب بھی عالم انسانیت پر منڈلاتے دکھائی دیتے ہیں اور بظاہر انسانیت کے مقدر سے کھیلنے کے شیطانی چکر میں مصروف نظر آتے ہیں وہ بھی ڈھلتی رات کے آخری سائے ہیں جو چھٹنے اور مٹنے کو ہیں، یہ بھی آخرِ شب کی شدتِ ظلمت کی حیثیت رکھتے ہیں جو انسانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے بڑی شدت دکھاتے ہیں مگر درحقیقت یہ علم و عدل کی طلوعِ فجر کی بشارت ہوتے ہیں بظاہر اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف حسد و عناد اور بغض و نفرت کا آخری شعلہ اپنی انتہائی

بلندیوں پر ہے(98) مگر یہاں سے اوپر جانا ان حاسدین اسلام کے بس میں نہیں ہے، اب تو اسفل السافلین میں دفن ہو جانا ہی ان معاندین وحاسدین حق کا مقدر ہے(99)!!

دراصل ہوتا یہ رہا ہے کہ غارِ حرا سے پھوٹنے والی علم وعدل کی روشنی تو نظامِ قدرت کے مطابق پھیلتی ہی رہی ہے، دینِ فطرت کے انسانیت دوست ابدی اصول انسانی دنیا میں اپنی پوری قوت سے عام ہوتے اور پھیلتے رہے ہیں، یہ درست ہے کہ اسلام کے ازلی دشمن یہود اور مشرکین روز اول سے ہی اسلام اور اہلِ اسلام کے در پے ہیں، سامراجیوں نے بھی صدیوں سے عالم اسلام کو نرغے میں لینے کے لیے اپنے استحصال اور استعمار کے جال پھیلا رکھے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو ہر قسم کی مار دیکر عقل وہوش سے بھی محروم کر رکھا ہے اور اسلام کا جھنڈا بلند کر کے خدمتِ انسانیت سے انہیں روکنے میں سب ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں مگر اسلام اور اہلِ اسلام کے یہ ازلی دشمن شاید یہ نہیں جانتے کہ غارِ حراء سے پھوٹنے والی اور حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں مکمل طور پر بلندیوں کو چھونے والی مصطفوی روشنی تو اپنا کام کر رہی ہے بلکہ کر چکی ہے، انسان تو بیدار ہو چکا ہے، یہ بیدار انسان اب روشن ضمیر بھی بن چکا ہے، اب تو اس بیدار اور روشن ضمیر انسان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہی ہے اور نہ اس سے کچھ پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے اسلام کے ازلی دشمنوں کی حاسدانہ روش اور معاندانہ سرگرمیوں میں جتنی شدت آتی ہے اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ اسلام کا بول بالا ہوتا رہتا ہے!

توحیدِ ربانی اور وحدتِ نسلِ انسانی

یہ بات بھی اپنی جگہ بے حد اہم اور انتہائی توجہ سے سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ علم وعدل اور امن وسلامتی کی علمبردار رسالت مصطفوی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، نے ہی اس بیدار اور روشن ضمیر انسان کو احترامِ آدمیت اور حقوقِ انسانیت سے آگاہ کیا تھا، آج اقوامِ متحدہ سمیت انسانی احترام وحقوق کے لیے قائم ہونے والی بے شمار تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں جو انسانیت دوستی اور حقوق واحترام آدمیت کا علم تھامے ہوئے ہیں، مگر یہ سب کچھ عطا ہے

شریعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور یہی شریعت دراصل تسلسل و تکمیل ہے اللہ جل شانہ کی اس شریعت عدل و سلامتی کی جو تمام انبیائے کرام کو عطا ہوتی رہی، چونکہ اللہ ایک ہے اور وہ وحدہ لاشریک بھی ہے اور اسی نے اس آدم خاکی اور ان کی اولاد کو بھی پیدا فرما کر سب کو احترام و تکریم کا یکساں شرف بخشا ہے اس لیے توحید ربانی اور وحدتِ نسلِ انسانی پر ایمان کے تقاضے کے مطابق تمام انسان مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال سے مزین و متصف ہونے کے مستحق ہیں، انسان کا یہ مرتبہ اور اس کے یہ حقوق پہلے کسی نے کبھی مانے تو کجا ان کا ذکر تک بھی نہیں سنا تھا، یہ امتیاز صرف اور صرف رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہے، ظہورِ اسلام سے پہلے کی دنیا حقوق و احترام کی ان باتوں سے قطعی نا آشنا تھی مگر آج انسان دوست تمام عالمی تنظیمیں ان کے لیے سرگرم عمل ہیں، اس کا تمام کریڈٹ بالواسطہ طور پر ہی سہی رسالت و شریعت مصطفوی کو جاتا ہے، غارِ حرا سے طلوع ہونے والی شریعت ایک ایسی زوردار تحریک ہے جس کے مدوجزر کی کوئی حد نہیں، اس انسانیت دوست تحریک نے دنیائے انسانیت کو جھنجوڑ کر جس راہ راست پر ڈالا تھا دنیا خواہی نخواہی اسی راہ پر رواں دواں ہے دنیا کا بیدار مغز اور روشن ضمیر انسان اسی راہ پر چل رہا ہے، ان اصولوں کو بلا تردد اور بے چون چرا مانتا رہا ہے اور مانتا جا رہا ہے مگر آج تک نہ تو کوئی اس تلاطم خیز تحریکِ غارِ حراء کا زور توڑ سکا ہے اور نہ اس کا راستہ روک سکا ہے، یہ اپنے مسلسل مدوجزر کے ساتھ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھ رہی ہے، اسلام کے ان بدخواہوں اور ازلی دشمنوں کو بھی آخر کار اسلام کے ان ابدی و فطرتی اصولوں کے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا اسے کسی اور سہارے کی ضرورت بھی نہیں حتی کہ مسلمانوں کے سہارے کی ضرورت بھی نہیں! قد تبین الرشد من الغی (ہدایت اور گمراہی کھل کر واضح ہو چکی (100)) کے قرآنی حکم کے مطابق راہ حق نمایاں طور پر راہ باطل سے دنیا والوں کے لیے واضح ہو گئی ہے! اس کے غلبہ اور نفاذ کا ضامن خود قادر مطلق ہے جس نے نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ (قرآن ہم نے ہی نازل کیا ہے (101)) اور لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (کہ اس نے ہی اس دین حق کے انسانیت

دوست اور سرمدی اصولوں کو غالب اور نافذ کرنا ہے(102)) کا اعلان فرما رکھا ہے!! حق حق ہے یہ نہ کبھی مرتا ہے نہ دبتا ہے! آخری غلبہ اور سرخ روئی صرف حق کا مقدر ہے!!

رسالت و شریعت مصطفوی کی انسانیت دوست امتیازی خوبیوں اور خصائص میں سے اخوت و مساوات بھی ہے، علم و عدل اور امن و سلامتی کی شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام برادری اور برابری یا آپس میں بھائی بھائی اور برابر ہونے کا بھی علمبردار ہے، یہ اخوت و برادری اور یہ مساوات و برابری دراصل قدرتی نتیجہ ہے اس

ایمان اور عقیدہ کا کہ سب انسانوں کا خالق، مالک اور رازق ایک اللہ رب العزت ہے جو وحدہ لاشریک ہے اور یہ کہ تمام انسان ایک ہی باپ یعنی آدم کی اولاد ہیں، اسے عقیدہ توحید ربانی اور تصورِ وحدت نسل انسانی کہتے ہیں اور اس کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا موجود ہے جیسے سورت نساء کے شروع میں فرمایا گیا(103):

''اور اے انسانو! اپنے پروردگار وحدہ لاشریک سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک ہی ہستی آدم سے پیدا کیا اور پھر اس ہستی سے اس کا جوڑ (زوج) اور ساتھی پیدا کیا پھر اسی ایک جوڑے-آدم اور حواء- سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کر دیں جو روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں!''

اگر سب انسان-مرد اور عورتیں- ایک ہی خدا کی مخلوق اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں تو پھر یہ آپس میں برابر بھی ہیں اور بھائی بھائی بھی، یہاں سے اس اسلامی اخوت و برادری کا وہ وسیع تر دائرہ شروع ہوتا ہے جسے عالمی برادری یا انسانی اخوت کہا گیا ہے۔

معیار فضیلت و عزت

برادری یا اخوت کے اس وسیع تر دائرہ میں تمام انسان شامل ہیں اور یہاں رنگ و نسل اور حسب و نسب یا عقیدہ و مذہب کی بھی کوئی قید نہیں دنیا کے تمام انسان اس برادری کا حصہ ہیں، گورا، کالا، امیر، غریب، آقا، غلام، یہاں حسب و نسب کے امتیاز کے کوئی معنی نہیں، یہ جو خاندانی، قبائلی اور قومی تقسیم ہے یہ تو صرف جان پہچان کی غرض سے ہے، (104) ہاں

فضیلت و برتری یا میرٹ (Merit) کا ایک معیار ضرور ہے اور وہ ہے صرف عمل کیونکہ بقول اقبال (105):

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اور قرآن کریم اس عملی کردار یا فضیلت (Merit) کو تقویٰ کی ایک وسیع اور جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے اس تقویٰ یا متقی ہونے سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کی مخلوق کے حقوق صحیح صحیح اور پورے پورے ادا کرنا، تو سب سے افضل انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کے ساتھ ساتھ اس کی مخلوق کی خدمت اور حقوق کی ادائیگی میں بھی سب سے آگے ہوتا ہے! اس موضوع کے حوالے سے بھی قرآن کریم تمام انسانوں سے مخاطب ہوتا ہے نہ کہ صرف مسلمانوں سے (106):

"اے انسانو! ہم نے تم سب کو، ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں قبائل اور اقوام میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو ورنہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز و محترم تو وہ ہے جو سب سے بڑا متقی ہے، اللہ تعالیٰ تو سب کے متعلق علم اور خبر رکھتا ہے (یعنی اسے متقی اور غیر متقی کا بھی بخوبی علم ہے اور وہ سب سے بڑے متقی کی بھی خبر رکھتا ہے)۔"

یوں اسلام کی رو سے تمام کے تمام انسان کسی رنگ و نسل یا مذہب و عقیدہ کے امتیاز کے بغیر یکساں محترم ہیں، ہر فرد انسانی اللہ وحدہ لاشریک کا بندہ ہونے اور آدم خاکی کا فرزند ہونے کے ناطے برادری کے اس وسیع دائرہ میں شامل ہے، گورا کالا، عربی عجمی اور مسلم غیر مسلم سب کے سب اولادِ آدم ہونے کی وجہ سے محترم ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے: (107)

"ہم نے تو تمام اولادِ آدم کو عزت و احترام کا مستحق ٹھہرایا ہے، دنیائے بحر و بر کی سواریاں اور سفری سہولتیں سب کو یکساں دی ہیں، سب کو پاکیزہ

رزق کا حقدار بنایا ہے اور اپنی بہت سی مخلوق پر اس اولاد آدم کو برتری اور ترجیح کا مستحق ٹھہرایا ہے۔''

انسانیت کے اسی امتیاز کو شاعرِ مشرق ''احترامِ آدمیت'' کا نام دیتے ہیں اور جو اس احترام و تکریم کا قائل نہیں وہ تو انسان ہی نہیں بلکہ آدمیت کے دائرے سے ہی خارج ہے:

آدمیت احترامِ آدمی   باخبر شو از مقامِ آدمی

اور بلبلِ شیراز حضرت سعدی تو تمام انسانیت کو ایک جسم اور افرادِ انسانیت کو اس جسم کے اعضاء قرار دیتے ہیں، جس طرح جسم کے کسی عضو کا درد تمام جسم کو سہنا پڑتا ہے اسی طرح ہر فرد بشر کا دکھ درد بھی تمام انسانیت کو محسوس ہونا چاہئے اور جو محسوس نہیں کرتا وہ بندہ کا بچہ ہی نہیں:(108)

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند   کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار   دگر عضو ہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی   نشاید کہ نامت نہند آدمی!

شیخ سعدی بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اولادِ آدم کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کے بہت سے حصے ہوتے ہیں، اگر کسی حصہ کو درد ہو تو جسم کے کسی حصے کو بھی چین نہیں آتا، اس لیے اگر کوئی کسی دوسرے کے درد اور آزمائش پر دردمند نہیں ہوتا تو اسے آدمی کہنا بھی مناسب نہیں!

حقوقِ انسانی کی ضمانت

انسانی حقوق کے علمبردار توکل کی پیداوار ہیں، قرآن کریم اور حاملِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ حقوق تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہر انسان کو عطا فرما دیئے تھے، اسلام میں دیئے گئے انسانی حقوق کی فہرست بڑی جامع اور طویل ہے مگر انسانیت کے دو حق ایسے ہیں کہ اگر وہ مل جائیں تو گویا انسان کو تقریباً سب کچھ مل گیا، ان میں سے

ایک تو یہ ہے کہ ہر انسان کی آزادی کا صرف احترام ہی نہیں بلکہ اس آزادی کی ضمانت اور گارنٹی بھی درکار ہے اور دوسرا حق یہ ہے کہ انسانیت کو بھوک یا افلاس و غربت سے نجات

دلائی جائے بلکہ اس نجات کی بھی ضمانت دی جائے، قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ نے دو بڑے کام انسان کے ذمہ لگائے تھے(109)، ایک یہ کہ ہر فرد دوسرے فرد کی آزادی کا ضامن اور ذمہ دار ہے، اسی طرح ہر فرد بشر اپنے بھائی انسان کی بھوک اور افلاس دور کرنے کی ذمہ داری بھی لے، گویا ہم میں سے ہر فرد دوسروں کی آزادی کا ضامن اور ذمہ دار ہے، اسی طرح ہر فرد دوسروں کی آزادی کا محافظ اور دوسروں کی بھوک مٹانے کی ذمہ داری بھی لے، یہی تو وہ اسلامی اقدار ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے رسالت و شریعت مصطفوی کی اصل غرض و غایت بیان کرتے ہوئے شاعر مشرق نے فرمایا تھا:(110)

کس نہ باشد در جہاں محتاج کس نکتۂ شرع مبیں این است و بس

اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ ہر فرد نے دوسرے انسانوں کی آزادی کا محافظ اور ضامن بنتا ہے اور ہر ایک نے دوسرے کی بھوک پہلے مٹانا ہے اور اپنی بعد میں گویا اپنے منہ کا لقمہ بھی اپنے بھائی کے منہ میں ڈالنا ہے، نہ تو دوسروں کو غلام بنانا ہے اور نہ ان کے منہ کا لقمہ چھیننا ہے! مگر افسوس صد افسوس کہ آج کے استحصالی و سامراجی گورے اور کالے دوسروں کے منہ سے نوالے چھین رہے ہیں، ایشیا اور افریقہ کے انسانوں کو غلام بنانے کے جتن کر رہے ہیں! غربت و افلاس ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہے، کسی زمانے میں افراد کو غلام بنایا جاتا تھا مگر آج کا ظالم اور حریص سامراجی انسان اقوام ہی کو نہیں بر اعظموں کو غلام بنانے پر کمر بستہ ہے!!

قرآن کریم کی سورت بلد کا مفہوم یہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدسات - مکہ مکرمہ - اور اس جگہ کی جہاں اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک ﷺ فروکش تھے - حق تعالیٰ نے تاکید مضمون کے لیے ان مقدسات کی قسم کھائی اور پھر ان انعامات خاصہ کا تذکرہ فرمایا جو اس نے حضرت انسان پر ارزانی فرمائے ہیں اسے احسن تقویم (بہترین سانچے) میں ڈھال کر خوبصورت بنایا، شکل و صورت اور نور بصیرت کی نعمت عطا فرمائی پھر احسن تقویم میں ڈھلے ہوئے اس اشرف المخلوقات

فرزند آدم سے اللہ تعالیٰ نے دو مشکل ترین اور بہت بڑی ذمہ داری کے کام لینا چاہے تھے، ان میں سے پہلا کام انسانوں کو آزادی سے ہمکنار کرنا ہے اور دوسرا کام انسانیت کو بھوک اور افلاس سے نجات دلانا تھا مگر خالق کائنات اور مالک الملک کو اس ناشکرے انسان سے گلہ یہ ہے کہ اس نے ان دونوں کاموں کو انجام دینے میں کوتاہی کی بلکہ کنی کترا کر اور پہلوتہی کر کے ایک طرف بچ نکلا ہے، ارشاد ربانی یوں ہے کہ (111):

"اور ہم نے (احسن تقویم میں ڈھلنے والے خوش بدن اور خوبصورت) انسان کو دو مشکل ترین (Up-hill.task) کام بتادیئے تھے مگر وہ اس مشکل ترین کام کی ذمہ داری لینے کے لیے آمادہ نہ ہو پایا، بھلا تجھے معلوم ہے کی وہ مشکل ترین کام کی ذمہ داری تھی کیا؟! یہی کہ غلامی میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد کرانا اور بھوک سے بلکتے ہوئے انسانوں کی بھوک مٹانا، یہ بھوک سے بلکنے والے خواہ بے سہارا یتیم ہوں یا خاک سے پیوند بیچارے مسکین ہوں!"

کتاب اللہ نے یہاں بھی مسلم غلام اور غیر مسلم غلام، یا مسلمان مفلس یا غیر مسلم محتاج کی تفریق نہیں فرمائی، اسی طرح یتیم و مسکین کی تفریق بھی نہیں۔ تاہم اصولی طور پر مسلمان غلام اور مسلمان یتیم و مسکین غیر مسلموں پر مقدم ہونگے، اگر مسلمان دستیاب نہ ہو تب غیر مسلم کی باری آئے گی۔

انسان پرور و انسانیت دوست معاشرہ

وحدت نسلِ انسانی کا قرآنی تصور خدمت خلق اور احترامِ آدمیت کے دائرہ میں وسعت کو مستلزم ہے، یہاں سے تحمل اور بردباری کے ساتھ رواداری اور اولادِ آدم سے حسنِ سلوک کا سبق بھی ملتا ہے اور اسلامی معاشرہ ایک انسان دوست اور انسان پرور معاشرہ بن کر ابھرتا ہے دنیا کے سب سے پہلے تحریری دستورِ مملکت یعنی "میثاقِ مدینہ" (The

(Charter of Madina) میں تمام غیر مسلم شہریوں کو برابر کے حقوق دیئے گئے جن میں یہودی اور عیسائی اہلِ کتاب بھی تھے اور دیگر غیر مسلم گروہ بھی شامل تھے(112)، سب کو مذہب وعقیدہ کی آزادی بھی دی گئی، دنیا کے نام نہاد سیکولرسٹ تو بہت بعد میں آئے جو آج اس نام نہاد متمدن اور ترقی یافتہ دنیا میں بھی مسلمان طالبات ومعلمات کے سروں پر ڈوپٹے اور سکارف کو بھی برداشت کرنے کے روادار نہیں، اگر کوئی مسلمان عورت اپنا سر ڈھانپ لے یا برقعہ پہن لے تو ان کا سیکولرازم زلزلوں کی زد میں آجاتا ہے(کیونکہ اندر سے وہ اندھے متعصب مذہبی لوگ ہیں) اگر سیکولرازم غیر جانبداری اور کسی کے مذہب میں عدم مداخلت کا نام ہے تو پھر اسلام سے بہتر کوئی دستورِ حیات نہیں اور مسلمان سے بڑھ کر کوئی سیکولر انسان نہیں ہوتا مدینہ منورہ کی اولین اسلامی ریاست سے بڑھ کر رواداری کی علمبردار کوئی ریاست دنیا میں کہیں دیکھنے میں نہیں آئی اسلام اور اہلِ اسلام پر یہ سب سے بڑی تہمت ہے کہ وہ تحمل اور رواداری کے قائل نہیں کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں تو بس غیر مسلموں کو قرآن یا تلوار میں سے کسی ایک کے سوا اور کوئی اختیار نہیں دیا جاتا حالانکہ خود قرآن کریم اور تاریخ(113) اس دعوے کو جھٹلاتے ہیں، مسلمان تو از روئے قرآن مذہبی آزادی دینے اور کسی کے عقیدہ میں مداخلت نہ کرنے کے پابند ہیں، ارشاد ربانی ہے:(114)

> ”دین وعقیدہ کے سلسلے میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں، اس لیے کہ رشد و ہدایت تو ضلالت وگمراہی سے واضح طور پر الگ ہو چکی ہے۔“

شرک اگرچہ اکبرالکبائر (سب سے بڑا گناہ کبیرہ) ہے جسے معاف نہ کرنے کا اعلانِ ربانی قرآن میں موجود ہے مگر اس کے باوجود مشرکوں اور بت پرستوں کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے بھی سختی سے منع کر دیا گیا ہے:(115)

> ”جو لوگ اللہ کے بجائے اور معبودوں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو اور ان کو برا مت کہو، کہیں ایسے نہ ہو کہ وہ از راہ عداوت اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کو برا کہنے لگ جائیں!“

اپنے عہدِ خلافت میں حکم قرآنی اور سنت کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق ﷛ اپنے ہر سپہ سالار کو جو آخری نصیحت کرتے تھے اس میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ اپنے عبادت خانوں میں مصروفِ عبادت لوگوں سے تعرض نہ کرنے کا بھی حکم ہوتا تھا، دوسرے لفظوں میں مذہب وعقیدہ میں عدم مداخلت کا حکم ہوتا تھا(116)،تاریخ میں اس سے پہلے یا اس کے بعد کوئی حکمران اپنی افواج کو یہ نصیحت کرتا اور حکم دیتا دکھائی نہیں دیتا!

دراصل کہنا یہ ہے کہ وحدت نسل انسانی سے پھوٹنے والے تصور ''انسانی برادری'' کے سکون واطمینان کے لیے مذہب وعقیدہ میں عدم مداخلت قرآنِ کریم کا واضح حکم ہمارے سامنے ہے،علم وعدل اور امن وسلامتی دوسرے لفظوں میں پرامن معاشرتی زندگی کا قرآنی وعدہ ہے،آج کے انسان کو یہی کچھ درکار ہے اور اسی کے لیے وہ ترس گیا ہے وحدتِ نسلِ انسانی کی بنیاد پر جس عالمی برادری کے وسیع تر دائرہ اخوت انسانی کی دعوت دی گئی ہے وہ آج کے انسان کی ضرورت ہے،اقوامِ متحدہ سمیت جو بین الاقوامی فورم اور ادارے انسانی حقوق کے لیے کام کرنے لگے ہیں یہ بالواسطہ طور پر اسی دعوت حق کا نتیجہ ہے،قرآنی آیات اور میدانِ عرفات میں حجۃ الوداع میں حقوقِ انسانی کے مصطفوی منشور کا اعلان فرما دیا گیا تھا،معلوم تاریخِ انسانی کے سب سے بڑے دینی اجتماع میں یہ سب سے بڑا اعلان ہوا تھا۔

انسانی برادری (اخوتِ آدمیت یعنی اولادِ آدم ہونے کے ناطے سے تمام انسانوں کے بھائی بھائی ہونے) کی بات ہو یا وحدت نسل انسانی کا قرآنی تصور ہو،مقصود اس سے یہ ہے کہ ہر فردِ بشر محترم ہے،اس کی عزت نفس اور عقیدہ وعمل کی آزادی کے علاوہ دیگر انسانی حقوق کا تحفظ واحترام اسلام کا پیغام اور اہلِ اسلام کا کام ہے،غیر مسلم افرادِ بشریت اس اصول کو مانیں یا نہ مانیں مگر مسلمان کا تو یہی عقیدہ ہے جو قرآنی نصوص اور سنت سے ثابت ہے اس لیے مسلمان وحدتِ نسلِ انسانی کے تصور کو مانتے ہیں اور سب انسانوں کا احترام کرتے ہیں کیونکہ انسانی برادری یا اخوت انسانی ایک وسیع دائرہ ہے۔

عالمگیر اسلامی انسانی اخوت

لیکن اخوت کا دوسرا عالمگیر دائرہ اسلامی اخوت کا دائرہ ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلام کا امتیازی شعار ہے بلکہ اسلامی معاشرہ کی ان بلند اقدار میں سے ہے جن پر یہ معاشرہ قائم ہوتا ہے اور جو اس کے ثبات ودوام کی بھی ضمانت ہیں، تاہم اخوت کے اس دائرہ کی توضیح و تعیین سے پہلے اس حقیقت سے بھی آگاہ ہونا ضروری ہے کہ اسلامی اخوت ومساوات روحانی وایمانی رشتہ ہے جس کا ہجرت فی سبیل اللہ سے گہرا ربط ہے!

ہجرت واخوت اسلامی

ہجرت فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور دین حق کی خاطر اپنا سب کچھ ترک کرنے کے لیے تیار ہو جانا) اور اخوت فی اللہ (اللہ کی راہ میں بھائی بھائی بن جانا) اور اخوت فی الدین (ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر باہم بھائی بھائی ہونا) اسلام کی اہم ترین اقدار اور شعارات میں سے ہیں اور ان سب کا آپس میں گہرا ربط اور تعلق ہے، یہ سب شعار واقدار اسلام کے ابتدائی مراحل سے تعلق رکھتی ہیں، یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہجرت و اخوت ایک دوسرے کی ضرورت اور باہم لازم وملزوم ہیں، اہلِ مکہ کی اذیت رسانی اور مسلمانوں کو اپنے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے مظالم وچیرہ دستیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو ایمان بچانے کے لیے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم واذن مل گیا، پہلے ہجرتِ حبشہ پیش آئی اور بعد میں ہجرت مدینہ کا مرحلہ آیا، اس کے ساتھ ہی کفار مکہ نے جب مسلمانوں کا مقاطعہ یا بائیکاٹ کیا اور وہ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تو (گویا قریش مکہ نے ہی رشتہ ونسب کی اخوت اور برادری کو ٹھکرا دیا تھا) اس طرح نسبی وخاندانی قرابت واخوت ناکام ہوگئی! ہجرت اور مقاطعہ دو ایسے معاملات تھے جن کے نتیجہ اور جواب میں اخوت اسلامی کے روحانی رشتہ اور اسلامی برادری کو ایک منفرد جماعت اور بے حد مضبوط قوت بنا دیا گیا۔

امام ابوالقاسم سہیلی اندلسی (۱۹۷) کی اس رائے اور استنباط سے اتفاق کرنا پڑتا ہے

کہ کفارِ قریش کی اذیت رسانی و مقاطعہ اور ہجرت فی سبیل اللہ کے حکم کے باعث مسلم کمیونٹی ایک گونہ وحشت، تنہائی اور علیحدگی کے باعث غمگین و پریشان ہوگئی تھی چنانچہ اس وحشت و اجنبیت کی فضا کو ختم کرنے کے لیے مربی دارارقم وصفہ مسجد نبوی حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو باہمی بھائی چارہ اور برادری کے رشتہ میں منسلک کر دیا تا کہ ان کی اجنبیت اپنائیت میں بدل جائے!

ہجرت فی سبیل اللہ اپنے وسیع تر قرآنی مفہوم کے لحاظ سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے برائی سے کنارہ کش ہونا ہے، برے لوگوں کی صحبت سے قطع تعلق کرنا، نسلی اور نسبی رشتوں اور زمینی روابط کو ختم کر دینا، پھر اگر عقیدہ وایمان بچانا مشکل ہو جائے تو اپنا گھر بار عزیز و اقارب اور سرزمین وطن تک کو خیر باد کہنے کے لیے تیار ہونا پڑتا ہے، اسی طرح رحم ونسب کے خونی رشتے، خاندان وقبیلہ اور قوم و وطن کے پیوند زمین کرنے والے تعلقات کی آلائشوں کو ایک طرف پھینک کر صرف ایمانی اور روحانی رشتے میں منسلک ہو جانا ''اخوت فی اللہ (اللہ کے لیے بھائی چارہ) کہلاتا ہے!

ہجرت ومواخات دو اسلامی شعار بھی ہیں اور معاشرتی اقدار بھی، اسی طرح یہ دونوں ایسے تجربات بھی ہیں اور کفار قریش کے موذیانہ تشدد اور وحشیانہ چیرہ دستیوں کا نتیجہ ورد عمل بھی ہیں، مکی عہد نبوی کا بہترین انعام ربانی اور ثمر شیریں یہ دونوں شعار واقدار- ہجرت اور مواخات- ہیں، سیرتِ پاک کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ تئیس سالہ عہد نبوی اور اس کے دوران میں پیش آمدہ واقعات وحوادث حکمت وتدبیر خداوندی کا مظہر ہیں، یہ تئیس سالہ عرصہ امت مسلمہ کیلئے ایک اسوہ حسنہ بھی ہے اور ھدایت کا قیمتی سرمایہ بھی، اس مدت میں تدریجا وہ سب کچھ پیش آگیا جس سے صدیوں کی انسانی ضرورتوں اور مسائل کے حل کا سامان ہوگیا۔ اگر مسلمان سیرت کے صرف دس سالہ مدنی دور تک محدود رہنے کی بجائے سیرت طیبہ کو بحیثیت مجموعی اپنے لیے اسوہ حسنہ اور سرچشمہ ہدایت بنائیں تو ان کے تمام زمانوں- ضعف اور پسماندگی کے زمانے اور قوت وغلبہ کے زمانے- کے ہر مسئلے اور مشکل کا حل سیرت

پاک میں موجود ہے، شریعت اسلامی میں تدریج کی جو حکمت وتدبیر خداوندی کارفرما رہی ہے اس کا حاصل اور مقصودِ اصلی بھی یہی ہے! اس تیئس سالہ عہدِ نبوی اور اس عرصہ -مکی اور مدنی- کے دوران میں واقعات وحوادث اور اقوال وافعال سنت کی شکل میں وہ سب کچھ سامنے آ گیا جو ہزاروں سال پر محیط انسانی زندگی میں سامنے آ سکتا ہے یا آنے والا ہے۔

ہجرت ومواخات کے مشروع ہونے اور روبہ عمل آنے میں حکمت ربانی یہ نظر آتی ہے کہ ہجرت فی سبیل اللہ کی کٹھن راہوں میں آگے بڑھنے سے پہلے ان اللہ والے کلمہ گو حق پرستوں کو ایک لازوال رشتہ اخوت میں پرو دیا جائے اور ایک ایسی روش کو دل کی تمام گہرائیوں سے اپنانے اور قبول کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا پابند بنا دیا جائے جو آنے والے زمانوں میں اہلِ ایمان کے لیے توشۂ راہ ثابت ہوں، چنانچہ ہجرت حبشہ اور پھر ہجرتِ مدینہ سے قبل -اور بعد میں بھی تکرار اور تاکید کے ساتھ- نہ صرف اخوت پر عمل کرنے کے تاکیدی احکام بھی دیئے جائیں بلکہ اس کی عملی تربیت اور تجدید کا سامان بھی کر دیا جائے، ایک ایسا عمل اور ایک ایسی تربیت جو تمام اہلِ ایمان -مرد وزن، امیر و غریب، آقا وغلام، چھوٹے اور بڑے- کو ہر قسم کی اونچ نیچ کو مسترد کر کے باہم شیر وشکر، یکساں اور برابر ہونے پر یقین میں پختہ کر دیا جائے تاکہ اللہ ورسول پر ایمان رکھنے والی یہ جماعت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے جس پر افتراق ومخاصمت کے سائے بھی نہ پڑ سکیں! زندگی کی ہر کٹھن راہ اور آزمائش کی ہر گھڑی میں اپنائیت اور یکسانیت اور اتحاد و اتفاق کی فضا میں یہ جماعت ہمیشہ ٹھوس چٹانوں سے بھی زیادہ مضبوط اور وقت کی تمام بے رحم طوفانوں سے بھی زیادہ طاقتور زوردار اور سرگرم بن جائے! جو لوگ ایک عظیم تر اور مقدس تر مقصد کی خاطر میدانِ عمل میں کود رہے ہیں اور جنہیں قدم قدم پر شیطانی قوتوں اور ازلی دشمنوں نے آزمانا ہو گا، یہ لوگ اخوت ومساوات کے طفیل باہمی انسیت، عجز وتواضع اور حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کے خوگر ہوں، دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دینے والے ہوں اور اپنے سب کچھ کو اپنے بہن بھائی پر نچھاور کرنے کے لیے تیار ہوں! ہجرت کے ساتھ ساتھ

اخوت کو بھی عقیدہ و ایمان کا حصہ بنا دیا جائے اور یوں یہ اللہ و رسول کے متوالے اور جیالے ہر وقت اور ہر جگہ ایک متحدہ قوت بنے رہیں اور ہر قدم اور ہر منزل پر کامیابی اور کامرانی ان کا مقدر بن جائے! اس دعوے پر سب سے بڑی اور اطمینان بخش دلیل مہاجرین حبشہ کا باہمی اتفاق و اتحاد اور پھر ہجرتِ مدینہ کے بعد مہاجرین و انصار کی محیر العقول باہمی اپنائیت اور بے مثال تعاون ہے! حبشہ و یثرب میں جس ایثار و تعاون، اتحاد و اتفاق اور جذبہ محبت اور حسن سلوک کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا اور جو اولین اہلِ ایمان کا شیوہ (118) تھا اس کی مثال زمانہ کہاں سے لائے گا اور امتِ مسلمہ کی آنے والی نسلوں کو جس قدر اس عہد مبارک کی مواخات و مساوات نے متاثر کیا، کر رہی ہے اور کرتی جائے گی، ان شاء اللہ۔ اس کا جواب دنیا کے پاس کہاں ہے!

یوں گویا اخوت اور مساوات دین اسلام کی اہم معاشرتی اقدار اور شعارات ہیں اور ان پر عمل ہجرت فی سبیل اللہ کی ضرورت اور تقاضا ہے، ہجرت فی سبیل اللہ بھی اسلامی شعار ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر ہر قسم کے دنیاوی تعلقات چھوڑ دینا، یہ تعلقات خواہ موروثی عادات و اطوار کی شکل میں ہوں، گھر بار یا وطن کے حوالے سے ہوں یا عزیز و اقارب کی صورت میں ہوں، ایسے تمام تعلقات کو صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے احکام کی تعمیل میں توڑ دینا یا ترک کر دینا ہجرت فی سبیل اللہ کی عملی صورت ہے، اسی طرح اخوت و مساوات فی الدین بھی ایک ایسا ہی تعلق ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اور اس کے دین حق کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، ہجرت اور اخوت کے اسی ربط و تعلق کے باعث اسلام کے ابتدائی مراحل میں ہی ان کا عملی نفاذ ہو گیا تھا، ہجرت حبشہ اور پھر ہجرت یثرب یا ہجرت مدینہ منورہ کے حکم سے پہلے ہی رشتہ مواخات یا اخوت اسلامی کو بھی عملی صورت میں نافذ کر دیا گیا تھا اور اس کی وجہ۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ یہ تھی کہ ہجرت ایک نہایت کٹھن اور بے حد بوجھل قدم ہوتا ہے اور اس کٹھن اور مشکل سفر میں جو وحشت و تنہائی دلوں کو مرجھا دینے اور عزائم کو کمزور کرنے کا باعث ہو سکتی ہے، اسے مواخات کے رشتہ

مقدس اور مساوات کے پختہ سہارے سے دور کیا جا سکتا ہے!

مادیت پرستی و خود غرضی

بعثت نبوی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اور نورِ اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے کی دنیائے انسانیت کی حالت و کیفیت وہی تھی جو آج حضرتِ انسان نے اپنے اوپر طاری کر لی ہوئی ہے، اس وقت بھی انسان خود غرضی، خود پرستی اور خود نمائی کے مرض میں مبتلا تھا اور آج بھی ہے، مگر اس وقت تک انسانیت کو اخوت و مساوات یا بھائی چارہ اور برابری کا پیغام نہیں ملا تھا اور آج بھی مفاد پرستوں نے ان اسلامی اقدار و شعائر پر پردہ ڈال رکھا ہے، آج کا انسان بھی بحیثیت مجموعی اپنی خود غرضی، خود پرستی اور خود نمائی کے علاج سے غافل ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جاہل، پسماندہ اور دشمنانِ اسلام کی ستمگری کا شکار مسلمان بھی اس حقیقت کو تقریباً بھول چکا ہے یا یہ حقیقت اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہے، دراصل آج کا مسلمان اغیار کی ستمگری اور اپنوں کی دغابازی کے باعث دو وقت کی روٹی اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے ہی فکر مند رہتا ہے!

> ہماری آج کی یہ ترقی یافتہ دنیا جو خود کو نام نہاد روشن خیالی سے بھی مزین گردانتی ہے مگر دکھ درد میں مبتلا اور اندھیروں میں ڈوبی ہوئی بھی ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی نے انسان کو واقعی کہیں سے کہیں پہنچا تو دیا ہے اور یہ ترقی کا محیر العقول اور رنگا رنگ ڈراما مسلسل جاری ہے، تاہم آج کا انسان عجب اضطراب، بے چینی اور بے آرامی سے دو چار ہے، یوں لگتا ہے کہ سب کچھ پانے کے باوجود بھی آج کے انسان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، وہ اپنی اس ترقی یافتہ سجی سجائی دنیا میں بھی دل برداشتہ اور مایوس ہے، آبادی کے اس بڑھتے ہوئے ہجوم میں بھی وہ خود کو اجنبی، بیگانہ اور تنہا سا محسوس کرتا ہے، اطمینان اور سکون سے ہر فرد بشر محروم دکھائی دیتا ہے، یہ انسان کی المناک بدنصیبی کی انتہا ہے! سب کچھ

پاس ہوتے ہوئے بھی کچھ پاس نہیں لگتا مگر روحانیت سے بیگانہ اور مادیت کے پجاری انسان کو اپنے لنگڑے پن کا احساس ہی نہیں، وہ یہ جانتا ہے نہ مانتا ہے کہ برادری اور برابری دوسرے لفظوں میں اخوت ومساوات بھی کوئی چیز ہے، وہ اپنی خود غرضی، خود پرستی اور خودنمائی کے گھوڑوں پر سوار لالچ کے شیطانی شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے اور سود خوری کے سرمایہ نے اسے پاگل بنا ڈالا ہے، یہ ترقی یافتہ مادی انسان دراصل اپنی بیماری کا تو شاید احساس تک نہیں رکھتا:(119)

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان حالات کے شدید ترین جبر کے باعث اس طرح دباؤ میں آجاتا ہے کہ اس کے تمام حواس جواب دے دیتے ہیں، سننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود سننے سے عاجز آجاتا ہے، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں مگر وہ اپنی قوت باصرہ یا دیکھنے کی قوت کو کام میں لانے سے قاصر رہتا ہے، عقل ہوتے ہوئے بھی انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، اسے ہی حواس باختگی کہتے ہیں یعنی انسان کے تمام حواس ہار جاتے ہیں، وہ خدا تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی ان قوتوں کو گویا کسی غیر مرئی یا ان دیکھی بدنصیبی کے سپرد کر بیٹھتا ہے، آپ اسے لاکھ سمجھاتے رہیں، نصیحتیں کرتے رہیں اور اسے زور زور سے جھنجھوڑتے رہیں مگر وہ نہ کانوں سے سننے کے لیے تیار ہوگا، نہ کسی چیز کو دیکھنے کے قابل دکھائی دے گا اور نہ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں کچھ دیکھنے کے لیے تیار ہو سکیں گی، حواس باختگی کی یہ کیفیت انسان کو آنے والی آفت کبریٰ کو محسوس کرنے سے بھی روک دیتی ہے اور وہ تباہی کے جہنم میں جا گرتا ہے، قرآن کریم نے انسان کی حواس باختگی کی اس کیفیت کو مختلف انداز اور پیرایۂ بیان میں کئی بار دہرایا ہے۔ سورت الاعراف میں کتاب عزیز وغالب انسان کی ایسی ہی حواس باختگی کو اپنے اعجاز کے رنگ میں پیش کرتی ہے اور کیا خوب اعجاز

بیان سامنے آتا ہے جس کا اردو ترجمہ یوں ہے: (120)

> ''اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان تباہی کے دوزخ کے لیے تیار کر چھوڑے ہیں جن کے دل تو ہیں مگر وہ سمجھنے سے قاصر ہیں، ان کی آنکھیں بھی ہیں مگر وہ ان سے دیکھ نہیں پاتے اور ان کے کان تو ہیں مگر وہ ان کانوں سے سننے سے عاجز ہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ تو ان چوپایوں سے بھی گمراہی میں بدتر اور گئے گزرے ہیں، یہی لوگ تو ہیں جو حواس باختگی کی غفلت کے دبیز پردوں میں دبے ہوئے ہیں!''

ہمارے آج کے مادیت کی غلاظتوں میں دبے ہوئے انسان کا بھی کچھ یہی رنگ ڈھنگ ہے، دنیا اور آخرت کے خساروں کا مقدر رکھنے والے آج کے مادیت پرست، سود خوری کی لعنتوں میں جکڑے ہوئے بدنصیب انسان کو کوئی کتنا جھنجھوڑے! یہ تو اپنا سب کچھ صرف ہار ہی نہیں چکا بلکہ اسے تو اپنی ہار کا احساس تک بھی نہیں رہا! کتاب اللہ ایسے ہی انسان کو تو چوپائیوں اور جانوروں سے بھی بدتر اور گیا گزرا انسان قرار دیتی ہے اور اقبال کے الفاظ میں یہی وہ مادہ پرست اور سود خوری کے عالمی نظام کی لعنتوں میں جکڑا ہوا انسان ہے جو احساسِ زیاں سے بھی محروم ہو چکا ہے! اسے یہ احساس ہی نہیں ہو پا رہا کہ اس کی خود غرضی، خود پرستی اور خود نمائی کا شیطانی غرور ہی اس کی اصل بیماری ہے! جب بیماری کا علم اور احساس ہی نہیں تو وہ علاج کی کیا فکر کر سکتا ہے، یہی ابلیسی تکبر و غرور ہے جس نے اشرف المخلوقات کو ارذل المخلوقات بنا دیا ہے! وہ اس تکبر و غرور کی اس دلدل سے کیسے نکل سکتا ہے جب وہ اسے ہی اپنے لیے ''صراط مستقیم'' سمجھ بیٹھا ہے! شیطان نے آدم خاکی جیسی عاجز و مسکین ہستی کو حقیر جانتے ہوئے اس کے علم و فضل کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کر دیا تھا اور آج کا مادیت پرست انسان اس آدم خاکی کا نطفہ ہونے کے باوجود اپنے اس آدم خاکی باپ کے بیٹے کو غریب و مسکین سمجھ کر اس کا حق ماننے اور دینے سے انکاری ہے، یہ چونکہ دوسرے انسانوں کو حقیر جانتا ہے اس لیے انہیں اپنا بھائی، اپنے برابر اور دنیا کے متاع

غرور میں انہیں شریک کرنے کے لیے بھی تیار نہیں! آج کا انسان خود اپنے غرور کی آگ میں جل رہا ہے اور اپنے بھائی کو تحقیر اور نفرت کے گڑھے میں دھکیلنے پر تلا ہوا ہے!

لیکن یہ قصور آج کے تمام انسانوں کا نہیں، اولادِ آدم بحیثیت مجموعی خود غرض، خود پرست اور خود نما نہیں ہو سکتی، جس دن ایسے ہو گیا تو پھر قیامت کا مرحلہ دور نہیں! فرزندانِ اسلام کی غالب اکثریت ان عیوب و نقائص سے مبرا اور ان ضمیر کش بیماریوں سے پاک ہوتی ہے، ہماری یہ دنیا اسی نیک فطرت اور سادہ لوح انسانی اکثریت کے طفیل قائم و دائم ہے بلکہ ان عیوب اور انسانی بیماریوں میں مبتلا انسانی گروہ بھی از خود روئے زمین پر فساد پھیلانے، بدی کو فروغ دینے اور دنیائے انسانیت کی امن و سلامتی تہ و بالا کرنے کے لیے کمر بستہ نہیں ہو جاتا بلکہ کوئی ایک انسان نما شیطان ایسا ہوتا ہے جو اپنے اندر قابیلی خباثت اور شیطنت کے جراثیم و اثرات سے مغلوب ہوتا ہے اور ہابیل بن آدمِ خاکی کے امن و صلح پسند کرنے والے اوصافِ حمیدہ سے متصف اکثریت کا خون بہانے اور قتلِ عام کے نشے میں چور دنیائے انسانیت پر ظلم و فساد کے دروازے کھول دیتا ہے، یہ انسان نما شیطان اپنے ہوس کی آگ بجھانے کے لیے خون کے دریا میں کود پڑتا ہے اور خود غرضی، خود پرستی اور خود نمائی کے جراثیم سے مالا مال افراد اس شیطان نما انسان کے آلۂ کار بن جاتے ہیں اور اس گروہ کی ہوس رانی تمام انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور بحر و بر آب تو فضائے بسیط بھی فساد کی آگ سے بھسم ہو جاتی ہے! یہ انسان نما شیطان قابیلی جذبات و صفات کے حامل ہوتے ہیں جو خون کی ندیاں بہا دیتے اور آگ کے شعلے بھڑکا دیتے ہیں کیونکہ یہ وحدت نسلِ انسانی، اخوت و مساوات کو پائے حقارت سے ٹھکرا چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ انسانوں کو بھی مچھر مکھی سمجھتے ہیں اور انہیں مسل دینے میں لذت محسوس کرتے ہیں! فرعون و نمرود، دارا و سکندر، ہٹلر اور مسولینی اسی قابیلی گروہ کے نمائندے تھے، عصرِ حاضر میں ان کا حقیر ترین نمائندہ جارج بش اور ٹونی بلیئر کا شر پسند ٹولا ہو سکتا ہے!

قرآن کریم شر و فساد کے علمبردار اس قابیلی گروہ کو مستکبرین (تکبر و غرور کے نشے میں

جتلا) کا گروہ قرار دیتا ہے جو ہابیلی صفات حمیدہ سے متصف انسانوں کی غالب اکثریت کو مستضعفین (کمزور و ناتوان اور بے بس) تصور کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا نظامِ قدرت ممولوں کو شاہین اور کمزوروں کو طاقتور بنا کر ان انسان نما شیطانوں کا پنجہ مروڑنے کا کام سونپ دیتے ہیں جو ان کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور دنیا تباہی سے بچ جاتی ہے(121) اور یہ شیطانی گروہ اپنی کمزوری کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ جاتا ہے اور کوئی موسیٰ آجاتا ہے جو ضرب کلیمی سے فرعون و ہامان اور ان کے چیلے چانٹوں کو بحرِ قلزم کی لہروں کے سپرد کر دیتا ہے، ارشادِ ربانی ہے۔(122)

> "یہ پکی بات ہے کہ فرعون سرکشی و تکبر پر اتر آیا تھا، اس نے معاشرہ کو گروہوں میں تقسیم کر چھوڑا تھا، ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر کے دبا رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر دیتا تھا مگر ان کی عورتوں کو بے حیا بنانے کیلئے زندہ چھوڑ دیتا تھا، بلاشبہ وہ (قابیلی صفت فسادیوں) میں سے تھا تب ہم نے چاہا کہ (اپنے نظامِ قدرت کے مطابق ممولوں سے شاہین ذبح کروا دیں) ان کمزور بنائے جانے والوں پر احسان کریں اور انہیں (صاحب ضرب کلیمی موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں) پیشوا اور زمین کا وارث بنا دیں، انہیں اقتدار عطا فرما کر فرعون و ہامان اور ان کے چیلے چانٹوں کو یہ دکھا دیں کہ (وہ غلطی پر تھے اور) وہ اپنے جس زوال و انجامِ بد سے ڈر رہے تھے (وہ تو ایک حقیقت اور ہمارے نظامِ قدرت کا اٹل اصول ہے)۔"

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے نظامِ قدرت کے اس اٹل اصول کو انسانیت کے ذہن نشین کرانے سے بھی پہلے اس انسان نما شیطانوں کے گروہ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خبردار کرتا ہے(123) اور ساتھ ہی اہلِ ایمان کو اس گروہ کی مشابہت سے بھی منع کرتا ہے:

> "اور تم اے مومنو! ان لوگوں (کفار مکہ) جیسے نہ بنو جو اتراتے اور خود

نمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نکلے اور اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ سے
روکتے تھے (اور یہ نہیں جانتے تھے کہ میدانِ بدر میں ان کی کیا گت بننے
والی ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کو گھیرے میں لینے والے تھے!"

اپنے وطن۔ پاکستان۔ کے معاشرتی گروہوں پر نظر ڈال لیجئے پھر اسی پر قیاس کرتے ہوئے مجموعی طور پر تمام ممالک اور پورے روئے زمین پر آباد انسانی معاشرہ پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیئے تو اندازہ ہوگا کہ یہ اوپر کا کھاتا پیتا اور انسانیت کا نام نہاد کریمی طبقہ ہے جس نے انسان نما شیطان بنکر قابیلی صفات اپنا رکھی ہیں اور ان کے عملی اظہار سے بحر و بر اور فضا میں شر و فساد کا دور دورہ ہے، قرآن کریم کے فلسفۂ عروج و زوال کی رو سے یہی نام نہاد کریم آف دی نیشن (Cream of the Nation) روشن خیال اور خوشحال طبقہ ہے جس کا برپا کیا ہوا شر و فساد انسانیت کے امن اور چین ہی نہیں بلکہ سب کچھ برباد کرتا رہا ہے اور انسانی تاریخ کا ایک بڑا المیہ بھی یہی ہے: (124)

"اور جب ہم کسی انسانی بستی کی تباہی کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے
خوشحال لوگ اپنی فطرتِ بد کے باعث بدی پھیلاتے ہیں اور کھل کر
نافرمانی کرتے ہیں، یوں ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے اور ہم
پھر اس بستی کو برباد کر دیتے ہیں۔"

سچ تو یہ ہے کہ آج بھی ہمیشہ کی طرح نوعِ انسانی کے تمام تر دکھ اور پیش آنے والی مشکلات اور آفات کا بنیادی سبب اور حقیقی پس منظر خوشحال اور کھاتے پیتے لوگوں کے کرتوت اور بداعمالیاں ہی ہوتی ہیں، قوموں کی یہ نام نہاد کریم (Cream) تمام وسائلِ رزق پر شیطانی اژدھا بن کر غاصبانہ قبضہ جمائے ہوئے ہیں، اس غاصبانہ قبضہ کے لیے وہ ہر قسم کے حرام ہتھکنڈے اور گندے طریقے کام میں لاتے ہوئے بحر و بر اور فضا کے تمام وسائل ہتھیا رہے ہیں خواہ اس کے لیے بے گناہ انسانوں کے خون کی ندیاں بہانا پڑیں یا بدامنی پھیلانے کے لیے انہیں آگ کے دریا عبور کرنے پڑیں! اس کے لیے ہر قسم کے

جھوٹ، دغابازی، دھونس اور دھاندلی کو روا رکھتے اور لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کی نیند سلا دیتے اور قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، المیہ یہ ہے کہ آج اس ظلم و بربریت اور دغابازی کا شکار لوگوں کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، اسلامی دنیا کے مظلوم اور بے بس انسان دہرے ظلم اور فریب کاری کی زد میں ہیں، ایک طرف تو نئے اور پرانے سامراجی لٹیرے ہیں جو مختلف حیلوں اور بہانوں سے مسلمانوں کے وسائلِ رزق کے استحصال پر کمربستہ ہیں اور دوسری جانب خود مسلمانوں کے غیر نمائندہ اور غاصب حکمران ہیں جن کے پاس اپنے اور اپنے ملک کے بدنصیب انسانوں کو اپنے ظلم اور ستمگری کے نرغے میں لینے کے لیے اور کوئی جواز نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ ان نئے اور پرانے سامراجیوں کے آلۂ کار اور ایجنٹ بنے ہوئے ہیں، فلسطین، کشمیر، شیشان کے علاوہ تازہ شکار عراق، افغانستان اور پاکستان کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، اپر سوسائٹی کے نام نہاد روشن خیال اور قوموں کی کریم سے تعلق رکھنے والے یہ حکمران دغابازی، دھونس اور دھاندلی سے اقتدار پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر جانے کا نام ہی نہیں لیتے، بیرونی دنیا کے نئے اور پرانے سامراجیوں سے ساز باز کرتے ہیں اور کرسی صرف اس وقت خالی کرتے ہیں جب یہ اپنی نالائقی یا شومئ قسمت سے ان سامراجیوں کا اعتماد کھو دیتے ہیں یا ان کی نظر میں ناکارہ ثابت ہو جاتے ہیں! دنگ کر دینے والا المیہ یہ ہے کہ بیرونی دنیا کے نئے اور پرانے سامراجی بھی اپنی اپنی قوم کی نام نہاد کریم سے تعلق رکھتے ہیں مگر اپنی اپنی قوم کے خاموش اور بے خبر عوام کو بھی حیلوں اور بہانوں سے مطمئن کر کے دنیا میں لوٹ مار کا بازار گرم کرتے ہیں! الغرض دنیا میں ہر جگہ انسانوں کی بے گناہ اکثریت کے لیے تمام خرابیوں اور دکھوں کے ذمہ دار اونچی سوسائٹی کے نام نہاد خوشحال اور روشن خیال طبقات ہیں جنہوں نے اپنی خود غرضی، خود پرستی اور خود نمائی سے اس دنیا کو جرائم اور گناہوں کے جہنم میں تبدیل کر دیا ہے اور اگر دنیا میں ہر جگہ انبیاء اور مصلحین کے طریقوں پر ایمان رکھنے اور عمل کرنے والے مخلص، بے لوث اور خدمتِ خلق کے قائل خدا ترس لوگ قیادت کے لیے آگے نہیں آتے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ جرائم اور گناہوں کے اس جہنم کو خالقِ کون و مکاں سمیٹنے کا ارادہ کر چکا ہے اور قرآن کریم کے بتائے ہوئے نظامِ قدرت کے اصول کے مطابق، یہ خود غرض، خود پرست اور خودنما مترفین یا اوپر کے خوشحال لوگ اس کائنات ارضی کی بستی کی تباہی کا سامان مکمل کر چکے ہیں!! یہ مغرور اور متکبر لوگ نہ تو اپنے خالق و رازق کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں، نہ وحدتِ نسلِ انسانی یا انسانی برادری کے قرآنی تصور کو مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نظامِ قدرت کی سنگین خلاف ورزی ہے جسے قدرت کبھی معاف نہیں کرتی کیونکہ یہ نظام قدرت میں خلل ڈالنے کی ایسی مکروہ حرکت ہے جس کا انجام تباہی کے سوا اور کچھ نہیں!!

انسانیت دشمن مستکبرین

وحدتِ نسلِ انسانی کا یہ قرآنی تصور (125) یا دوسرے لفظوں میں انسانی برادری اور برابری کا نظریہ دنیائے انسانیت کے لیے انوکھا اور بالکل نیا نظریہ ہے، حتیٰ کہ ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے باوجود بھی خودغرض، خود پرست اور خودنما لوگوں کو آج بھی یہ نظریہ نیا انوکھا اور بالکل اجنبی لگتا ہے نورِ اسلام کے ظہور سے پہلے کی دنیا اس نظریہ سے قطعی ناآشنا تھی اور آج جبکہ یہ نظریہ زندگی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے توسط سے دنیائے انسانیت کو عطا ہو چکا ہے اور انسانی برادری اور برابری کے اس منفرد پیغام ربانی نے دنیا کا چلن اور انسانیت کا مقدر بھی بدل ڈالا ہے اور اس کے عملی نفاذ نے معاشرتی تاریخ کا دھارا بدل دیا ہے حتیٰ کہ ایک ہندو شاعر کو بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ احسان ماننا پڑا کہ "اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا"

توحیدِ ربانی کا عقیدہ اور وحدتِ نسلِ انسانی یعنی انسانی برادری اور برابری کا تصور ان انسانیت دشمن گروہوں کو کبھی گوارا نہ ہوا (اور نہ ہے!) جو اپنے "منتخب قوم" (Chosen people) ہونے کے زعم میں مبتلا ہیں یا جو اونچ نیچ اور چھوت چھات کی لعنت میں جکڑے ہوئے ہیں اور اپنی "برتری" کو ایک عقیدہ سمجھ کر اس سے چمٹے ہوئے ہیں اور خلقِ خدا کی تذلیل و تحقیر پر تلے ہوئے ہیں! یہ قرآنی تصور ان انسان دشمن مفاد پرستوں کے لیے

ناقابلِ برداشت ہے اور وہ اسے اپنے مزعومہ مفادات کے لیے مہلک بلکہ "زہر قاتل" تصور کیے ہوئے ہیں اور وہ روزِ اول ہی سے آج تک اس کی مخالفت میں جلے بھنے پھرتے ہیں، وہ اسے ناکام بنانے اور نابود کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں اور لگا رہے ہیں! یہ بات جاننے سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام سے پہلے کی دنیا میں انسانی برادری اور برابری کو نہ کوئی جانتا تھا نہ مانتا تھا بلکہ یہ تو شاید کسی نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کیونکہ کسی کو بھی کسی کی برابری گوارا ہی نہ تھی! اور سچ تو یہی ہے کہ آج کا انسان بھی اس برادری اور برابری کو بظاہر گوارا کرنے سے پہلو تہی کر رہا ہے حالانکہ اقوامِ متحدہ کے بعض اداروں کے سائنسدانوں کی تحقیق کے علاوہ طبی اور سائنسی علوم کے ماہرین بھی یہ مان چکے ہیں کہ مشرق و مغرب کے تمام انسانوں کی اصل یا ان کا باپ کوئی ایک ہی ہستی تھی اس لیے رنگ و نسل کے تمام جھگڑے بے معنی اور برتری یا کم تری کے سب دعوے بے بنیاد ہیں، گورے، کالے، نیلے اور پیلے انسانی رنگ اصل کے لحاظ سے وقتی، عارضی اور بے حقیقت ہیں، یہ صرف متنوع قسم کی غذاؤں اور آب و ہوا کا نتیجہ ہیں، اگر کالوں کی غذا کے ساتھ ساتھ آب و ہوا کو بھی بدل دیا جائے تو چار پانچ سو سال بعد پیدا ہونے والی نسل سفید اور گوری ہو جائے گی، اسی طرح یورپ اور امریکہ کے کچھ گوروں کو اسی طرح پکڑ پکڑ کر افریقہ اور ایشیا کے تپتے ہوئے صحراؤں کے سپرد کر دیا جائے جس طرح کبھی امریکی اور یورپی ظالم گورا افریقہ کے کالوں کو پکڑ پکڑ کر جہازوں میں ٹھونس کر امریکہ میں غلامانہ جبری مشقت کے لیے جا کر پھینک دیتا تھا تو چلچلاتی دھوپ اور تپتے ہوئے صحراء میں چند صدیوں کے اندر ان کی نسل کو کالا سیاہ فام بنا دیں گے! تو رنگ اور نسل کی برتری کے دعووں کی یہ ہے حقیقت! جینیک انجینئرنگ کی دریافت نے تو رنگ و نسل کی برتری کے ان دعوں کا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا ہے!

وحدت و اخوت کے منکروں کے لئے کھلا چیلنج

آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے قرآن کریم نے جب وحدت نسل انسانی کا تصور دیا تھا تو اس کے ساتھ مسلمان اہلِ علم کے ساتھ ساتھ دنیائے انسانیت کے تمام

سائنسدانوں اور محققین کو تحقیق کے لیے ایک چیلنج بھی دیا تھا کہ: (126)

''اے انسانو سنو! اللہ تعالیٰ کی آیات معجزات میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے، اسی طرح تمہارے رنگوں اور تمہاری زبانوں کا اختلاف بھی (آیاتِ معجزات) میں سے ہے یہ نشانیاں اور کرشمے تو دانشوروں اور سائنسدانوں کے لیے (بحث و تحقیق کے چیلنج ہیں)''

''عالمین'' (یعنی اہلِ علم، دانشور اور سائنسدان) کا لفظ قرآن کریم میں صرف پانچ جگہ آیا ہے (127)، دو جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ جمع (عالمین جمع ہے عالم یعنی سکالر یا دانشور) کا صیغہ اپنے علم کے لیے ارشاد فرمایا ہے، ایک جگہ (سورۂ یوسف میں) خواب کی تعبیر جاننے والوں کے لیے اور دو جگہ انسان اہلِ علم و دانش کے لیے جو اللہ رب العزت کے ارشادات و تمثیلات کا ادراک کر سکتے ہیں یا کائنات کی تخلیق کے اسرار اور رموز جاننے کے ساتھ ساتھ انسانی رنگوں اور زبانوں پر بھی غور و فکر کر سکتے ہیں، جیسا کہ سورت الروم کی اس مذکورہ آیت میں آیا ہے (128)، لیکن مسلمان سائنسدانوں کی بحث و تحقیق کا چراغ بہت جلد گل ہو گیا اور علامہ ابن خلدون کے بعد کوئی اور مسلمان سائنسدان انسانی نسلوں کے اختلاف رنگ پر تحقیق کے میدان میں گہرائی تک نہ جا سکا، بس ہمارے مفسرین صرف یہ بتا سکے ہیں کہ انسانی رنگوں کا مختلف (کالا، گورا اور پیلا وغیرہ) ہونا اور زبانوں کا مختلف (عربی، فارسی اور انگریزی وغیرہ) ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کا کرشمہ ہے اور یقیناً ہے مگر یہ بھی ہے کہ اس اختلاف کی اصلیت و حقیقت وائی نہیں اصل رنگ اور اصل زبان صرف ایک ہی ہے جس کا محور اور مرکز صرف آدم علیہ السلام ہیں، روئے زمین میں پھیلے ہوئے تمام انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں جن کی زبان بھی کبھی ایک ہی تھی اور وہ تھی قرآن کریم کی زبان عربی!

آج دنیا میں دو قومیں ایسی ہیں جو قرآنِ کریم کے اس نظریہ وحدتِ نسلِ انسانی یا دوسرے لفظوں میں انسانی برادری اور سب کی برابری یا مساوات سے چڑتی اور حسد و نفرت سے نہ صرف بل کھاتی اور مشتعل ہوتی ہیں بلکہ یہ دونوں اپنے مذہب اور عقیدہ کی رو

سے اپنے آپ کو افضل و برتر سمجھتی ہیں یہ نسل پرست نہ صرف یہ کہ اپنی افضلیت اور تفوق کو اپنا حق سمجھتی ہیں بلکہ اپنے علاوہ دوسرے انسانوں کی تحقیر اور تمسخر اڑاتی ہیں اور عصرِ حاضر کا المیہ بھی یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے عیسائی حکمران اور لیڈر اسلام دشمنی یا اسلاموفوبیا سے نڈھال ہو کر ان نسل پرست اور بزعم خود تمام انسانوں سے افضل و برتر بننے والی ان دونوں قوموں کی سرپرستی کرتے ہوئے حد سے بڑھ چکے ہیں، اور یہ قومیں ہیں یہودی اور ہندو برہمن! ہندو برہمن خود کو خدا کے سر کا تاج سمجھتا ہے کیونکہ اسے ''بھگوان'' نے اپنے سر کی خاک سے پیدا کیا ہے! یہود کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے ''یاھو'' کی چنی ہوئی قوم ہیں جس نے تمام انسانیت پر راج کرنا ہے! قرآن کریم نے یہود کے اس دعوے کو مسترد کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ کہتے ہیں (اور غلط کہتے ہیں) کہ نحن ابنٰؤا اللہ واحباؤہ یعنی ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرزند اور اس کے محبوب لوگ ہیں (37))! اسلام چونکہ توحید ربانی کے عقیدہ کے ساتھ وحدت نسلِ انسانی کا نظریہ بھی پیش کرتا ہے اس لیے یہ بات نہ ہندو برہمن کو گوارا ہے اور نہ یہود اسے برداشت کرتے ہیں اس لیے وہ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں، یہ معاندانہ اور حسد و نفرت پر مبنی ناپاک مہم ڈیڑھ ہزار سال سے کبھی خفیہ کبھی علانیہ کبھی پوری قوت سے اور کبھی دھیمے انداز میں مسلسل جاری ہے، عہدِ نبوی میں یہ ناپاک مہم غزوہ خندق یا جنگ احزاب پر عروج کو پہنچی مگر ناکام و نامراد رہی مگر آج کروسیڈی (Crusade) بش کی قیادت میں نام نہاد نائن الیون کے یہودی ڈرامہ کے نتیجے میں ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے نام سے صلیبی جنگ شروع کی ہوئی ہے جو اب آخری سانس لے رہی ہے، اس شریرانہ اور بدنیتی پر مبنی جنگ میں ناکامی کے بعد یہ بات تو اب معقول حد تک ثابت ہو چکی ہے کہ امریکہ نے نام نہاد قدامت پسند عالمی صیہونیت کے ساتھ خفیہ اور علانیہ اتحاد و ساز باز سے عالمِ اسلام کے خلاف اپنی ''منافقانہ صلیبی جنگ'' (منافقانہ اس لیے کہ یورپ اور امریکہ کی عیسائی دنیا یہودیوں اور مسلمانوں کے حوالے سے ابھی تک کسی حتمی یعنی یہ فیصلہ نہیں ہو پایا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ

کے متعلق بدزبانی والزام تراشی کے علاوہ ان کی نبوت ورسالت یا دینی منصب کو بھی مسترد کرنے والے یہودی، جو بیسویں صدی کے ربع اول تک مغربی عیسائیت کے نزدیک اچھوت اور بدکردار مسلّم تھے، وہ عیسائی یہودی اتحاد کے قائل کیسے ہوگئے؟ یا اسلام کے قرن اول میں اپنے بنیادی عقائد کے مطابق سیدنا مسیح اوران کی والدہ کی عظمت و پاکدامنی کو دنیا سے منوانے والے اور حروبِ صلیبی سے پہلے تک مسیحیت سے شفقت اور پیار سے پیش آنے والے مسلمانوں کو خوامخواہ عیسائیت کا دشمن نمبرایک کیوں بنایا جائے؟!) اپنی زبان سے دنیا کے سامنے نام نہاد نائن الیون کے بعد عالمِ اسلام کے خلاف ''صلیبی جنگ'' کا اعلان کر کے مذہبی جنونی بش اپنے ان الفاظ سے پھر گیا اور مجبوراً اپنی استعماری صلیبی جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دے دیا، جارج بش اپنے ''فاتح عالم'' باپ کے مشورے سے اپنی دوسری صدارتی مدت شروع ہونے سے پہلے ہی اس جنگ کا منصوبہ بنا چکا تھا) جارج واکر بش کی اس ناکام استعماری صلیبی جنگ کے تین مقاصد تھے۔(۱) یہ کہ مشرقِ وسطی اور سینٹرل ایشیا میں عالمِ اسلام کی معدنیاتی دولت کے استحصال کو مکمل کرنے اور اس کے لیے محفوظ راستہ بنانے کے ساتھ ساتھ ممکن حد تک اسلامی دنیا کے بعض خطوں کو غلام و محکوم بنا لیا جائے (۲) مشرق وسطی میں عظیم تر اسرائیل بنا کر اس کے مستقبل کو محفوظ بنا دیا جائے (۳) اسلامی دنیا کو سیاسی اور فوجی طور پر غیر مستحکم کر دیا جائے خصوصاً ایران کو ایٹمی اسلحہ نہ بنانے دیا جائے اور پاکستان کے ایٹمی اسلحے پر قبضہ کر کے اسے بھارت کا طفیلی ملک بنا دیا جائے تا کہ بھارت کا لچھو رام جنوبی ایشیا میں انکل سام کا بغل بچہ بن کر چین کے مقابلے میں آجائے! مگر ان مقاصد میں بش ناکام نظر آتا ہے، اس صورتِ حال نے بھارت اور اسرائیل کو جارج بش سے بھی زیادہ مایوس کر دیا ہے! بھارت کے لچھو رام کو طاقتور ایٹمی پاکستان کسی طرح بھی گوارا نہیں اسرائیل کو بھی یہ گوارا نہیں کہ عرب پھر سے سر اٹھانے کے قابل ہو جائیں یا ایران ایک ایٹمی طاقت بن جائے اس لیے یہود وہنود کی انتہائی خواہش اور کوشش ہے کہ بش کی اسی استعماری صلیبی جنگ کے پردے میں ہی کسی طرح ان دونوں کے دلوں کو ٹھنڈک

نصیب ہونے کا سامان بھی ہو جائے! جو انشاء اللہ کبھی نہیں ہوگا!

ہندو۔ یہودی گروہ بندی

یہ ایک حقیقت ہے کہ استعماری صلیبی امریکہ کی نسبت ہندو اور یہودی اسلام دشمنی میں آگے اور مسلم دنیا کی طاقت سے زیادہ خائف ہیں اور اس کا خاص سبب اور حقیقی پس منظر ہے، ایک تو یہ دونوں گروہ- ہندو وبت پرست اور یہودی- اسلام کے عقیدہ توحید اور قرآن کریم کے وحدت نسلِ انسانی کے تصور کے خلاف ہیں لیکن ایک تیسرا سبب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سود خور ساہوکار بزعمِ خود اور نظر بظاہر دنیا کی دولت پر قابض ہیں اور اب بھارت کا لبھو رام سود خور اور ساہوکار بھی عالمی صیہونیت کا شریکِ سفر بن چکا ہے یہ دونوں گروہ یہ بھی جان چکے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے انسانیت سوز سودی نظام کے خلاف اعلانِ جنگ فرما رکھا ہے، جس طرح ہر جنگ جیتنے کے لیے سپاہ درکار ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سپاہی تو مسلمان ہیں جو خلافتِ راشدہ کے بعد سودی نظام کی بیخ کنی نہیں کر سکے کیونکہ ایک تو ملوکیت اور جہالت نے ان کے اعصاب کو شل کر رکھا ہے اور وہ خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں دوسرے کئی صدیوں سے مغرب کا صلیبی استعمار مسلمانوں کو چوٹ پر چوٹ لگا تا چلا آتا ہے اور اب یہ دونوں گروہ- ہندو برہمن اور عالمی صیہونیت کے علمبردار یہودی- بھی پورے خبثِ باطن اور پورے اتحاد کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس ناپاک جنگ میں شریک ہو چکے ہیں ان سب کو یہ بھی علم ہے کہ تمام دنیا- سوائے مترفین اور نام نہاد ''کریم'' یا اپر سوسائٹی کے- اس سودی نظام کے زخم کھا کھا کر یہود و ہنود کے اس کرتوت سے بیزار ہے! جس دن اللہ کے سپاہی خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر سودی نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو سود کی ستائی ہوئی تمام دنیا بھی ان کا ساتھ دے گی! جس دن دنیا نے سودی نظام کے خلاف بغاوت کر دی وہ ان سود خور ساہوکاروں کا آخری دن ہوگا!

گویا یہود اور بت پرستوں کو توحید اور وحدتِ نسلِ انسانی کے تصور سے تو چڑ ہے ہی مگر یہ تمام سود خوروں کو ان کی دولت مارنے کا سامان بھی ہے اس لیے وہ اسلام دشمنی میں اور

مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے متحد اور مستعد ہیں، ان کا یہ خوف حقیقی ہے کہ سود کے استحصالی نظام کی موت بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مقدر ہو چکی ہے، چنانچہ اسرائیل اور بھارت کا انکل سام کا بغل بچہ بننا کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ انکل سام کی اندھی فوجی طاقت سے عالمِ اسلام کو کچلنا چاہتے ہیں یہود وہنود کی یہ اسلام دشمنی کوئی نئی بات نہیں ہے نہ یہ ہمارا وہم یا خدشہ ہے بلکہ یہ بھی ایک قرآنی حقیقت ہے یا کتاب اللہ کے عجائبات و معجزات میں شمار ہونے کے قابل ہے! قرآن کریم کی اس پیشین گوئی اور اعلان کو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمان اور ہر انسان کو یہ بتا دیا تھا کہ سود خور یہودی اور بت پرست مشرکین اہلِ ایمان کے شدید ترین دشمن ہیں اور صدیوں کی یہودی دسیسہ کاریوں نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے اور غیر فانی کلام اللہ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہو چکی ہے، ارشادِ خداوندی ہے! (129)

> ''یہ پکی بات ہے کہ آپ ایمان والوں (یعنی مسلمانوں) کا شدید ترین دشمن یہودیوں اور بت پرست مشرکوں کو پائیں گے مگر آپ ان مسلمانوں کا قریب ترین دوست ان لوگوں کو پائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو نصاریٰ یعنی سیدنا مسیح علیہ السلام کے مددگار عیسائی ہیں اور یہ اس لیے ہے کہ ان مسیحیوں میں کچھ تو راہب علماء ہیں اور کچھ گوشہ نشین عبادت گزار ہیں جو تکبر نہیں کرتے!''

مسلم مسیحی اتحاد اور امن عالم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انسانوں سے محبت وشفقت اور سب لوگوں کی برابری کی تعلیم دی ہے اس لیے دنیا بھر کے سچے مسیحی اگر عالمِ اسلام پر یورپ کی طرف سے مسلط کی جانے والی صلیبی جنگوں (جن میں مسلمانوں کا کردار صرف دفاعی تھا) کے مخمصہ (crusade complex)، عالمی صیہونیت کے ساتھ اتحاد (کیونکہ یہ مسیحی۔یہودی اتحاد جو دراصل امریکی سامراج اور سود خور عالمی صیہونیت کا اتحاد ہے، ایک سراب کے سوا

اور کچھ بھی نہیں یہ آج گیا یا کل گیا، سیدنا مسیح علیہ السلام کی عظمت و تقدیس پر ایمان رکھنے والے اور معاذ اللہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم پر تہمتیں لگانے والے بدطینت یہودی اور مسیحی کبھی باہم متحد و متفق نہیں ہو سکتے!

سامراجی واستحصالی مفادات کے لیے وقتی اتحاد ایک عارضہ اور فریب کے سوا کچھ نہیں، بالآخر پرانی اور حقیقی عداوت اور بغض کا واپس آنا قدرتی بات ہوگی!) اور سامراجی عزائم سے باز آجائیں تو امنِ عالم اور انسانیت کی بھلائی کے لیے عالمِ مسیحیت اور اور اسلامی دنیا کا اتحاد و تعاون ممکن ہے (130)، قرآنی پیشین گوئی کی رو سے اہلِ اسلام اور سچے مسیحیوں کے درمیان دوستی اور مودت خارج از امکان نہیں ہے (اس لیے کہ قرآن کریم میں جو آیا ہے وہ سچ ہے اور اس نے ایک نہ ایک دن حقیقت کا روپ (131) دھارنا ہے) اور جس دن یہ حقیقت کھل گئی اس دن امن عالم اور انسانیت کی خوشحالی بھی حقیقت بن جائے گی!

آج کرہ ارضی کی آبادی کی غالب اکثریت مسلمان اور مسیحی ہے اور دنیا کے بیشتر پیداواری اور اقتصادی وسائل بھی ان کے حصے میں آتے ہیں، اس اتحاد و تعاون سے ہماری یہ دنیا امن و سلامتی اور خوشحالی کا ایک ایسا گہوارہ بن سکتا ہے اور مسیحی برادری اور مسلمانانِ عالم مل کر ایک بار پھر سے وہ فضا اور وہ ماحول پیدا کر سکتے ہیں جو آغازِ اسلام کے وقت موجود تھا، جس میں قرآنی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کی سرپرستی میں مشرق وسطی کی مظلوم مسیحیت کی نجات و تحفظ کے لیے عملی اقدامات کیے گئے تھے، اس وقت سیدنا مسیح علیہ السلام کی مشفقانہ و انسانیت دوست تعلیمات اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے عدل و رحمت کے سایہ میں کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے امن و خوشحالی کی زندگی کے امکانات پیدا ہو گئے تھے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب تک جزیرہ عرب کے یہودی اپنے کرتوتوں کے باعث نکالے نہیں گئے تھے اور انہوں نے ابھی رومنوں اور ایرانیوں کو مدینہ منورہ کی نوخیز اسلامی ریاست کے خلاف نہیں ابھارا تھا، صلیبی جنگوں کی آگ میں خفیہ ایندھن نہیں ڈالا تھا اور عیسائی مغرب کو استشراق اور استعمار کی راہیں نہیں سجھائی تھیں لیکن اب بھی مسیحی

اور اسلامی دنیا کے درمیان غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے اور بے جا غلط روش کو بدلا جا سکتا ہے، ضرورت صرف پر عزم اور سنجیدہ کوشش کی ہے اب بھی مسلم- مسیحی مودت اور دوستی کے متعلق قرآنی ہدایت اور دعوت پر عمل ہوسکتا ہے!

مگر ہم یہاں کسی ایسے مسلم- مسیحی تعاون اور اتحاد کی وکالت نہیں کر رہے جیسے عالمی صیہونیت نے محض گھٹیا دنیاوی مفاد کے لیے بعض فریب خوردہ دنیا کے لیے دیوانے عیسائی گروہوں کے ساتھ دکھاوے کا اتحاد و تعاون قائم کر رکھا ہے، ہم تو صرف اس اتحاد و تعاون کی وکالت کر رہے ہیں جس کی دعوت قرآن کریم کی سورۂ آلِ عمران (132) اور سورۃ مائدہ (133) میں اہلِ کتاب- یہود و نصاریٰ اہلِ اسلام کے ساتھ تعاون- کو دی جا چکی ہے جو آج بھی قائم و دائم ہے اس میں ایک ایسے متنوع الاصل والعقیدہ انسانی معاشرہ کے قیام کی دعوت ہے جو تمام انسانیت کے لیے پر امن بقائے باہمی اور عقیدہ و عمل کی مکمل آزادی کا علمبردار ہوتا ہے اور جس کا عملی نمونہ میثاقِ مدینہ یعنی دنیا کے پہلے تحریری دستور کی بنیاد پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کر دیا تھا مگر افسوس صد افسوس کہ اس مثالی ریاست کے مثالی معاشرہ کو بھی یہودیوں کا حسد اور سازش کی آگ کھا گئی!!

ایک خوشحال اور پر امن عالمی برادری کے عملی قیام کے لیے قرآن کریم کی یہ دعوت حق آج بھی قائم اور دائم ہے، بشرطیکہ عیسائی عالمی صیہونیت کے چنگل سے نکل کر اپنی اصل کی طرف لوٹ چلیں اور یہودی اہلِ کتاب بھی حسد و عناد کے زہر کو تھوک دیں اور یہ پکی بات ہے کہ توحیدِ باری تعالیٰ پر پختہ ایمان اور وحدتِ نسلِ انسانی کے قرآنی تصور کو دل سے مان کر صرف اور صرف عالمِ انسانیت کی بھلائی کے لیے کتبِ سماویہ- تورات، انجیل اور قرآن کریم- کو ماننے والے اس کارِ خیر کے لیے متحد و مستعد اور باہمی متعاون ہوسکتے ہیں۔

کہنے کی بات یہ ہے کہ عالمگیر انسانی برادری اور برابری یا عالمی اخوت اور مساوات کی یہ دعوت سب سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی! اور اس دعوت کا جادو آہستہ آہستہ خود بخود عالمِ انسانیت کے سر چڑھ کر بول رہا ہے! عزت نفس اور حسنِ سلوک کا بھوکا اور خود

غرضی، خود پرستی اور خودنمائی کی حقیقی علت یا بیماری یعنی سودی نظام کی چیرہ دستیوں کا ستایا ہوا آج کا انسان طوعاً و کرھاً عالمی برادری اور برابری کی اس قرآنی دعوت کو دل سے مان چکا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے خودغرضی، خود پرستی اور خودنمائی کے خوگر سودخوروں کے چنگل سے نکلنے میں کوشاں ہے!! اس کوشش میں انسان کی یقینی کامیابی کو کچھ وقت درکار ہوگا! تاہم وحدتِ نسلِ انسانی کے تصور (یا دوسرے لفظوں میں سب انسانوں کے بھائی بھائی ہونے اور برابر ہونے کے عقیدہ کو منوانا اور اس پر عمل کروانا ایک کٹھن اور مشکل کام سہی مگر ناممکن نہیں ہے اس لیے کہ قرآن ناممکنات کا حکم کبھی نہیں دیتا (134)) قرآن مجید نے اہلِ اسلام کو اور تمام اہلِ کتاب۔ یہود و نصاری۔ کو توحید ربانی پر ایمان اور وحدتِ نسلِ انسانی یا دوسرے لفظوں میں انسانی برادری و برابری اور اخوت و مساوات پر عمل کرنے کا چونکہ حکم دیا ہے اور اس دعوتِ حق کو عام کرنے کی تلقین کی ہے اس لیے ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ یہ ناممکن ہرگز نہیں ہے!

اسلامی اخوت و مساوات

قرآن کریم کی اس عالمی دعوت کی راہ میں حائل دشواریوں اور شیطانی رکاوٹوں کے پیشِ نظر ہادی برحق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو اس عالمی برادری اور برابری کے پیغام کو اجاگر کرتے رہنے اور اس کی دعوت کو حرزِ جاں بنائے رکھنے کے ساتھ ساتھ اخوت و مساوات کے دوسرے اور مضبوط دائرے (یعنی اسلامی اخوت و مساوات جو ایمانی اور روحانی بنیادوں پر قائم ہے) میں آنے کا حکم بھی دے دیا، یہ اخوت و مساوات خون، نسب یا جنس و رنگ کے بجائے خالص ایمانی اور روحانی بنیاد پر قائم کی گئی ہے، خاندان اور قبیلہ یا قوم و وطن اور زبان کی بنیاد پر قائم مادی خود پرستی اور خودغرضی کے تمام رشتوں کو مسترد کرتے ہوئے مسلم کمیونٹی کی وحدتِ ملی اور انسیتِ دینی یا اسلامی اخوت و مساوات کی بنیاد ایمان و روحانیت قرار پائی، اس کے لیے انسانی برادری و برابری کو دل و جان سے تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت و مساوات کے روحانی اور ایمانی رشتہ کو بنیاد بنایا گیا، یہ گویا

انسانیت وآدمیت کی عالمی برادری وبرابری کے بعد دوسرا دائرہ ہے جو پہلے سے زیادہ وسیع، مضبوط تر اور پاکیزہ ترین رشتہ ہے جو تمام رشتوں سے برتر ہے جو مشرق ومغرب جنوب و شمال، امیر وغریب، آقا وغلام، عربی وعجمی اور گورے اور کالے کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتا ہے (134)۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

سام بن نوح کی اولاد صحرائے عرب کے خانہ بدوش صدیوں سے قبائلی زندگی کی منافرت، مخاصمت اور مفاخرت کا شکار تھے، قبیلے کا سردار تمام افراد کی جان ومال کا مالک اور مطلق العنان حاکم متصور ہوتا تھا، اس کی مرضی کے بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہل سکتا تھا اور نہ کوئی چڑیا پر مار سکتی تھی، فرد کی کوئی مرضی یا رائے نہ تھی گویا سب افرادِ قبیلہ سردار کی مٹھی میں ہوتے تھے، جو مٹھی سے نکلتا یا نکلنے کی کوشش کرتا باغی وسرکش قرار پاتا اور مستوجب سزا ٹھہرایا جاتا تھا، تاہم افرادِ قبیلہ کا باہم متحد ومتفق اور شیر وشکر ہو کر رہنا ضروری تھا، ایسے میں فرسودہ رسوم ورواج کے بھی سب غلام ہو گئے تھے، کوئی نئی بات کوئی نیا عقیدہ اور کوئی بھی نئی روش قبیلے سے بغاوت کے مترادف تھی اور ہر باغی سزا کا مستحق ٹھہرایا جاتا تھا،

دیگر قبائلِ عرب کی نسبت قبیلہ قریش کا رنگ ڈھنگ بہت ہی نرالا تھا قریش کے بڑے قبائلی تعصب اور نخوت وغرور کے علاوہ خانہ کعبہ کے متولی اور پروہت ہونے کے بھی دعویدار تھے، شرک وبت پرستی نے سب کو اخلاقی سفلہ پن کے ساتھ ساتھ تفوق وبرتری کے گھمنڈ میں بھی مبتلا کر رکھا تھا حتیٰ کہ حج وعمرہ کے مناسک میں بھی وہ خود کو عام عربوں سے مختلف اور ممتاز تصور کرتے تھے (136) اپنے قبیلے کی تائید وحمایت سے محرومی یا سردار قبیلہ کی ناراضگی کی صورت میں فرد کے لیے وادی بطحا کی زمین تنگ ہو جاتی تھی، ایسے میں توحیدِ ربانی پر ایمان کفر وشرک کا انکار اور آباواجداد کی اندھی تقلید سے اعراض کی دعوت گویا تمام اہلِ مکہ کے غیظ وغضب کو دعوت دینا تھا، کسی غلام، کسی زیردست یا پسے ہوئے طبقات

کے کسی فرد کا اسلام قبول کرنا تمام قبائلِ قریش کے اجتماعی غیظ وغضب، ظلم و بربریت اور جذبۂ انتقام کو کھل کر دعوت دینے کے مترادف تھا، اس لیے ابتدائے اسلام میں دینِ حق کو قبول کرنے پر اذیت رسانی، تعذیب و تذلیل، ستم اور وحشیانہ بربریت کے جو واقعات ملتے ہیں ان میں کوئی مبالغہ آرائی ہرگز نہیں ہے، شاعرِ مشرق نے محسوس کیا اور اپنی چشمِ تصور سے اس ماحول اور اس فضا کی کیفیت کو دیکھا ہے اور زبانِ شعر میں اس کی تصویر کشی کی ہے، خصوصاً بعض سردارانِ قریش کے نقطۂ نظر اور فرعونی انداز کا خوب نقشہ کھینچا ہے، ابوجہل عمرو بن ہشام قبیلۂ مخزوم کا سردار تھا، اسلام کی راہ روکنے اور مسلمانوں کی اذیت رسانی میں وہ حد سے بڑھا ہوا اور بہت سخت گیر اور تشدد پسند مشہور تھا، اقبال کو جاوید نامہ میں توحید و مساواتِ انسانی کے اسلامی پیغام کے مقابلے میں اسی ابوجہل کی روح تڑپتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور وہ ''نوحۂ روح ابوجہل در حرم کعبہ'' کے عنوان سے اس کی شعری تصویر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں (137):

سینۂ ما از محمد داغ داغ — از دم او کعبہ را گل شد چراغ!

از ہلاکِ قیصر و کسری سرود — نوجواناں را ز دست ما ربود!

ساحر و اندر کلامش ساحری است — ایں دو حرف ''لا الٰہ'' خود کافری است

تا بساط دین آبا در نورد — با خداوندان ما کرد آنچہ کرد!!

(1) ہمارا سینہ (حضرت) محمد (ﷺ) کی وجہ سے (معاذ اللہ) داغ داغ ہو چکا ہے اور ان کی وجہ سے خانہ کعبہ کا چراغ بھی بجھ چکا ہے۔!

(2) انہوں نے اپنے کلام میں مسلمانوں کے ہاتھوں قیصر و کسری کی بربادی کا اعلان کر رکھا ہے اور ہمارے نوجوانوں کو ہم سے چھین لیا ہے۔

(3) وہ تو کوئی جادوگر ہیں جن کی گفتگو میں جادو بھرا ہے، یہ ''لا الٰہ'' (کوئی خدا ہے ہی نہیں) اپنی جگہ خود کفر کی بات ہے!

(4) انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی بساط الٹ دی ہے اور ہمارے بتوں کے ساتھ تو

جو کچھ کیا سو کیا!

عجب بات یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اور آپ کے لائے ہوئے دین کی جو باتیں اس وقت یہودیوں کو گوارا نہ تھیں تقریباً وہی باتیں مکہ کے بت پرستوں کو بھی ناپسند تھیں، فرق صرف یہ تھا کہ مکاری و منافقت سے کام لینے والے یہودی جو باتیں کھل کر نہیں کہتے تھے وہی باتیں مشرکینِ مکہ واضح اور علانیہ طور پر کہہ دیتے تھے، ابو جہل کی یہ باتیں بھی اقبال کے فکر و شعر میں منعکس ہو گئی ہیں: (138)

مذہب او قاطع ملک و نسب از قریش و منکر از فضلِ عرب!

در نگاہِ او یکے بالا و پست با غلام خویش بر یک خواں نشست!

قدر احرار عرب نشناختہ با کلفتانِ حبش در ساختہ

احمراں با اسوداں آمیختند آبروئے دودمانے ریختند!!

(1) ان (حضرت محمد ﷺ) کا لایا ہوا دین وطنیت اور قومیت کی جڑیں کاٹ دیتا ہے، ذرا دیکھو تو خود قریش سے ہیں مگر اہلِ عرب کی فضیلت اور برتری کے منکر ہیں!

(2) ان کی نظر میں بلند اور پست یا اعلیٰ و ادنیٰ برابر ہیں، انہوں نے اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا!

(3) انہوں نے عرب کے شرفاء اور آزاد لوگوں کی قدر نہیں پہچانی، آپ تو حبشہ کے موٹے موٹے غلاموں کے ساتھ ملکر ایک ہو گئے ہیں!

(4) گوروں کو کالوں کے ساتھ ملا دیا ہے اور یوں خاندانی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا ہے!

یہودیوں کو بھی عالمگیر انسانی برادری اور برابری سے چڑ تھی، قریش کے بت پرست بھی عرب و عجم اور آقا و غلام کی برادری اور برابری سے بدکتے تھے، یہودی بھی خود کو اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ اور چنی ہوئی قوم تصور کرتے تھے اور مکہ کے بت پرست بھی خود کو سب سے افضل اور برتر تصور کرتے تھے، یہودیوں اور بت پرستوں کو اسلامی اخوت اور مساوات

کھٹکتی تھی اور آج بھی وہ اسی کے منکر اور اس سے خائف دکھائی دیتے ہیں اس لیے وہ اسلام اور اہلِ ایمان کے شدید ترین دشمن ہیں!(139)

اس کے علاوہ حجاز کے یہودی اور مشرکینِ مکہ بھی سود خوری میں اسی طرح بدمست تھے جس طرح یہ انسانیت کے دشمن آج بھی سود خوری کے نشہ میں دھت ہیں، یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ آغازِ اسلام میں بھی اہل ایمان کے شدید ترین یہ دونوں دشمن باہم ساز باز اور عداوت وعناد میں متعاون ومشترک تھے اور آج بھی ہیں، اس وقت دونوں سرزمینِ حجاز میں تھے جسے مہجر ومسکن ابراہیم واسماعیل سمجھ کر اور وادیٔ بطحا اور کوہِ فاران کے قرب وجوار میں نبی منتظر کے ظہور وبعثت کا توراتی (140) مقام جانتے ہوئے اور اپنا وطن بنانے کی خاطر یہودی اپنے عم زاد یعنی اولادِ اسماعیل کو جزیرۂ عرب سے بے دخل کرنے کے حیلے بہانے سوچ رہے تھے جس طرح آج نام نہاد اسرائیل کے صیہونی فلسطین کے عربوں کو کمزور سے کمزور تر بلکہ نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور نئے پرانے سامراجی بھی ان کی تائید وحمایت پر کمر بستہ ہیں اسی طرح یثرب وخیبر کے یہودی بھی اوس اور خزرج کو لڑا کر کمزور سے کمزور تر بلکہ نابود کرنے کے لیے سازشیں کرتے رہتے تھے (141)، وادیٔ بطحا پر بھی ان کی نظریں تھیں مگر بعثتِ نبوی نے سب کے ہوش اڑا دیئے تھے اور اب یہودی مشرکینِ مکہ سے ساز باز کر کے اس شجرۂ طیبہ کی بیخ کنی کی ناپاک تراکیب نکالنے میں لگ گئے تھے، پہلے مکہ کے ان پڑھ بت پرستوں کو الٹے سیدھے سوالات گھڑ کے بھیجتے تھے اور بزعمِ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاجواب کردینے کے منصوبے بناتے رہتے تھے، پھر ہجرت کے بعد قریشِ مکہ کو مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف اکساتے رہے، قریش کے ساتھ مل کر یہودی پورے جزیرۂ عرب کو اکسا کر غزوہ خندق کے موقع پر ایک طوفانِ بلاخیز بنا کر لے آئے مگر مشرکین مکہ ناکام ونامراد ہو کر مٹ گئے اور یہودی بھی اپنے کرتوتوں کے باعث ہمیشہ کے لیے جزیرۂ عرب سے جلاوطن ہو گئے تھے، آج بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال سامنے آ چکی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ آج دنیا بھر کے یہودی عالمی صیہونیت کے عزم کے ساتھ نئے اور

پرانے سامراجیوں کے کندھوں پر سوار ہو کر سرزمینِ ایشیا کے ایک خطہ مشرقِ وسطی میں انسانیت سوز مظالم توڑنے اور بدامنی پھیلانے کے لیے نام نہاد اسرائیل میں جمع ہو چکے ہیں مگر مکہ کے بت پرستوں کی جگہ بھارت کے بت پرستوں نے لے لی ہے، قیامِ پاکستان سے پہلے ہی ممبئی میں یہودی ہندو کانگرس کی شہ پر اپنا ایک مرکز بنا چکے تھے، بھارت کی آزادی کے بعد جواہر لال نہرو کی خفیہ اشیر واد سے اسی مرکز کو یہودی قونصل خانہ میں بدل دیا گیا اور ایک مدت تک ''عربوں کے دوست'' خصوصاً جمال عبدالناصر کے پیرومرشد جواہر لال نہرو کے سازشی سایہ میں بھارت-اسرائیل تعلقات خفیہ طور پر پروان چڑھتے رہے جو آج ایک مکمل حقیقت بن چکے ہیں اور ہمارے عرب بھائی بھی اپنی گزشتہ غلطیوں پر پچھتاتے اور پاکستان کو ناراض کر کے بھارت کو خوش کرنے کے رویہ پر شرمندہ ہوتے ہیں مگر ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''! تاہم مسلم ایشیا کو نئے اور پرانے سامراجی لوٹنے اور غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور بھارت اور اسرائیل انکل سام نمک حرام کے بغل بچے بن کر ان سامراجیوں کے گدھے گھوڑے کا کردار ادا کر کے اپنے اپنے من کو شانت کرنے کی فکر میں ہیں، بھارت کا بزدل مگر مکار برہمن امریکہ کے کندھے پر سوار ہو کر پاکستان کو ''درست'' کرنے کی آرزو پالے ہوئے ہے جبکہ اسرائیل کے یہودی عالمی صیہونیت کے خفیہ لباس میں انکل سام کے سہارے مشرقِ وسطی میں اپنے نئے پرانے ناپاک حسابات کھاتے درست کرنے کے عزائم لیے پھرتے ہیں (142) اب کے بھی غزوۂ احزاب کی طرح یہ نامراد انکل سام سمیت نئے اور پرانے سامراجیوں کی اندھی فوجی طاقت کو عالمِ اسلام پر ٹوٹ پڑنے کے لیے لے آئے ہیں، نام کچھ بھی ہو، اسے آپ جارج بش کے نام نہاد نو قدامت پسندوں کی کروسیڈ جنگ کہیں یا نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دیں، ہے یہ اسرائیل کے بدمست یہودیوں کی آخری کوشش اور بھارت کے مکار برہمن کی پاکستان کے خلاف بغل میں چھری اور منہ میں رام رام! اس مکروفریب، دسیسہ کاری اور چیرہ دستی کا انجام کیا ہوتا ہے؟ یہ ربِ جلیل قادرِ مطلق کے نظام نے فیصلہ کرنا

ہے! رہے عالمِ اسلام کے کرسی پرست بزدل حکمران تو وہ تو اپنے اپنے ملک کی پولیس اور فوج کی قیادت میں اپنے اپنے بے بس عوام کے خلاف صف آرا ہیں، اپنی پولیس اور فوج سے اپنی مسلم رعایا کا کچومر نکال کر اسلام دشمن نئے اور پرانے سامراجیوں اور ایشیا میں ان کے ''بغل بچوں'' کی جنگ لڑ رہے ہیں! یہ نام نہاد مسلمان حکمران اپنے اپنے ملک کے بازوئے شمشیر زن۔ پرعزم و پرجوش نوجوانوں کا اپنے ہاتھوں سے گلا کاٹ کر ان نئے اور پرانے سامراجیوں اور ایشیاء میں ان کے ''بغل بچوں'' کے بے تنخواہ نوکروں کا کام کر رہے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ صدیوں سے ان نئے اور پرانے سامراجیوں کے ہاتھوں بہنے والا نوجوان مسلم خون اب ایک سیلابِ بلاخیز بن چکا ہے جو ان سب کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا اور اسلامی دنیا کی سرزمین کا چپہ چپہ دہکتے ہوئے انگاروں کی شکل اختیار کر چکا ہے! اس لیے اب یہاں سامراجیوں، ان کے بغل بچوں اور ان کے مقامی گماشتوں کے پاؤں جلتے اور پگھلتے دکھائی دیں گے! اب تو روئے زمین پر یا تو عدل خداوندی کی چادر بچھے گی اور یا قیامتِ کبریٰ برپا ہوگی!

یہ بات ذرا پھیل کر لمبی ہوگئی لیکن آج کے انسان کے حوالے سے یہ بات بے محل بھی نہیں دراصل ہم بات کر رہے ہیں اس پیغامِ حق کی جو حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی طرف سے آخری بار انسانیت تک پہنچایا کہ وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی نے سب کو بنایا، سب کا خالق، مالک، رازق اور صانع وہی ہے اس لیے اس کے بنائے ہوئے سب بندے بھائی بھائی اور برابر ہیں، سب ایک ہی آدمِ خاکی کی اولاد ہیں، ایک ہی باپ کی اولاد حقوق و فرائض میں برابر اور یکساں ہوتی ہے، رنگ و نسل کا گھمنڈ اور غرور شیطانی صفت ہے، ہاں افضل و برتر صرف وہی بندہ ہے جو سب سے بڑا متقی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں کسی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوتا! لیکن اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور خلقِ خدا کی حق تلفیاں کرنے والا گھمنڈی اور مغرور اپنے کہ تو قومی پر اترانے کا کوئی حق نہیں رکھتا! عالمگیر انسانی برادری اور برابری اللہ تعالیٰ کی مرضی

ہے اور اسلامی اخوت و مساوات کا ایمانی و روحانی رشتہ اس کا ایک عملی نمونہ ہے! یہ نمونہ کبھی تو مکہ کے دارِ ارقم میں پروان چڑھا اور کبھی مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کے صفہ پاک میں مکمل ہوا، اس کا عملی مظاہرہ کبھی حبشہ کے شاہی دربار نے مشاہدہ کیا اور کبھی صفہ مسجد نبوی سے اٹھنے والی اسلامی تہذیب و تمدن اور مکارمِ اخلاق و محاسن اعمال کی پرعزم اور پرزور تحریک کی صورت میں دنیا نے دیکھا اور آج بھی دیکھ رہی ہے!

انسانی اخوت و مساوات یا دوسرے لفظوں میں عالمگیر برادری اور برابری کا پیغامِ حق اس وقت کے انسانوں نے بھی سنا اور آج کے انسان بھی سن رہے ہیں اخوت و مساوات کے عالمگیر دائرہ میں شمولیت ظہورِ اسلام کی دنیا کے لیے بھی ایک دعوتِ عام تھی اور آج بھی ہے، مفاد پرستوں نے اپنی خود غرضی، خود پرستی اور خود نمائی کا بھرم قائم رکھنے کے لیے اس دعوت کی براہِ راست کھل کر مخالفت کی جرأت تو نہ کی مگر اس پر پردہ ڈالنے اور اس کا رخ موڑنے میں لگے رہے اور آج بھی لگے ہوئے ہیں تاہم یہ دعوت براہِ راست نہ سہی مگر بالواسطہ طور پر انسانیت تک پہنچ گئی اور اسے ماننے منوانے کی بالواسطہ کوششیں آج کے ستائے ہوئے محروم مگر روشن ضمیر انسان کا تو مطمحِ نظر بن چکا ہے، رنگ و نسل کی بنیاد پر برتری کے دعووں کو مسترد کر دیا گیا ہے اور اقوامِ متحدہ کے مختلف اداروں کے علاوہ دیگر بین الاقوامی فورم اور انجمنیں اس سچ کو ماننے اور منوانے میں سرگرم ہیں اور اب وہ وقت سامنے آتا دکھائی دیتا ہے جب عالمگیر انسانی برادری اور برابری پر انسانیت ایمان لا رہی ہے اور اس پیغامِ حق کے اصل داعی کو بھی خود انسان دریافت کرنے والا ہے اور اس طرح بقول ایک ہندو شاعر آدمی کا بول بالا کرنے والے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سب کو ایمان لانا ہوگا۔

تاہم دنیا میں ایک کمیونٹی یا جمعیت ایسی بھی ہے جو روزِ اول ہی سے اس برادری اور برابری کی دعوت پر ایمان رکھتی ہے اور اس عالمگیر انسانی برادری اور برابری کو ماننے کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے مسلمان اخوت اور مساوات کے اس عمومی انسانی دائرہ کے علاوہ ایک خصوصی دائرہ — اسلامی اخوت و مساوات — پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ہمیشہ کی طرح

آج بھی اہلِ ایمان کی یہ روحانی و ایمانی قوت اخوت و مساوات دنیا کے لیے ایک سبق اور ایک عبرت ہے، لیکن اس خصوصی دائرہ پر گہری اور مفصل نظر ڈالنے سے پہلے یہاں چند ایک قرآنی اصطلاحات اور الفاظ کی تشریح و توضیح بے محل نہ ہوگی۔

بعض مصطلحات قرآنی کی تشریح

ان اصطلاحات و الفاظ میں سے ایک بلکہ سب سے اہم اور بنیادی اصطلاح تقویٰ ہے، تقویٰ ایک ایسی قرآنی اسلامی اصطلاح ہے جو روحِ اسلام کی حیثیت رکھتی ہے، اس کا نہ تو دنیا کی کسی زبان میں مترادف لفظ پایا جاتا ہے (اس لیے ایک لفظ سے اس کا درست اور ہمہ جہت ترجمہ بھی ناممکن ہے) اور نہ اس کی مثال یا نظیر کہیں اور مل سکتی ہے حتیٰ کہ خود عربی زبان میں بھی اس تقویٰ کا صحیح اور جامع صرف واحد مترادف لفظ موجود نہیں ہے، اس لیے اس وسیع اور جامع معنی کی حامل بے مثل اور بے نظیر قرآنی اصطلاح کو کسی ایک لفظ کے ذریعہ دنیا کی کسی زبان میں منتقل کرنا اور ادا کرنا ممکن نہیں ہے، اجتناب و پرہیزگاری، زہد و پارسائی، خوف یا ڈر جیسے الفاظ اس کے مفہوم و مدلول کے کسی ایک پہلو کو تو سامنے لا سکتے ہیں مگر اس کے وسیع اور جامع معنی کو مکمل طور پر ادا نہیں کرتے البتہ اس کا مفہوم یوں سمجھایا جا سکتا ہے کہ قرآنی اصطلاح میں تقویٰ سے مراد حقوق اللہ اور حقوق الخلق (صرف حقوق العباد کہنا کافی نہیں!) کی صحیح ادائیگی میں کمال کو تقویٰ اللہ کہا جائے گا، اس دعوے کی دلیل وہ جواب ہے جو بعض کبار صحابہ کرام نے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استفسار پر پیش فرمایا تھا، حضرت عمر عربی زبان کے نشیب و فراز پر کامل عبور رکھتے تھے اور انہیں شعر و ادب کا بھی اعلیٰ ذوق حاصل تھا بلکہ ان کے بعض ناقدانہ اقوال اور الفاظ تو آج کے عرب ناقدین فن کے لیے بھی قیمتی آراء اور مشعلِ راہ ہیں (143)، انہوں نے دریافت فرمایا تھا کہ یہ بتاؤ کہ تقویٰ کیا ہے؟ عرض کیا گیا: امیر المومنین سے بڑھ کر اور کون ہوگا جو تقویٰ کے مفہوم اور مدلول کو جانتا اور سمجھتا ہو؟ فرمانے لگے: نہیں میں آپ حضرات سے استفادہ کا آرزومند ہوں، عرض کیا گیا: تو پھر یہ فرمایئے کہ اگر آپ کو کسی ایسے

راستے سے گزرنا پڑے جس کے دونوں طرف کانٹے ہی کانٹے ہوں تو وہاں سے گزرتے ہوئے آپ کیا کریں گے؟ فرمایا میں اپنا دامن اچھی طرح سمیٹ کر اور بچ کر گزر جاؤں گا، عرض کیا گیا: امیر المؤمنین! یہی تو تقویٰ ہے! (144) گویا یہ دنیا ایک گزر گاہ ہے جس کے دونوں طرف اللہ تعالیٰ کے حقوق اور خلقِ خدا کے حقوق کے کانٹے ہی کانٹے ہیں جو بھی ان کانٹوں سے بچتے ہوئے حقوق کو بتمام وکمال ادا کرے گا وہی متقی ہے، دامن سمیٹنے اور سنبھالنے میں ذرا سی کوتاہی کے نتیجہ میں کسی نہ کسی طرف کے کانٹے سے دامن تقویٰ تار تار ہو جائے گا!

گویا اللہ جل شانہ کے نزدیک توحید ربانی پر ایمان اور وحدتِ نسلِ انسانی یا دوسرے لفظوں میں عالمگیر برادری اور برابری کے اس تصور کو جاننا اور ماننا کس قدر اہم اور بنیادی بات ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی تمہید "اتقوا" (تقویٰ اللہ اختیار کرو (145)) کے حکم سے ہو رہی ہے اور اس میں خطاب صرف مؤمنین سے نہیں بلکہ تمام انسانوں سے ہے، تو جو انسان اپنے خالق اور رازق کی اطاعت وعبادت کے ساتھ ساتھ خلقِ خدا کے حقوق کی ادائیگی میں کامل ہے وہی متقی ہے اور سب سے زیادہ عزت واحترام کا بھی وہی مستحق ہے، اور حقوق العباد میں سرِ فہرست عالمگیر برادری و برابری کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت ومساوات کو دل وجان سے ماننا اور اس پر عمل کرنا ہے! اسلام کے مطلوبہ انسانی معاشرہ میں ایسے ہی باکمال متقی افراد درکار ہیں، ایسے ہی ماحول میں اطمینان وسکون نصیب ہو سکتا ہے اور عالمی امن وسلامتی کی ضمانت بھی مل سکتی ہے!

اخوت ومساوات۔مذکورہ دونوں دائروں میں۔خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی امتیازی خصوصیت اور شان بھی ہے، اور ختمِ نبوت کی دلیل بھی ہے کیونکہ یہ عالمگیر برادری اور برابری کا پیغام حق دوام وثبات کا تقاضا کرتا ہے اس لیے یہ رسالتِ مصطفوی۔علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔بھی اس جہت سے دائمی اور آخری ہے! یہ برادری اور برابری انسانی فطرت بھی ہے، ہر انسان کی فطرت کا ہمیشہ یہی تقاضا رہا ہے اور رہے گا، اس بھائی چارہ اور

اس برابری کے بغیر انسانیت ادھوری، بے مزہ، بے رونق بلکہ بھوکی اور پیاسی ہے اور یہ منفرد اور امتیازی پیغام صرف رسولِ عربی ﷺ کا ہے جس نے آدمی کا بول بالا کر دیا ہے۔

اس سلسلے کی دوسری اصطلاح اخوت (الف اور خا کے پیش کے ساتھ، واؤ مشدد ہے) جس کے لغوی معنی بھائی ہونا یا بہن ہونا ہیں، اخ (الف کی زبر کے ساتھ) بمعنی بھائی اور اخت (الف کا پیش اور خا ساکن ہے) بمعنی بہن اسی اخوت سے مشتق ہیں، اخوت کی دیگر اشکال بھی ہیں جو بطور مصدر بھی مستعمل ہیں اور ماضی مضارع کے علاوہ دیگر مشتقات بھی عربی زبان میں مروج اور مستعمل ہیں جیسے اِخاء (الف کی زیر) مواخات (میم کے پیش کے ساتھ) جو باب مفاعلہ کے مصادر ہیں اور تآخی (تا کی زبر ہے) جو اخوت سے باب تفاعل ہے (146)! اخوت (بھائی ہونا یا بہن ہونا) سگے بھائی کے لیے بھی ہے اور سوتیلے بہن بھائی ہونا بھی لغت میں آیا ہے (147)۔ یہاں تیسرا لفظ محتاجِ تشریح مساوات (مساواۃ) ہے، یہ بھی باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں: برابر ہونا، ہم پلہ اور ہمسر ہونا، قرآنِ کریم سے اگرچہ وحدتِ نسلِ انسانی کی طرح مساواتِ آدمیت کا تصور بھی ثابت ہے مگر یہ لفظ قرآن کریم میں اس شکل میں وارد نہیں ہوا، اگرچہ احادیثِ نبویہ میں یہ لفظ اور اس کے متعلقات بکثرت وارد ہوئے ہیں، فرمانِ نبوی ہے: الناس سواسية كاسنان المشط یعنی تمام انسان اسی طرح برابر و ہم پلہ ہیں جس طرح کنگھی کے دندانے ہوتے ہیں! گویا آدمِ خاکی کی اولاد میں رنگ و بو کا امتیاز اور نسل و نسب کی برتری کا دعوی کرنے والے سخت غلطی پر ہیں، وہ دراصل اپنے نیست و نابود ہونے کی راہ پر چل رہے ہوتے ہیں، مسلمانوں کی اپنی تاریخ کے علاوہ اقوامِ عالم کی تاریخ بھی اس حقیقت پر گواہی دے رہی ہے، اس تفریق و امتیاز کا دعوی جب کوئی گروہ کرتا ہے تو یا تو وہ ابوجہل اور بنو امیہ کے سے حشر سے دوچار ہوتا ہے اور یا کوئی نیلسن منڈیلا آ کر اسے ذلت و رسوائی کے گڑھے میں دفن کر دیتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں جب کوئی مارٹن لوتھر کنگ جونیئر بن کر آدمِ خاکی کی اولاد کو بھائی بھائی کے عالمگیر رشتۂ اخوت و مساواتِ انسانی یا تمام گوروں اور کالوں

کی برادری اور برابری کا خواب دیکھتا اور اس راہ میں اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیتا ہے تو وہ کسی نہ کسی ''بارک اللہ حسین او باما'' کی راہ ہموار کر جاتا ہے اس کے برعکس جب کوئی بزعم خود ''یا ھو'' کی محبوب و منتخب قوم ہونے کا دعوی کرتا ہے یا انسانی معاشرہ کو طبقاتی تقسیم کی لعنتوں میں جکڑ کر دراوڑ اکثریت کو اچھوت بنا کر خود برہمن بن جاتا ہے تو وہ اپنے گردوپیش اور دنیا بھر کے امن وسلامتی کے لیے خطرے اور بے چینی کا سامان پیدا کرتا ہے اور بالآخر اپنے نیست و نابود ہونے کا سامان بھی کر لیتا ہے، نسلی برتری اور آدمِ خاکی کے فرزندوں کی تحقیر کرنے والے ابلیس کے انجامِ بد کے سوا تاریخ انسانی کسی اور انجام سے آشنا ہی نہیں!

قوم پرستی اور مسلمان

اس ''انجامِ بد'' سے بچنے کی صورت صرف شیطانی تکبر و غرور سے تائب ہونے اور آدمِ خاکی کے فرزندوں کی عالمگیر برادری اور برابری پر ایمان لانے میں مضمر ہے، مسلمان قوم کو تو یہ نسلی برتری کی رعونت زیب دیتی ہے نہ بچ سکتی ہے اور نہ اسے کوئی طاقت فوری انجامِ بد سے بچا سکتی ہے، یہ مسلم سپین کے عرب وبربر ہوں، مشرقِ وسطی کے ترک، عرب ہوں یا پاکستان اور بنگلہ دیش کے نادان ہوں، بقول اقبال (148):

جو کرے گا امتیازِ رنگ وخوں مٹ جائے گا ترک خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر!
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگذر!

اسلام جس عالمگیر برادری اور برابری یا اخوت ومساوات کا علمبردار ہے اس میں قرابت نسب یا صلہ رحمی کے انقطاع کی اجازت بھی نہیں ہے بلکہ ذوی القربی کی مودت، وفا اور تحفظ (149) کا حکم ہے اور اس میں مذہب وعقیدہ کی تفریق کی بھی اجازت نہیں، مشرک بت پرست ماں باپ کی ہر خواہش پوری کرنے اور ہر حکم ماننے کی تاکید ہے، ہاں صرف ایک حکم نہیں مانا جائے گا اور وہ یہ کہ اگر والدین کفر و شرک کا حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی (150)! لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ قطع رحمی کا سب سے پہلا عملی اقدام خود ان لوگوں سے ثابت ہے جو خاندانی حسب ونسب اور قبائلی وقومی غرور اور گھمنڈ

میں مبتلا تھے اور قرآنی تصور وحدتِ نسل انسانی یا دوسرے لفظوں میں آدمِ خاکی کے فرزندوں میں عالمگیر برادری اور برابری کے مخالف اور منکر تھے، سب سے پہلے قریشِ مکہ کے نسل پرستوں نے اپنے اپنے قبیلے کے مسلمانوں پر مظالم توڑے، اذیت پہنچائی اور بالآخر گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، حتیٰ کہ سردار قریش ابوسفیان نے بھی اپنی لختِ جگر شہزادی حضرت امِ حبیبہ کو عشقِ مصطفوی کی سزا دینے، اذیت پہنچانے اور آخر کار اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرتِ حبشہ پر مجبور کر دیا، نفرت و حقارت کی حد ہو گئی کہ یہی شہزادی جب جلاوطنی میں بیوہ ہو کر بے یار و مددگار ہو گئی تب بھی ابوسفیان نے ان کی خبر گیری نہ کی حالانکہ نجاشی شاہِ حبشہ ابوسفیان کا دوست تھا اور وہ اس سے سرپرستی کی درخواست بھی کر سکتا تھا۔(151)

قبائلی نخوت و غرور اور خاندانی گھمنڈ کے خوگر کٹر بت پرستوں نے اپنے خون، گوشت پوست اور نسبی رشتہ داروں کا معاشرتی مقاطعہ (Social Boycott) کرنے سے بھی گریز نہ کیا، صرف اسلامی عقیدہ و ایمان اور عالمگیر برادری اور برابری کا قائل ہونے کی سزا کے طور پر انہیں شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا مگر مسلمان کو اپنے غیر مسلم رشتہ دار سے اس قطع رحمی کی اجازت بھی نہیں، قریشِ مکہ نے اپنے مسلمان رشتہ داروں کو ٹھکرا کر اپنے سے الگ کر دیا تھا تاہم اس میں حکمتِ ربانی یہ نظر آتی ہے کہ اس روش سے یہ ثابت ہو جائے کہ نسبی اخوت کا رشتہ وسیع تر اسلامی اخوت کے روحانی اور ایمانی رشتہ کے مقابلہ میں ایک تنگ دائرۂ اخوت ہے، اہلِ ایمان کو اس تنگ اور کمزور رشتہ پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، اس کے برعکس اسلامی اخوت وسیع تر اور عالمگیر رشتہ بہترین رشتہ ہے، صرف ان حدود و قیود سے پاک رشتہ اخوت پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے، ہجرت فی سبیل اللہ کی طرح اخوت فی دین اللہ بھی اہلِ ایمان کے لیے محبت باہمی اور انسیت کا لازوال رشتہ ہے، صرف اسی پر تکیہ کرنا چاہیے، ایمان سب سے بڑی اخوت ہے اس لیے یہ ایمانی رشتہ بھی اسی طرح مضبوط رشتہ ہے۔

افلاس و غلامی اور عالمگیر برادری

انسانی اخوت و مساوات یا عالمگیر برادری اور برابری کے قرآنی فلسفہ کو سمجھنے کے لیے

تین اور قرآنی الفاظ واصطلاحات کی وضاحت بھی بے محل نہ ہوگی، اگرچہ متعلقہ آیات کا اردو ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے تاہم یہ تکرار ناگوار ہونے کی بجائے قندِ مکرر کا کام دے گا، ان الفاظ کا تعلق سورۃ البلد کی ان آیات سے ہے جن میں ربِ کریم نے احسن تقویم میں ڈھلے ہوئے انسان کے ظاہری حسن و جمال کی نعمتِ عظمٰی کا ذکر فرمایا ہے مگر اللہ تعالیٰ رحمٰن و کریم کو اس ناشکرے انسان سے گلہ ہے کہ انسان کو غلامی اور بھوک سے نجات دلانے کا مشکل ترین فریضہ انجام دینے میں کوتاہی کا مظاہرہ کیا گیا ہے! کیا خوب فرمایا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ الخلق عیال اللہ وأحب الخلق الیہ من احسن الی عیالہ (یہ مخلوق تو اللہ رحمٰن و کریم کے لیے کنبے کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ رب کریم کو اپنے بندوں میں سے وہی بندہ محبوب وعزیز ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے!!) آدمِ خاکی کو اپنے دستِ اعجاز سے پیدا فرمایا اور پھر اس کی اولاد کو اپنا کنبہ قرار دیا، یہ ربِ کریم کا فرزندانِ آدم پر احسان ہے کہ اس نے ان کی عالمگیر برادری اور برابری کو لازم ٹھہرایا، پھر اس کی آزادی اور خوشحالی کو ہر انسان کے ذمہ اپنا خصوصی فریضہ قرار دیا جسے ناشکرے انسان نے ادا نہ کیا! ہمیشہ کی طرح آج کے انسان کی بھی بنیادی ضرورتیں صرف دو ہیں باقی سب ضرورتیں ان دو ضرورتوں کے تابع ہیں (1) پہلی ضرورت عزت اور آزادی کی خوشحال زندگی ہے، ہر فرزندِ آدم عزتِ نفس کا بھوکا ہے جس کا بہترین مظاہرہ آزادی کی زندگی ہے (2) دوسری ضرورت بھوک، غربت اور افلاس سے چھٹکارا ہے، اسی فریضہ کو ربِ کریم نے ''عقبہ'' کہا ہے جس کے معنی ہیں بے حد مشکل گزرگاہ والی گھاٹی! غلاموں کا طوقِ غلامی کاٹ دینا، بھوک اور افلاس کے مارے ہوئے یتیموں اور خاک سے پیوند رکھنے والے مسکینوں کی خبر گیری کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے جسے وہ اپنی کتابِ عظیم میں ''عقبہ یا گھاٹی'' عبور کرنے سے تعبیر کرتا ہے، گویا یہ کام کوہِ ہمالیہ کی چوٹی سر کرنے کے مترادف ہے، عقبہ عربی زبان میں بلند پہاڑ، حوصلہ شکن رکاوٹ یا گھاٹی کو کہتے ہیں، سغب یا مسغبہ نڈھال کر دینے والی بھوک کو کہتے ہیں، متربہ کے معنی ہیں خاک آلود ہونا اور خاک میں لپٹا ہوا ہونا (152) یعنی

غربت، افلاس اور بھوک کے مارے جو مسکین زمین پر پڑا ہوا ہے اور اس قدر نڈھال ہے کہ حرکت کے قابل کیا بالکل موت کے منہ میں جانے کو ہے تو ایسے بے کس یتیم اور بے بس مسکین کی خبر گیری، انہیں بھوک اور مسکنت سے نجات دلانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی سخاوت اور انسانیت کی معراج ہے، قرآن کریم کا تصورِ وحدتِ نسلِ انسانی جس عالمگیر انسانی برادری اور برابری یا اخوت و مساوات کا داعی اور علمبردار ہے وہ روئے زمین سے بے کسی و بے بسی، فقر و محتاجی، غلامی اور استحصال کی تمام صورتوں کو نابود کر سکتی ہے! عالمگیر انسانی برادری اور برابری کی یہ اسلامی تحریک نسل پرستی، حسب و نسب کے غرور کو حرف غلط کی طرح ہر حال میں دنیا سے محو کر دینے کی داعی اور علمبردار ہے!!

قرآن کریم کے تصورِ وحدتِ نسلِ انسانی کی بنیاد پر جو اخوت و مساوات قائم ہوتی ہے اسے ہم عالمگیر اخوت و مساوات یا برادری اور برابری کا عنوان دیتے ہیں، قرآن کریم کا یہ عالمگیر پیغام برادری و برابری دنیا میں عام تو ہو چکا ہے اور اسے تمام عالمِ انسانیت جان بھی چکا ہے مگر اسے عالمی سطح پر تسلیم کرنے کی راہ میں نسلی غرور کے پرستار اور چھوت چھات سے سرشار بعض انسانیت دشمن گروہ، خفیہ طور پر ہی سہی، حائل ہونے میں کوشاں ہیں مگر اقوامِ متحدہ سمیت دیگر عالمی فورم ان مذموم کوششوں کو ناکام بنا کر دم لیں گے، اہلِ اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان اداروں سے نہ صرف پورا پورا تعاون کریں بلکہ انہیں مزید تقویت اور استحکام دینے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں کیونکہ رسول عربی ﷺ نے انسانیت کا بول بالا کرنے کی جو تعلیم دی اور اپنے قول و عمل سے جو پیغامِ حق تمام انسانیت تک پہنچا دیا ہے اسی میں نجات ہے اور عالمگیر برادری اور برابری کے آرزو مند انسان نے جس دن یہ حقیقت دریافت کر لی اس دن سب دنیا رحمۃ للعالمین ﷺ کو ماننے اور ان پر ایمان لانے کو بھی تیار ہو جائے گی کیونکہ آج کا انسان اس عالمگیر برادری اور برابری کا آرزو مند اور محتاج ہے عالمِ اسلام کو بھی اخوت و مساوات کے اس عالمگیر اور وسیع تر دائرہ کو دنیا کے لیے عام کرنے اور اپنانے کے لیے سر توڑ کوشش کرنا چاہئے!

اسلام کے تصورِ اخوت و مساوات کا دوسرا دائرہ بھی عالمگیر تو ہے مگر یہ افرادِ امتِ اسلامیہ کے لیے خاص بھی ہے، جس دن تمام انسان اسلام کے اس تصور کو مان گئے اس دن یہ خصوصیت بھی عمومیت میں بدل جائے گی، جب رنگ و نسل کے جھگڑے ہی ختم ہو گئے اور تمام دنیا نے یہ پیغامِ اخوت و مساوات دینے والے اور انسانیت کا بول بالا کرنے والے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر مان لیا تو وہ دن انسانیت کی عید اور صبح آزادی کا دن ہوگا اور یہ دن آ کر ہی رہے گا!! اسلامی اخوت و مساوات کا انسانیت دوست اور شفقتوں اور رحمتوں سے لبریز پیغامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ آدم کا حق بھی ہے اور مقدر بھی! تاہم اسلامی معاشرہ کا تو یہ عقیدہ اور شعار بھی ہے اور امتیازی شان بھی!

مواخاتِ مکہ و مدینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اخوت و مساوات کا رشتہ قائم فرمایا اس کا عملی اظہار صرف مواخاتِ مدینہ کی شکل میں ہی سامنے نہیں آیا تھا بلکہ مکی عہدِ نبوی میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقین اولین کو اس رشتہ اخوت کی لڑی میں پرو دیا تھا، اسلام نے چونکہ رنگ و نسل اونچ نیچ اور آقا و غلام کے تعلق کو ختم کر دیا تھا، خاندانی حسب و نسب کے بے جا غرور اور آبا و اجداد پر فخر کی روش کو غلط قرار دے کر مٹا دیا تھا اس لیے دنیا کی اس روش کو منسوخ کر کے اس سے بہتر روش کو اپنانے کا حکم دیا گیا تھا، ازروئے قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی سنت و فطرت یہ ہے کہ وہ جب ایک روش کو منسوخ فرماتا ہے تو اس کی جگہ لینے والی روش (ناسخ) پہلی یا منسوخ ہونے والی روش سے بہتر ہوتی ہے یا کم از کم اس کے برابر تو لازماً ہوتی ہے (153)، چنانچہ رنگ و نسل کو منسوخ کرنے والی روش۔اخوت و مساوات۔کا افضل و برتر ہونا قدرتی بات تھی، یہ روش دراصل اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روش ہے جو اس نے اپنے کرشمۂ تخلیقِ آدم اور اولادِ آدم کے لیے متعین اور پسند فرمائی تھی، رنگ اور نسل کا غرور تو شیطانی روش ہے جو ابلیس لعین نے آدمِ خاکی کے مقابلے میں اپنائی تھی، اولادِ آدم کی شان تو یہ ہے کہ وہ رنگ و نسل کی ابلیسی روش پر لعنت بھیجے اور

اخوت و مساوات کی رحمانی روش کو اپنا لیتے ہیں، رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو یہی پیغام اور یہی دین ہے، سب سے پہلے مکہ مکرمہ کے دارِ ارقم میں (جو مسلمانوں کا اولین جماعتی مرکز (Community center) اور اس وقت کے اہلِ مکہ کی زبان میں دار الاسلام یعنی اسلام کا مرکز اور گھر کہلاتا تھا (154)) رشتہ مواخات عمل میں آیا اور اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننے والے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے والے مسلمان اسلامی اخوت و مساوات کے صدقے آپس میں بھائی بھائی اور ہم پلہ و برابر قرار پا گئے (155) اس رشتۂ اخوت و مساوات کے اہم ترین مقاصد تین تھے۔

(1) بلادِ عرب میں قبائلی نظام اپنی بدترین شکل میں پختہ اور اٹل تھا، قبیلے کے ہر شخص کو اپنے سردار کے حکم کے تابع ہونا لازم تھا، روگردانی یا مخالفت کو بغاوت تصور کیا جاتا تھا، قبیلے کے رسم و رواج پر سختی سے عمل پیرا ہونا پڑتا تھا، قریش کے ہاں تو یہ قبائلی روایات و تعصبات پختہ عقائد کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے کسی فرد کا مسلمان ہونا بغاوت متصور ہوتا تھا اور مسلمان ہونے والے فرد قبیلہ کے لیئے ظلم اور اذیت کی دعوت دینے کے مترادف تھا، خواہ مسلمان ہونے والی رملہ بنتِ ابوسفیان (ام المؤمنین اِم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (156)) ہی کیوں نہ ہوں! اس طرح اسلام قبول کرنے والے اپنے قبیلے کے معتوب و مبغوض لوگوں کے لیے ایک الگ مرکز اور ایک خاص رشتہ و تعلق درکار تھا، چنانچہ دار الاسلام دارِ ارقم مسلمانوں کا ایک الگ جماعتی مرکز قرار پایا اور اسلامی اخوت و مساوات کو ان کے لیے ایک خاص رشتہ قرار دیا گیا۔

(2) مکہ مکرمہ میں ظہورِ اسلام کے وقت بے کس اور بے سہارا معاشرہ کے پسے ہوئے اور رنگ و نسل کے غرور کے ستائے ہوئے لوگوں کے علاوہ زیردستوں اور غلاموں کے لیے بھی توحیدِ ربانی اور وحدتِ نسلِ انسانی کی دعوتِ حق میں بڑی کشش تھی، اسلامی اخوت و مساوات کا مقدس رشتہ ان کے لیے راحت و مسرت کا پیغام تھا جو ان میں ہر ظلم سہنے اور ہر اذیت سہنے کا وسیلہ بھی ثابت ہوا، ان بے کس و بے سہارا روحوں کے لیے یہ پیغامِ اخوت

و مساوات تسکینِ قلب اور تقویت ایمان کا باعث بھی تھا۔

(3) قریش کے متعصب، تنگ نظر اور مغرور قبائل نے اپنے مسلمان ہونے والے افرادِ قبیلہ کو راندہ درگاہ اور معتوب قرار دیکر اذیت رسانی کے ساتھ ساتھ معاشرتی مقاطعہ (Boycott) سے بھی دوچار کر دیا تھا اس لیے قدرتِ ربانی نے رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے لیے سنت انبیاء اور اہلِ حق کی راہ اختیار کرنے کا بھی فیصلہ کر دیا تھا اور اب ہجرت فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اپنا دین وایمان بچانے کے لیے، وطن، گھر بار اور عزیز و اقارب چھوڑ دینے کا وقت بھی آ گیا تھا اس لیے ہجرت کی راہ پر چلنے اور غریب الدیار ہو کر کسی نامانوس جگہ پناہ لینے کے لیے ایک ایسا ایمانی و روحانی رشتہ درکار تھا جو اہلِ ایمان کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ انس ومحبت اور تعاون و ہمدردی کا وسیلہ ثابت ہو چنانچہ اسلامی اخوت و مساوات ہی مسئلہ کا صحیح حل تھا! ہجرتِ حبشہ کے موقع پر بھی یہی رشتہ باہمی انس و ہمدردی اور تعاون و غمخواری کا بہترین وسیلہ ثابت ہوا۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد مہاجر اور مقامی کا فرق ایک نیا چیلنج ہو سکتا تھا مگر اس کا جواب بھی توحیدِ ربانی اور وحدت نسلِ انسانی کے تصور کی بنیاد پر قائم اور ہجرت فی سبیل اللہ کی طرح اخوت فی اللہ (اللہ کی خاطر بھائی بھائی ہونا) اور اخوت فی دین اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین میں بھائی بھائی بننے پر ایمان ہی کام آیا، مکہ مکرمہ میں تو امیر غریب، بڑے اور چھوٹے، غلام اور آقا کے امتیازات کو مٹانا مقصود تھا، مگر مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد غریب الدیار یا مہاجر کے مقابلے میں مقامی یا مقیم ہونے کا چیلنج سامنے تھا، مگر اوس اور خزرج کے جانثاروں نے اپنے لیے ''مقامی'' اور غریب الدیار بھائیوں کے لیے ''پناہ گزین'' کے الفاظ بھی گوارا نہ کیے بلکہ خود کو ان بھائیوں کا مددگار (انصار واحد ناصر) کہلانا پسند کیا اور مہاجر (اللہ تعالیٰ کی خاطر ہر چیز ٹھکرا کر اور ہر رشتہ پر لات مار کر نکلنے والے) کے لقب سے یاد کیا، قرآن کریم نے بھی انہیں المہاجرون (ہجرت کرنے والے) اور الانصار (مدد کرنے والے۔ کام آنے والے) کے الفاظ اور القاب سے یاد کیا (157)، اس نئی صورتِ حال

سے دشمنانِ اسلام - کفارِ مکہ، یہودی اور منافقین - ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکتے تھے مگر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بدخواہوں اور بدنیتوں کو کسی قسم کی مہلت ہی نہ دی، یثرب میں آتے ہی میثاقِ مدینہ کی صورت میں اولین اسلامی ریاست کا آئین دیا جو آج تاریخ انسانی کا پہلا تحریری دستور بھی ہے اور جس نے کسی رنگ و نسل اور عقیدہ و مذہب کی تفریق و امتیاز کے بغیر سب کو برابر کا شہری مانا اور برابر کے حقوق و فرائض عطا کیے، نام نہاد سیکولرازم والے تو آج بھی لوگوں کو (خصوصاً مسلمانوں کو) عقیدہ و مذہب کی آزادی دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں! لیکن مدنی عہدِ نبوت کا ایک عظیم الشان کارنامہ ایک بار پھر اسلامی اخوت و مساوات کا اقدام ہے جسے مؤرخین اسلام مواخاتِ مدینہ یعنی مدینہ منورہ میں رشتۂ اخوت و مساواتِ اسلامی میں پرونا قرار دیتے ہیں۔ (158)

مواخات مدینہ

اس مواخاتِ مدینہ کے ضمن میں بھی کچھ باتیں ذہن میں رکھنا ضروری ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ مواخات اور بھائی چارہ کا یہ سلسلہ وقفے وقفے سے حسبِ موقع مسلسل جاری بھی رہا اور اس کی بار بار تجدید و تاکید بھی ہوتی رہی، جیسے ہی کوئی مکی مہاجر ہجرت فی سبیل اللہ کے لیے مکہ یا حبشہ سے آتا اسے فوری طور پر اور سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رشتۂ اخوت میں منسلک فرما دیتے، جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آئے تو انہیں انصار کے ایک متمول سردار حضرت سعد بن ربیع انصاری کا بھائی بنا دیا گیا یا سنہ آٹھ ہجری میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حبشہ سے تشریف لائے تو انہیں بھی فوری طور پر مواخات کی اس نعمت سے نواز دیا گیا اور وہ حضرت معاذ بن جبل کے بھائی بنا دیئے گئے (159)، اسی طرح مواخات کی تجدید و تاکید بھی مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں ہوتی رہی، گویا توصیۂ بالحق اور توصیۂ بالصبر کے قرآنی فرمان (160) کے مطابق اس رشتہ اخوت کی تازگی اور تقویت کے لیے بھی مسجد نبوی میں اور کبھی کسی صحابی کے دولت خانہ پر تاکید و یاددہانی کے لیے رشتہ مواخات کی تجدید ہوتی رہی یا بالخصوص یہودی فتنہ گروں اور شرپسند منافقین کے اکسانے پر ایک

مرتبہ اوس اور خزرج کے لوگ پرانی عداوتوں کو یاد کروانے پر تلواریں نکال کر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے مگر رسول اللہ ﷺ موقع پر تشریف لے گئے اور انہیں اخوت اسلامی کے روحانی اور ایمانی رشتہ کی تذکیر و تلقین فرماتے رہے یہاں تک کہ تمام تلواریں میانوں میں آ گئیں اور انصار کے لوگ شرمندگی اور احساسِ ندامت سے دھاڑیں مار مار کر روتے اور آنسو بھی بہاتے رہے! اس میں مسلم زعماء، اہلِ فکر اور اہلِ علم کے لیے بھی سبق ہے کہ وہ اسلامی اخوت و مساوات کا درس دیتے ہوئے انسانی اور اسلامی برادری اور برابری کے رشتوں کو تواصی بالحق و تواصی بالصبر کی طرح مضبوط تر کرتے رہیں کیونکہ غفلت و جہالت کے باعث رنگ و نسل اور فکر و عقیدہ کے نام سے ابلیسی جذبات بھڑکائے جا سکتے ہیں جنہیں صرف دردمندانہ تاکید و تلقین اور تواصی ہی سنبھال سکتی ہے (161)!

جس طرح آدمیت کا بول بالا کرنے والے اور کسی قسم کی تفریق و امتیاز کے بغیر اولادِ آدم کی تکریم و احترام کو منشائے ربانی قرار دینے والے مربی و معلم رسول ﷺ نے مکہ مکرمہ کے دارِ ارقم اور مدینہ منورہ کے صفہ مسجد نبوی میں انفرادی توجہ اور تربیت اور تزکیہ نفوس کے بے مثال اور بے نظیر انداز سے صحابہ کرام کی ایک ایسی انقلابی جماعت تیار کر کے فکر و دانش کی دنیا کو محوِ حیرت اور اپنی خوشہ چینی کا محتاج بنا دیا جس نے صرف ربع صدی کے اندر دنیا کے پسماندہ ترین خطے جزیرہ عرب کو امن و محبت کا گہوارہ بنا دیا وقت کی دو سپر پاورز- روم اور ایران- کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا اور ایک عظیم الشان خلافتِ ارضی اور روح پرور تمدن کی تعمیر کر دی تھی جو رہتی دنیا تک ایک قابلِ رشک اور قابلِ تقلید نمونہ ہے، اسی طرح اخوت و مساوات کے نظام سے بھی دنیا کو دنگ کر دیا گیا تھا، اس انوکھے مگر انسانیت دوست نظامِ اخوت و مساوات نے بہتوں کو حیرت میں ڈال دیا مگر بعض کو حسد کی آگ میں بھون کر بھی رکھ دیا تھا اور وہ آج تک اسی حسد کی آگ میں جلے اور بھنے جا رہے ہیں تاہم فکر و فلسفہ سے قطعی ناآشنا اور سادہ دل عربوں کے دلوں کو تو اس مقدس رشتہ نے گویا جذبات کے ایک بحرِ متلاطم میں ڈال دیا تھا، خصوصاً اوس اور خزرج کے لوگ جو یہودیوں سے نبی منتظر کی آمد

کی خوشخبریاں سنتے آرہے تھے اور آج اسی خاتم الانبیاء رسول اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مہاجرینِ مکہ کے استقبال و میزبانی سے پھولے نہیں سماتے تھے، تاریخ نے ایسے ایسے روح پرور، دلکش اور حیرت انگیز مناظر ریکارڈ کیے ہیں جو اسلامی اخوت کو زندۂ جاوید مظہر و منظر بنا گئے اور اہلِ ایمان کے لیے دل افروزی اور ایثار و قربانی کے انمٹ نقوش ثبت کر گئے ہیں!

انصارِ مدینہ کی ایک جماعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور التجا کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! از راہِ کرم ہمارے باغات، ہماری زمینیں اور ہماری جائیدادیں مہاجرین و انصار میں نصف نصف بانٹ دیجئے! مگر رسولِ آدمیت و دلنوازی شاباش اور تحسین کے بعد صرف یہ فرماتے ہیں کہ بس تم صرف ایک بار اپنے باغات و اراضی کی پیداوار اپنے بھائیوں کو آدھی آدھی دے دو تو کافی ہوگا اور ایسا ہی ہوا!

ایک غریب انصاری اپنے مہاجر مہمان کی خدمت کے جذبۂ شوق میں اسے اپنے گھر لے گیا اور گھر کا تمام کھانا اپنے بھائی کو کھلا دیا اور خود بھوکے رہے! ایثار و قربانی کا یہ جذبہ پاک وحی ربانی کو جوش میں لاتا ہے اور اللہ جل شانہ کی طرف سے اس کی تحسین فرمائی جاتی ہے کہ "وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (یہ انصاری اپنے مہاجر مہمانوں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بھوکے اور محتاج رہ جاتے ہیں (162))!"

کس قدر حیرت انگیز منظر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آتے ہیں تو انہیں ایک خوشحال، فارغ البال مگر صاحبِ دل سخی انصاری سعد بن ربیع کا بھائی بنا دیا جاتا (163) ہے، تو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ انہیں آدھی جائیداد پیش کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ میں آپ کی خاطر اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دینے کے لئے بھی تیار ہوں! مگر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ایک ہنرمند اور محنتی انسان تھے، کہا بھائی! مجھے صرف بازار کا رستہ دکھا دیجئے باقی تمہاری جائیداد اور اہل خانہ میں اللہ تعالیٰ برکت دے۔

ابتدائی دور کے سیرت نگار صرف مواخاتِ مدینہ کا ذکر کرتے ہیں مگر مکہ مکرمہ میں انجام

پانے والی مواخاتِ مکہ کا ذکر نہیں کرتے، تاہم بعد کے سیرت نگار اور تراجمِ صحابہ کے جلیل القدر امام وضاحت سے لکھتے ہیں کہ مواخات مکہ مکرمہ میں بھی ہوئی اور پھر مدینہ منورہ میں بھی ہوئی (164)، حالات کا تقاضہ بھی یہی تھا اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ ہجرت کے فیصلہ سے پہلے اور ہجرت فی سبیل اللہ کی کٹھن راہوں اور منزلوں کو بخوشی برداشت کرنے کے لیے قدرتِ ربانی اور نگاہِ نبوت نے دیگر تمہیدی اقدامات کی طرح اسلامی اخوت کا درس بھی دے دینا تھا اور دے دیا گیا، قبائلی تفاخر اور خاندانی حسب ونسب پر اترانے کو اسلام نے مسترد کر دیا تھا، دینِ آباء کی پیروی کو بھی ٹھکرا دیا گیا تھا، قریش کے دباؤ اور اذیت رسانی نے مٹھی بھر سابقین اولین کو دارِ ارقم میں یک جا کر کے انہیں ایک الگ اور مستقل برادری بنا دیا تھا، دارِ ارقم میں نبی رحمت ﷺ کے نزول کے سایہ میں پروان چڑھنے والی مسلم جمعیت آپس میں بھائی بھائی ہی تھے، رسولِ اخوت ومساوات ﷺ دنیا سے رنگ ونسل پرستی کو مٹا کر انسانیت کو ایک عالمگیر برادری میں ڈھالنے کے لیے آئے تھے، امیر غریب، بڑے چھوٹے اور آقا وغلام کی تفریق اور امتیاز کو مسترد کر کے محبت مودت اور ایمان واخلاص کی بنیاد پر مسلم جمعیت کو ایک بنیانِ مرصوص بنا دینا تھا اور یہ کام روزِ اول ہی سے شروع ہو گیا تھا اور اس پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی اخوت اور مساوات کا عملی مظاہرہ اپنے گھر سے کر دیا تھا جب اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کی شادی کرادی تھی (75)

مواخاتِ مدینہ کب ہوئی؟

بزرگانِ سلف میں سے جن لوگوں نے اسلامی اخوت سے متعلق جو اظہارِ خیال فرمایا ہے اس کا ایک جائزہ بھی یہاں پر بے محل نہ ہوگا، الواقدی مغازی رسول اللہ یعنی غزواتِ نبوی کا مؤرخ ہے اور صاحب طبقات محمد بن سعد کا شیخ واستاذ بھی ہے، وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ مواخاتِ مدینہ کا واقعہ ہجرتِ نبوی کے فوراً بعد (تین ماہ، پانچ ماہ، نو ماہ یا ایک سال گزرنے کے بعد) پیش آیا، اس مواخات میں غزوہ احد کے بعد اسلام قبول کرنے والے

حضرت سلمان فارسی ﷺ یا بدر واحد کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آنے والے ابوذر غفاری ﷺ بلکہ سنہ آٹھ ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر حبشہ سے واپس آنے والے حضرت جعفر طیار ﷺ مواخاتِ مدینہ میں کیسے شریک سمجھے جائیں؟!۔ الواقدی چونکہ محض مؤرخ ہے اور ہجرت فی سبیل اللہ کی طرح مواخات فی دین اللہ کے اسرار ورموز سے بھی واقف نہیں معلوم ہوتا، جیسا کہ اسلامی اخوت ومساوات کے مقاصد کے ضمن میں وضاحت ہوئی، اخوت یا بھائی چارہ تو اسلامی معاشرہ کی اقدار وشعائر میں سے ہے اور ایک ایسا سلسلہ ہے جو مکہ سے شروع ہوا، مدنی عہدِ نبوی میں دس سال تک مسلسل جاری رہا اور قیامت تک ہر کلمہ گو اپنے بھائی کلمہ گو کا بھائی اور اس سلسلہ اخوت میں شامل ہوتا رہے گا، جیسا کہ ابھی آتا ہے، رسول اللہ ﷺ تو رنگ ونسل پرستی اور قومی غرور کو مسترد کرنے کے لیے اور اس کی جگہ اخوت ومساوات سے اسلامی معاشرہ کو مزین کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے، حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بجا فرمایا ہے:(75)

التاريخ المذكور هو للاخوة الثانية أى بعد الاخوة الأولى بمكة المكرمة وهو ابتداء الاخوة (المدنية بعد الهجرة) واستمر ﷺ يجددها بحسب من يدخل فى الإسلام ويحضر إلى المدينة، وليس باللازم أن تكون المواخاة وقعت وقعة واحدة

''یعنی یہ مذکورہ تاریخ مکہ مکرمہ والی پہلی مواخات کے بعد ہجرت کے موقع پر دوسری مواخات کی تاریخ ہے، اس کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی برکت سے اس اخوت کی تجدید بھی ہوتی رہی اور حسب موقع جو بھی اسلام قبول کرتا اور مدینہ منورہ حاضرِ خدمت ہوتا اسے رشتۂ اخوت میں پرو دیا جاتا تھا، یہ ضروری نہیں ہے کہ مواخات کا واقعہ صرف ایک بار ہی پیش آیا ہو!!''

امام ابن تیمیہ نے مواخات کے حوالے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان مواخات پر تعجب اور انکار کا موقف اختیار کیا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ مواخات کا مقصد ایک دوسرے کے کام آنا اور مشکلات میں ایک دوسرے کا سہارا بننا تھا، جو اس رشتۂ مواخات سے حاصل ہوتا نظر نہیں آتا کیونکہ حضرت علی بھی ہجرت کر کے آئے تھے اور وہ مالدار بھی نہ تھے، اس لیے یہ مواخات کسی طرح بھی مفید نہ تھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابنِ تیمیہ کی اس رائے سے بھی اتفاق نہیں کیا کیونکہ (166):

(1) تاریخ وتراجم کی نصوص سے یہ مواخات ثابت ہے لہٰذا قیاس کی بنیاد پر نص کو مسترد نہیں کیا جا سکتا!

(2) یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے مواخات نہیں ہو سکتی، جس طرح مکی اور مدنی ہر دو مواخات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا اسی طرح مکہ اور مدینہ دونوں جگہ سیدنا حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مواخات بھی قطعی نصوص سے اور بلا شک وشبہ ثابت ہے حالانکہ یہ دونوں بزرگ بھی تو مہاجر تھے؟! اس لیے دو مہاجروں کے درمیان مواخات کے انکار کا کوئی جواز نہیں!

(3) مواخات کا ایک مقصد اقتصادی سہارا بننا بھی تھا تا کہ ایک خوشحال صحابی سے دوسرے کو مالی سہارا ملے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بچپن ہی سے کفالت کر رہے تھے اور مالی لحاظ سے آپ مضبوط تھے اس لیے ان کی مدد کر سکتے تھے!

حافظ ابنِ حجر کا یہ استدلال بہت وزنی ہے، اس پر یہ اضافہ ہو سکتا ہے کہ دونوں مواقع مواخات- مکی اور مدنی - پر جب کوئی شخص بھی باقی نہ رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں مواقع پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے بہترین مواخات عطا فرمائی جو ایک حسن اتفاق ہے! مزید برآں یہ کہ مواخات کا ایک مقصد اور حکمت ایک دوسرے کے کام آنا بھی تھا، ہجرت کی رات حضرت علی خطرات کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پاک پر آرام فرما ہوئے تا کہ کفارِ مکہ کے جوان غلط فہمی میں رہیں اور نبوی قافلہ ہجرت حفظ وسلامت کے ساتھ غارِ ثور (167) میں فروکش ہو جائے۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

دامادی کا شرف بھی حاصل ہوا اور حیدرِ کرار سفر و حضر میں حضرت محمد ﷺ کے فدا کار بن کر رہے تو اس سے بہتر اور بڑھ کر مواخات کی ضرورت وافادیت اور کیا ہو سکتی تھی (168)!

مواخات کے سلسلے میں شارح سیرۃ ابنِ ہشام صاحب الروض الانف امام ابوالقاسم السہیلی الاندلسی کا تبصرہ بھی قابلِ توجہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مواخات میں حکمت یہ کارفرما تھی کہ "لیذهب عنهم وحشة الغربة ويونسهم من مفارقة الأهل والعشيرة ويشد ازر بعضهم ببعض یعنی اس سے غریب الدیار ہونے کی وحشت تنہائی دور ہو جائے، اہل وعیال اور عزیز واقارب کی جدائی کی صورت میں انسیت میسر آئے اور وہ ایک دوسرے کے لیے تقویت اور سہارے کا باعث ہوں (169)"

صاحب تاریخ الخمیس (170) فی احوال انفس نفیس کی رائے بھی سننے کے قابل ہے وہ ابن الاثیر کی اسد الغابہ، ابنِ حجر کی فتح الباری اور ابو عبداللہ الحاکم النیسابوری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مواخات دو بار ہوئی، مکہ مکرمہ میں اور پھر مدینہ منورہ میں (171):
فعقدوا عقد المواخاة والمعاونة والمواساة ، وقيل كتبوا فيه كتابا وكان ذلك في دار انس، وفي رواية كان في المسجد النبوي على ان يتوارثوا بعد الممات دون ذوي الارحام یعنی مواخات، ایک دوسرے کی مدد اور باہمی ہمدردی اور غمخواری کا عہد ہوتا تھا، اس سلسلے میں کوئی تحریر بھی تیار کی گئی یہ مواخات حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہوئی یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مسجد نبوی میں عمل میں آئی، اس میں یہ طے ہوا تھا کہ صحابہ کرام مہاجرین وانصار مرنے کے بعد ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے اور ذوی الارحام رشتہ دار وارث نہیں ہوں گے!!"

ہمارے مؤرخین، سیرت نگار اور اصحاب کتب تراجم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اکثر و بیشتر مصنفین نے اسلامی اخوت کے عظیم القدر اور تاریخ ساز حوادث وواقعات کے اندراج میں ضبط وتنقیح کے بجائے تساہل اور ضیع الوقتی سے بھی کام لیا ہے، ایک تو مکی اور مدنی واقعات مواخات کو آپس میں خلط ملط کر دیا گیا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر مصنفین کی

عہدِ نبوی کی مواخات سے آگاہ نہ تھے اور جیسا کہ عوام الناس صرف مواخاتِ مدینہ کو یادر کھ سکے ہیں اور سب کی زبان پر ''مواخاتِ مدینہ'' کے الفاظ ہی رواں دواں رہے ہیں، اور جس طرح مکی عہد کے بہت سے واقعاتِ سیرت پر سب کی نگاہ نہیں پڑی اسی طرح یہ ''مواخاتِ مکہ'' بھی ایسے ہی واقعات کی طرح نظروں سے اوجھل ہی رہی ہے، اس کے علاوہ مواخات کے محلِ وقوع اور وقت میں جو اختلاف پایا جاتا ہے (کہ یہ مواخات ہجرتِ نبوی کے بعد- تین ماہ، چار ماہ، پانچ ماہ، آٹھ ماہ، نو ماہ، ایک سال یا ایک سال کچھ ماہ بعد عمل میں آئی پھر یہ مسجد نبوی میں ہوئی، حضرت انس بن مالک کے گھر میں، یا حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں) (172) اور اس اختلاف کی وجہ بھی مکی سیرتِ نبوی کے واقعات کا آنکھوں سے اوجھل ہو جانا ہے، اس ضمن میں تقدمِ زمانی کے اعتبار سے امام محمد بن سعد (ولادت 168ھ وفات 230ھ) کاتب الواقدی کا مختصر بیان اور پھر حافظ احمد بن علی ابنِ حجر عسقلانی (773-852ھ) نے فتح الباری میں مختلف مقامات پر اخوتِ اسلامی کے وقائع اور حوادث پر جو عالمانہ اور مبصرانہ گفتگو فرمائی ہے وہ زیادہ قابلِ توجہ ہے، ان دونوں بزرگوں کی باتیں ہم سنیں گے مگر اس سلسلے میں امام ابوسعید اصفہانی صاحبِ کتاب (شرف المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دلچسپ بیان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو خلط مبحث کی بھی ایک دلچسپ مثال ہے وہ مکی اور مدنی مواخات کے وقائع وحوادث کو خلط ملط کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (173)

> ''سعید بن عامر الجمحی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں تم دونوں کو فرمانِ سماوی کے مطابق رشتہ اخوت میں پرو دوں، سو تم دونوں دنیا میں بھی بھائی بھائی ہو اور جنت میں بھی بھائی بھائی ہو، تم دونوں ایک دوسرے کو سلام کرو اور ہاتھ ملاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ـ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پکڑ

لیے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: ابوبکر تم ان سے پہلے ہو گے اور ان سے پہلے وفات پاؤ گے۔"

حالانکہ شیخین رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات مکی عہدِ نبوی کا واقعہ ہے، کیونکہ ہجرت کے بعد مدنی مواخات کے موقع پر تو مہاجرین وانصار کے درمیان جو مواخاتِ مدینہ ہوئی اس میں تو حضرت ابوبکر اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہ اخوت قائم ہوا اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا گیا تھا، معتبر کتب سیرت، تاریخ اور تراجم صحابہ کرام سے بھی یہی ثابت ہے، دلچسپ اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ (شرف المصطفیٰ) میں مذکورہ بیان کی فصل کا عنوان یہی ظاہر کرتا ہے کہ مصنف مواخاتِ مدینہ کا تذکرہ فرمارہے ہیں (174)" ذکر مواخات النبی ﷺ بین المهاجرین والانصار حین قدم المدینة یعنی اس مواخات کا تذکرہ جو مدینہ منورہ تشریف لا کر نبی کریم ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان کروائی تھی!" یوں لگتا ہے کہ اس کا ماخذ ومصدر حضرت عبداللہ بن عمر کی وہ حدیث ہے جو حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ نے نقل کی ہے!

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کی حضرت طلحہ سے، ابوعبیدہ بن الجراح کی سالم مولیٰ ابی حذیفہ سے، ابی بن کعب کی ابنِ مسعود سے، معاذ کی ثوبان سے، ابوطلحہ کی بلال سے، ابودرداء کی سلمان سے، ابوذر کی حلال مولی مغیرہ بن شعبہ سے اور ابوایوب کی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم سے مواخات کروائی تھی (175)! اور یہ بات واضح ہے کہ مواخات کی یہ ترتیب بھی کئی لحاظ سے محلِ نظر ہے، اور اس مشکل کا حل بھی یہی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جس طرح توحیدِ ربانی اور وحدتِ نسلِ انسانی کے قرآنی تصور کے مطابق تمام انسانوں کی وحدت، اخوت اور مساوات کی فکر تھی اس طرح اپنی امت کے اتحاد واتفاق اور رشتہ اخوت اسلامی کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہنے کا خیال بھی تھا اس لیے وقتاً فوقتاً حسبِ موقع وضرورت صحابہ کرام کے درمیان رشتہ اخوت کی تجدید

اور تکرار کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اس کی تاکید و تلقین کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا گیا، جب لوہا گرم دیکھا اس پر چوٹ لگائی اور جہاں یہ رشتہ کمزور پڑتا نظر آیا وہیں اسے پختہ تر کرنے کی تلقین و تاکید فرمائی، ایک عظیم و خبیر مصلح کی یہی نشانی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رسول اعظم و آخر بھی تھے اور عظیم ترین مصلح اور مربی اور معلم کتاب و حکمت بھی تھے، اس لیے یہ اختلاف نہیں بلکہ تنوع ہے جو کثرت تکرار و تجدید کا نتیجہ ہے! لہٰذا تلقین و تاکید اخوت کی تجدید سے اس کثرت تکرار کی مشکل حل ہو جاتی ہے اور اسے ملحوظ رکھنا لازم ہے!

مواخات کے ضمن میں یاد رکھنے کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ مسلم خواتین اس شرف سے محروم نہیں رکھی گئیں، مواخات کے مقدس رشتہ میں منسلک ہونے والے دو مردوں کی قریبی رشتہ دار خواتین۔ مثلاً والدہ، بہن، بیوی اور بیٹی۔ بھی عربی زبان کے قاعدہ تغلیب کی رو سے اس مواخات میں شامل تصور کی جاتی ہیں، اس طرح گویا جب ایک مہاجر اور ایک انصاری بھائی بھائی بنے تو ان دونوں کی یہ قریبی رشتہ دار خواتین بھی خود بخود آپس میں بہنیں قرار پا گئیں، یا یوں کہہ لیجئے کہ مردوں کی مواخات قاعدہ تغلیب کے مطابق خواتین کی مواخات کو بھی شامل ہوتی ہے جیسا کہ قرآن و حدیث میں احکام شریعت مذکر کے صیغوں کی شکل میں وارد ہوئے مگر یہ مسلمان خواتین کو بھی شامل ہیں، چنانچہ بعض خواتین صحابیات نے گلہ کیا کہ کتاب اللہ اور آپ کے ارشادات میں کہیں ہم خواتین کو تو مخاطب نہیں فرمایا گیا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ اپنی زبان عربی کے قواعد سے آگاہ نہیں ہیں! یہ عربی زبان کے کمالات میں سے ہے کہ اس میں تغلیب یعنی کسی چیز کو سہولت کی خاطر غالب اور معتبر بنا دینا، اس طرح ذکر کی گئی دو میں سے جس چیز میں آسانی یا سہولت ہو صرف اس کا نام ذکر کر دینا اور دوسری کو اسی ذکر میں شامل سمجھ لینے میں بڑی سہولت ہوتی ہے لیکن اس میں عظمت و حقارت یا بڑائی اور چھوٹائی کی کوئی بات نہیں ہوتی جیسے چاند اور سورج دونوں مقصود ہوں تو صرف چاند کا نام لے دیا جاتا ہے حالانکہ سورج تو چاند سے کہیں بڑا اور اہم ہے چنانچہ چاند سورج دونوں کہنا ہو تو شمسان نہیں بولتے بلکہ قمران

بولتے ہیں کیونکہ قمر مذکر ہے، اسی طرح شیخان کا نام لینا ہو تو عمران کہا جاتا ہے یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کیونکہ ابوبکر کا تثنیہ بنانا بہت مشکل اور ثقیل ہے لیکن عمر سے عمران کہنا آسان ہے، تو اس قاعدہ تغلیب میں صرف سہولت مقصود ہوتی ہے لہٰذا اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے کہ جب دو مسلمان مرد رشتہ اسلامی اخوت میں منسلک ہوں تو دونوں کی قریبی رشتہ دار خواتین بھی آپس میں اس مقدس رشتہ میں عملی طور پر شریک ہو جائیں گی اگر وہ عملی طور پر شریک ہو جائیں اور کچھ نہ بولیں تب بھی وہ شریعت کی رو سے مواخات میں منسلک سمجھی جائیں گی جیسا کہ مواخات تو حضرت حمزہ سید الشہداء ﷺ اور حضرت زید بن حارثہ کے درمیان میں ہوئی تھی مگر شہادت سے مشرف ہو جانے کے بعد حضرت زید نے حضرت حمزہ کی بیٹی کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ تو میری بھتیجی ہے، گویا ان دونوں بزرگوں کے گھرانوں کی خواتین بھی رشتہ مواخات اسلامی میں شامل ہو چکی تھیں، تاہم ایسے شواہد بھی ملتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابیات کو بھی باہم رشتہ مواخات اسلامی میں منسلک فرما دیا تھا، مقصود یہ ہے کہ اگر دو مسلمان مرد آپس میں بھائی بن سکتے ہیں تو دو مسلمان خواتین بھی رشتہ اخوت میں منسلک ہو کر بہنیں بن سکتی ہیں، بس ضرورت اس بات کی ہو گی کہ ایمانی و روحانی مواخات میں منسلک ہونے کا عہد کر لیں، چنانچہ امام ابوسعید نے شرف المصطفیٰ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات کروائی، اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ اور زوجہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہما کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسلامی مواخات کے مقدس رشتہ میں منسلک ہونے کا حکم فرمایا تھا (176)

اس ضمن میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں متعدد مقامات پر مختلف ابواب میں جو ناقدانہ و بصیرانہ انداز میں بیان فرمایا ہے وہ قطعی محاکمہ اور قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، اس سلسلے کی کچھ باتیں پیچھے گزر بھی چکی ہیں جن میں آپ نے الواقدی اور ابن تیمیہ کی آراء پر عالمانہ تنقید کر کے بہت مفید نتائج اخذ کئے

ہیں!(177)

ابنِ تیمیہ کی رائے یہ تھی کہ مواخاتِ مدینہ کے موقع پر ایک مہاجر کی دوسرے مہاجر سے مواخات کرانے کا کوئی مطلب یا فائدہ نہیں تھا، اس لیے یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے ساتھ رشتہ مواخات میں منسلک فرمایا، درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ مواخات کا مقصد تو یہ تھا کہ تنگدست کی مالی حالت صاحب حیثیت سے مواخات کے طفیل بہتر ہو سکے جو اس صورت میں نظر نہیں آتی، حافظ ابنِ حجر نے اس پر کڑی تنقید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ایک تو ابنِ تیمیہ یہاں پر قیاس کی بنیاد پر نص کو مسترد کر رہے ہیں جو حدیث وفقہ کے مسلم اصولوں کے خلاف ہے، دوسرے وہ مواخات کی شرعی حکمت سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں اس لیے کہ بعض مہاجرین بھی مالی اور خاندانی لحاظ سے دوسرے مہاجرین سے بہتر تھے، مقصود یہ تھا کہ جو ادنیٰ ہے اس کی حالت اعلیٰ کے ذریعہ سے بہتر ہو سکے اور جو اعلیٰ ہے وہ ادنیٰ سے غیر مالی تعاون اور مدد لے سکے! مواخات کی حکمت کے سلسلے میں حافظ ابنِ حجر کی یہ اپنی رائے ہے جس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، تاہم ان کی یہ رائے اس ضمن میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اور مواخات کی بہت سی گتھیوں کو سلجھا دیتی ہے، جب وہ فرماتے ہیں

وكان ابتداء المواخاة اوائل قدومه واستمر يجددها بحسب من يدخل في الاسلام أو يحضر إلى المدينة

''یعنی مواخات کی ابتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے اوائل میں ہی ہوگئی تھی، پھر آپ اس کی تجدید کرتے رہے، جیسے جیسے کوئی اسلام قبول کرتا رہا یا مدینہ منورہ حاضر ہوتا رہا تو اس رشتہ مواخات میں منسلک کر دیا جاتا تھا''(178)

حافظ ابنِ حجر کے اس بیان میں یہ اضافہ ضروری ہے کہ یہ تجدید کبھی تو نئے سے نئے بزرگوں کی آمد اور قبولِ اسلام کے موقع پر ہوتی تھی مگر کئی بار یہ تجدید تواصی بالحق اور تواصی

بالصبر کے رنگ میں اس ایمانی و روحانی رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لیے تلقین و تاکید کے انداز میں بھی ہوتی تھی، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ کثرتِ مشاغل اور مکروہاتِ زمانہ میں الجھ کر اس مقدس ایمانی اور روحانی رشتہ مواخات کو بھولنے لگتے تھے، ایسے میں سورت العصر (179) میں جس توصیہ بالحق اور توصیہ بالصبر کی تجدید و اعادہ کی تاکید کی گئی ہے اسی کے انداز میں رشتہ مواخات کو بھی تازہ سے تازہ تر کرتے رہنے کی تاکید تھی اور اب بھی اس جذبہ اخوت و مساواتِ اسلامی کو بیدار کرتے رہنے اور تقویت کے وسائل پیدا کرتے رہنے کی ضرورت ہے!!

یہ حقیقت مسلم ہے اور کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ اسلام اعتدال اور توازن کا دین ہے، کیونکہ خیرالامور اوسطھا (بہترین اندازِ زندگی میانہ روی ہے) کے ارشادِ نبوی کے مطابق پرسکون زندگی اور تعمیر و ترقی کا تقاضہ بھی اعتدال اور توازن ہے، چنانچہ دین و دنیا یا دوسرے لفظوں میں دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی میں سے کسی کو فراموش کرنا، یا پس پشت ڈالنے یا ایک کی خاطر دوسری زندگی کو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے، اسی لیے اسلام میں ایسے اصول اور پیمانے فراہم کیے گئے ہیں جن سے انسانی زندگی کے معاشرتی و معاشی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ اخلاقی و روحانی مشکلات کا بھی تسلی بخش حل میسر آتا ہے، قرآنِ کریم میں پانچ وقت کی نماز کے ساتھ جو دعا مانگنے کا حکم ہے اس میں حسناتِ دنیا یعنی دنیاوی بھلائیوں کے ساتھ ساتھ حسناتِ آخرت یعنی آخرت کی بھلائیاں بھی شامل ہیں بلکہ دنیا کے لیے بھلائی کی دعا پہلے ہے اور آخرت کی بھلائی کی دعا بعد میں (180) ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ ایک تو دنیا قریب اور پہلے ہے دوسرے دنیا کی بہتری یا بہتر دنیاوی حالات آخرت کو بھی بہتر بنانے میں ممد و معاون ہوتے ہیں، اسی لئے رسول اکرم و اعظم ﷺ نے اپنی تیئس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں اعتدال و توازن کے اصولوں پر عمل بھی کیا اور ان پر عمل کرنے کی تلقین بھی فرمائی، شریعت کے اصول و مبادی پر عمل کرنے اور کروانے پر زور دیا اور اس کے ساتھ ہی جن معاشی و معاشرتی مسائل کے حل پر توجہ مرکوز رکھنے کی تاکید

فرماتے رہے ان میں سرِ فہرست یہ مسائل تھے:

1) خواتین، یتیموں اور غلاموں کے حقوق کا تحفظ، ان سے حسنِ سلوک اور ان کی بہتری ہو۔

2) انسانی معاشرہ سے غربت و افلاس، بے انصافی اور عدم توازن کا خاتمہ کر کے بے بس، بے کس اور نادار افراد و طبقات کو زندگی کی خوشیوں میں برابر شریک کیا جائے۔

3) نیکی کو عام کرنے کے تمام راستے کھول دیئے جائیں اور وسائل مہیا کئے جائیں جبکہ بدی کے تمام راستے اور دروازے بند کر دیئے جائیں، اسی کا نام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

4) رنگ و نسل اور اونچ نیچ کو مسترد کر کے کسی قسم کی تفریق و امتیاز کے بغیر سب سے یکساں انصاف کیا جائے۔

5) ایک ایسا مخیر اور خدا ترس معاشرہ قائم کیا جائے جہاں استحصال نہ ہو ایثار اور قربانی کا جذبہ ہو، حرام خوری سے لوگوں کی حق تلفی نہ ہو بلکہ رزقِ حلال سے خوشحالی اور پر سکون زندگی مہیا ہو۔

6) عالمگیر انسانی برادری اور برابری پر ایمان رکھنے اور عمل کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان کے درمیان رشتہ اخوت و مساوات کو ہمیشہ اور ہر قیمت پر قائم و دائم رکھنے اور اسے مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہنے کا تجدیدی اور تاکیدی عمل جاری رکھا جائے، یہ کام رسولِ اکرم و اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منصب نبوت و رسالت کے نقطۂ آغاز سے لے کر الرفیق الاعلیٰ کے حضور و جوار میں تشریف لے جانے کے آخری لمحے تک کسی تساہل، مداخلت اور مداہنت کو برداشت کیے بغیر مسلسل جاری رکھا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اخوت-انسانی ہو یا اسلامی-اور مساوات تمام انسانوں میں بلا امتیاز ہو یا تمام مسلمانوں میں کسی تفریق کے بغیر-کو دینِ اسلام میں کیا اہمیت اور مقام حاصل ہے۔ چنانچہ آپ نے کسی بے کس اور بے بس پر کسی ظالم و متکبر کے ظلم و زیادتی کو برداشت نہ کیا اور اسے اس کے چنگل سے چھڑانے میں دیر نہ فرمائی یتیم اور مسکین کی مشکلات دور کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ نہیں کی، زیردستوں

اور معاشرے کے پسے ہوئے انسانوں کے ساتھ ناانصافی کبھی گوارا نہیں کی، عورت اور زیر دست یا ماتحت لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لیئے تو آپ کے آخری الفاظ تھے (اتقوا اللہ فی الضعفین النساء وما ملکت ایمانکم (181))۔

حسب ونسب کے فخر وغرور کو مسترد کرتے ہوئے رسول اخوت ومساوات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ سے کیا اور دنیا کے سامنے یہ مثال اپنی ذات اور اپنے گھرانے سے قائم کی، تاکہ آقا اور غلام کے مصنوعی فرق وامتیاز کا خاتمہ ہو جائے، اس رشتہ ازدواج کو قائم رکھنے اور نبھانے میں بھی مدد فرمائی (182)۔

اس طویل عرصہ میں کہیں بھی اور کبھی بھی رنگ ونسل کے امتیاز اور عرب وعجم کے فرق کو رسول اعظم و خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز برداشت نہیں کیا، چنانچہ امام ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں ایک دلچسپ اور عبرت آموز بلکہ روح پرور واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک روز مسجد نبوی کے جوار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک حلقہ جما ہوا تھا، اس میں مہاجرین وانصار کے بزرگ بھی تھے اور ان کے ساتھ حضرت سلمان فارسی، بلال حبشی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے، ایک نومسلم اعرابی قیس بن مطاطہ وہاں سے گزرا جو ابھی تک اخوت اسلامی اور مساوات محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے قطعی ناواقف تھا اس لئے چلتے چلتے تبصرہ کے انداز میں کہنے لگا: یہ مہاجرین تو عرب ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلے سے ہیں اس لئے ان کا مسلمان ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، اسی طرح یہ اوس وخزرج کے لوگ بھی عرب ہیں اس لئے ان کا بھی حلقہ اسلام میں شامل ہونا سمجھ سے باہر نہیں ہے لیکن یہ غیر عرب لوگ یہاں کیا لیتے ہیں؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے جب اس بدو کا تحقیر آمیز تبصرہ سنا تو ان کی غیرت ایمانی کو گوارا نہ ہوا، اُٹھے اور اس بدو کو گریبان سے پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اور تمام واقعہ کہہ سنایا، راوی کا بیان ہے کہ آپ اس قدر ناراض ہوئے کہ ہم نے آپ کو اس اضطراب اور اس رعب وجلال کے ساتھ اور اس

تیزی اور جوش کے ساتھ باہر تشریف لاتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا حتیٰ کہ خلافِ معمول چادر مبارک زمین پر گھسٹتی ہوئی آ رہی تھی، ایک مقدس مشن اور انسانیت کا مفاد خطرے میں تھا، اسلامی اخوت و مساوات پر حملہ ہوا تھا، آپ تو رنگ و نسل اور اُونچ نیچ کا امتیاز مٹانے کے لئے آئے تھے، جبکہ آپ کے اپنے شہر میں آپ کی اپنی مسجد کے سایہ میں اور آپ کی موجودگی میں اسی رنگ و نسل اور زبان و قومیت کو پھر سے آواز دی جا رہی تھی، یہ کیسے برداشت ہو سکتا تھا!!

اس نوع کے ہنگامہ خیز اور پُرخطر مواقع پر رسولِ اعظم و خاتم ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ اہلِ ایمان و جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باوضو مسجدِ نبوی میں جمع ہونے کا حکم ہوتا اور عموماً نفل نماز یا دعا کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے منبر پر رونق افروز ہو جاتے اور موقع کی مناسبت سے خطاب فرمایا جاتا، چنانچہ اس موقع پر خطبہ نبویہ میں یوں ارشاد ہوا (183):

"ایها الناس! ان الرب رب واحد، و ان الاب اب واحد، کُلُّکُمْ لآدَمَ و آدمُ من تراب! و ان العربیة لیست باب ولا بأم لاحد منکم و انما هی لسان فمن تکلم بالعربیة فهو عربی، و من وجد له ابوان فی الاسلام فهو عربی"

یعنی سنو اے لوگو! بلاشبہ تمہارا رب تو ایک ہی ہے جو رب العالمین ہے، تمہارا سب کا باپ بھی ایک ہی ہے جو آدم علیہ السلام ہیں اور ان کا خمیر تو خاک سے اُٹھایا گیا تھا، یہ بھی یاد رکھو کہ عربی زبان تم میں سے کسی کا باپ ہے نہ ماں، وہ تو بس ایک بولی ہی ہے، چنانچہ جو بھی یہ عربی بولی بولے گا وہ عرب ہے اور جس کے دو باپ (یعنی باپ اور دادا) مسلمان رہے ہوں گے وہ بھی عربی ہے!"

یہ ارشادِ نبوی جہاں گزشتہ سطور میں عالمی انسانی برادری اور برابری کے ضمن میں سورت النساء کی پہلی آیت مبارکہ کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے وہاں اس سے دو ایسے مسائل کا علم بھی ہوتا ہے جن میں سے ایک تو دنیا کے ماہرینِ لسانیات کا یہ دعویٰ ہے کہ ''مادری زبان'' نام کی دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جسے بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے سیکھ کر آتا ہو جیسا کہ وہ دیگر پیدائشی خصائص لے کر پیدا ہوتا ہے، ایک پاکستانی بچے کو کسی عرب گھرانے میں پرورش پانے کے لیے کسی عرب خاتون کے پاس چھوڑ دیں تو بڑا ہو کر اس بچے کی زبان اردو، پنجابی، سندھی، پشتو یا بلوچی کی بجائے عربی ہی ہوگی اسی پر اس صورت کے عکس کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، تو زبان تو آتی ہے مسلسل گفتگو سے، لگاتار لکھنے اور پڑھتے رہنے سے! تو آنحضرت ﷺ نے زبان پر اترانے یا لسانیت کا تعصب پھیلانے کے دعویٰ کو بھی باطل قرار دے دیا اور ''مادری زبان'' کے فسون کو بھی سب سے پہلے آپ ہی نے توڑا! دنیا کے ماہرینِ لسانیات تو بہت بعد میں آج آئے ہیں! دوسری بات جو اس ارشادِ نبوی سے مستنبط ہوتی ہے، وہ تو شاید عام مسلمانوں کو کبھی سوجھی ہی نہیں ہوگی!! آپ تو یہ فرما رہے ہیں کہ جونہی کوئی انسان اسلام میں داخل ہوا وہ قرآن کریم اور اس کی زبان عربی سیکھنے کا پابند ہو گیا، اگر وہ اس پر عبور نہیں حاصل کر سکا تو اس کی اولاد تو قرآنی ماحول میں عربی زبان میں ضرور کمال پیدا کر لے گی، اس لیے فرمایا گیا کہ جس شخص کے باپ اور دادا مسلمان پائے گئے وہ بھی اتنی عربی یقیناً جان گیا ہوگا کہ اب وہ عرب کہلانے کا حقدار ہے گویا رسول اللہ ﷺ کے نزدیک عرب اور مسلم مترادف لفظ ہیں اور یہ مصطفوی پیشین گوئی ہے جسے مان کر پورا کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے! مگر ایک دو حادثات کے باعث تاریخ ایک ایسا موڑ مڑ چکی ہے کہ عربی زبان ترقی پذیر اسلامی تمدن کا ساتھ نہ دے سکی اور آج عرب دنیا میں بھی عربی زبان صرف قرآن کریم کے سہارے زندہ ہے، پہلے اس کی جگہ فارسی نے لی، پھر ترکی اور اب مسلمانوں کی اپنی بہت سی بولیاں ہو گئی ہیں مگر قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے عربی کو واپس بھی لا سکتے ہیں اور اسے اس کا جائز مقام دلا بھی سکتے ہیں، اگر

اسرائیل کے یہودی ہزاروں سال سے غیر فعال عبرانی زبان کو اپنی قومی سرکاری زبان بنانے کے ساتھ ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کی زبان بھی بنا سکتے ہیں تو جانثارانِ مصطفیٰ ﷺ کتابِ خدا اور سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی زبان کو جو ایک زندہ زبان ہے اور کروڑوں عرب بھائیوں کی زبان بھی ہے، اسے اس کا جائز مقام کیوں نہیں واپس دلا سکتے اور یہ صرف امتِ مسلمہ کے متحدہ ومشترکہ عزم اور ان کی حکومتوں کی سرپرستی سے ہی ممکن ہے!!

حضرت معاذ بن جبل کے فوری اور سخت ردِ عمل سے یہ اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسولِ اخوت ومساوات ﷺ کے جانثار صحابہ کرام بھی اس مقدس مصطفوی مشن پر غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے، اسے عام کرنے میں پرعزم تھے اور اس کی خلاف ورزی برداشت نہیں کر سکتے تھے!!

انسانیت کے لیے اخوت ومساوات کا ربانی پیغام لانے والے رسولِ اعظم وخاتم ﷺ رنگ ونسل، زبان وقومیت، غربت وامارت اور آزاد وغلام یا آقا وغلام کا فرق مٹانے کے لیے تشریف لائے تھے اور اپنی تئیس سالہ پیغمبرانہ دعوت وتبلیغ کے دوران میں کسی لمحے، کسی جگہ اور کسی موقع پر بھی اپنے اس مقدس مشن میں کوئی کوتاہی گوارا نہ فرمائی، حجۃ الوداع سے پہلے الرفیق الاعلیٰ جل شانہ کے جوار میں تشریف لیجانے کا اشارہ مل چکا تھا اسی لیئے اپنے تاریخی بلکہ تاریخ ساز خطبہ حج کا آغاز یوں فرمایا تھا (184):

ایها الناس! اسمعوا قولی! فإنی لا ادری لعلی لا ألقاكم بعد عامی هذا بهذا الموقف، ایها الناس! إن دماء كم وأموالكم عليكم حرام، إلى أن تلقوا ربكم، كحرمة يومكم هذا وكحرمة شهركم هذا، وأنكم ستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم!۔

”یعنی اے لوگو! سنو میری بات! کیونکہ مجھے معلوم نہیں، شاید میں آئندہ

اس سال کے بعد اس جگہ تم سے نہ مل سکوں! لوگو یاد رکھو! تمہاری جانیں، تمہارا اموال تم سب کے لیے اسی طرح حرام اور محترم ہیں جس طرح تمہارا یہ آج کا دن اور یہ مہینہ حرمت و احترام کا مہینہ ہے، تم نے اپنے رب کے سامنے ضرور پیش ہونا ہے، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا!"

یہ رسول اللہ ﷺ کا الوداعی حج تھا جس میں آپ نے یہ آخری خطبہ حج ارشاد فرمایا جس کے مندرجات متنوع بھی ہیں اور بہت زیادہ بھی ہیں اور ہر ہر لفظ میں معانی و افکار کی ایک دنیا پنہاں ہے، مگر یہاں بھی آپ نے دو چیزوں پر سب سے زیادہ زور دیا اور یہ دونوں آپ کے اس مقدس مشن کی تعبیر ہیں جس کے مطابق آپ دنیا سے افتراق و امتیاز کے تصور کو مٹا کر تمام انسانوں کو ایک عالمگیر برادری اور برابری کے رشتہ میں منسلک کرنے اور اہلِ ایمان کو اسلامی اخوت و مساوات کے ایمانی اور روحانی رشتوں میں پرونے کے علمبردار بن کر تشریف لائے تھے! اپنی امت کے اس تاریخی اور عظیم الشان اجتماع میں بھی اپنی مقدس رسالت اور انسانیت ساز و انسانیت دوست مشن کے ان دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا اور بتا دیا کہ واقعی آپ ہی وہ "رسول عربی ﷺ" ہیں جو آدمیت کا بول بالا کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، آپ کی کاری ضرب محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے رنگ و نسل اور حسب و نسب کے شیطانی غرور کے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور مرورِ ایام اور رفتارِ وقت کے ساتھ ساتھ یہ بت نامراد و نابود ہو کر حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے ہیں، اور روشن ضمیر انسان نے انہیں ٹھوکریں مار مار کر خاک میں ملا دیا ہے۔ رسولِ اخوت و مساوات نے اس خطبہ میں یہ بھی فرمایا تھا کہ (185):

"لوگو! سنو تم سب کا خالق اور رب ایک ہی ہے، تمہارا باپ آدم بھی ایک ہے جن کا خمیر خاک سے اٹھایا گیا تھا! یاد رکھو کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر یا کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی ترجیح یا فضیلت

حاصل نہیں، فضیلت کا معیار صرف ایک ہے اور وہ تقوی اللہ (یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کمال) ہے اس لیے تم میں سب سے افضل اور برتر وہی ہے جو تقوی اللہ میں سب سے آگے ہے!"

پھر اسلامی اخوت و مساوات کی تلقین و تاکید کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا (186):

ایھاالناس! اسمعوا قولی واعقلوہ تعلمن أن کل مسلم أخ المسلم وأن المسلمین اخوۃ فلا یحل لامرئ من أخیہ إلا ماأعطاہ عن طیب نفس فلا تظلمن أنفسکم

یعنی اے لوگو! میری بات سن لو اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلو! جان لو کہ ہر مسلمان دُوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں! کسی بھائی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی کوئی چیز لے ہاں جو وہ خوشی سے دے دے! سو خود پر ظلم ہرگز نہ کرنا (گویا بھائی کے ساتھ بے انصافی خود اپنے آپ پر ظلم ہے!)

اسی خطبہ میں خواتین کے حقوق کا بطورِ خاص احساس دلایا حالانکہ اوپر کی تمام باتوں میں مسلمان مردوں کے ساتھ ساتھ مسلمان عورتیں بھی شامل تھیں مگر امت سے آخری ملاقات میں بھی صنفِ نازک کے حقوق کے متعلق بطورِ خاص تاکید فرمائی گئی (187):

واستوصوابالنساء خیرا فانھن عندکم عوان لا یملکن لانفسھن شیئًا

"یعنی میں تمہیں خواتین سے متعلق خصوصی حسنِ سلوک کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارے ساتھ اتنا وقت گزار کر ادھیڑ عمر ہو چکی ہیں (اور اب وہ کہیں نیا گھر بھی نہیں بسا سکتیں) اور اب ان کے اختیار میں بھی کچھ نہیں!!"

سننے والوں نے آپ کا جو آخری جملہ یا آخری فرمان سنا وہ بھی زیر دست اور بے سہارا

افرادِ معاشرہ کے متعلق تھا، ارشاد فرمایا گیا: اتقوا اللہ فی الضعیفین النساء وما ملکت ایمانکم یعنی دو کمزور گروہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور وہ ہیں تمہاری عورتیں اور تمہارے زیرِ دست غلام اور ملازم!"

لیکن ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کارنامہ تو گویا معاشرتی اونچ نیچ اور رنگ ونسل کے دعووں پر آخری ضربِ کاری تھی! امت کو اور انسانیت کو عملی طور پر دکھانا اور بتانا ضروری تھا کہ غلامی خود انسانوں کی ایجاد کردہ لعنت ہے، کوئی انسان بھی اپنے ماتھے پر غلامی کا داغ لیکر پیدا نہیں ہوتا، سب بچے ایک ہی حال میں پیدا ہوتے ہیں، کیا امیر، کیا غریب، کیا آقا کیا غلام! تو پھر یہ تفریق اور امتیاز کیوں؟ اصل تو خداداد صلاحیت اور عمل ہے۔

جنگِ موتہ میں رومیوں کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی قیادت حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سپرد تھی، اس منصب پر ان دونوں کو یکے بعد دیگرے کمان سنبھالنے کا حکم دیا گیا تھا، ایک ہاشمی کے ساتھ ایک آزاد کردہ غلام تھا! چند سو سرفروشوں پر مشتمل لشکر کے مقابلے میں ایک لاکھ سے زائد رومی جنگجو تھے مگر ان مٹھی بھر مجاہدوں نے اتنی بڑی فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ رومی تھرتھرا گئے اور دونوں مسلمان سپہ سالار دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے تو اس موقع پر حضرت خالد بن ولید نے "سیف اللہ" کا لقب پایا، انہوں نے اس انداز میں لشکر کو پیچھے ہٹایا کہ رومی اسے کوئی خوفناک جنگی چال سمجھ بیٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے! اس کے جواب میں رومیوں نے ایک بار پھر سر اٹھایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کے باعث یہودی جاسوسوں اور سازشیوں نے ایک طرف تو قبائلِ عرب کو بغاوت پر اکسایا تھا اور جھوٹے نبی کھڑے کر دیئے تھے صرف یہ تاثر دینے کے لیئے کہ معاذ اللہ اس طرح نبی بننا کوئی مشکل کام نہیں رحلتِ نبوی کے بعد ان کے لیے میدان خالی ہو گیا تھا اور دوسری جانب مدینہ منورہ کی ننھی سی اسلامی ریاست پر ٹوٹ پڑنے کے لیئے رومیوں اور ایرانیوں کو بھی اکسایا گیا، فلسطین میں (ابنا) کے مقام پر رومی فوج جمع تھی مقابلہ کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو

اسلامی لشکر تیار کروایا اس کی قیادت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سونپ دی، مؤرخین اور سیرت نگار تو یہی کہتے ہیں (188) کہ اس فیصلہ میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد کو رومیوں نے شہید کیا تھا اس لیئے انہیں کمان سونپی گئی تا کہ وہ اپنے والد کے انتقام کے لیے بے جگری سے لڑیں گے، مگر مجھے اس سے اختلاف ہے، جذبہ انتقام سے لڑنا روحِ جہاد کے خلاف ہے اور وہ بھی رومن ایمپائر کی فوج سے ٹکرانا! میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے سوچ بھی نہیں سکتا! میرے نزدیک یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور ایک غلام زادے کو مہاجرین وانصار کے بزرگوں کی کمان سونپنے میں وہی حکمتِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کارفرما تھی جو کعبہ کی چھت پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اذان دلوانے کے بجائے اس کے لیے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا گیا تھا کہ اسلام کالے گورے کے امتیاز اور غلام اور آقا کے فرق کو مسترد کرتا ہے، اگر لشکرِ اسامہ میں ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے ساتھ انصار کے سردار ادنیٰ سپاہی بن کر شریک نہ ہوتے تو شاید خدانخواستہ "جذبہ انتقام" کو جہادِ اسلامی پر فوقیت دینا مجھے گوارا ہو جاتا، لیکن یہاں تو بات ہی کچھ اور تھی، رنگ ونسل کے غرور کو خاک میں ملانا اور اونچ نیچ کو دنیا سے نابود کرنے کا مصطفوی مشن (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اپنا رنگ دکھا رہا تھا، یہ دراصل امت کو نصیحت تھی کہ اگر کالا حبشی بھی امام اور خلیفہ منتخب ہو جائے تو اس کی اطاعت بھی فرض ہے، اس میں یہ پیغام بھی تھا کہ اخوت ومساوات کی علمبردار یہ امت اپنے غلاموں کو اپنے برابر اور اپنا بھائی مانتی رہے تا کہ کبھی مصر میں ممالیک کی حکومت ہو اور کبھی مسلم ہندوستان پر خاندانِ غلامان کی حکومت قائم کرنے سے، اسلام، اہلِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ اخوت ومساوات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے مواقع فراہم ہوتے رہیں!! لشکرِ اسامہ کے جہاد فی سبیل اللہ کی یہی روح تھی جس کے طفیل امت کے سب سے بڑے غمخوار اور شمعِ نبوت کے پرستار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو روانہ کرنے کے خلاف کسی کی نہ مانی اور یہ خلافتِ اسلامیہ کے لیے رعب ودبدبہ کا وسیلہ بھی ثابت ہوا (189)، رومنوں کے

ساتھ ایرانی بھی یہ سوچنے لگے کہ مسلمان کوئی تر نوالہ نہیں ہیں! اور یہ بھی کہ وہ کل بھی، اور آج بھی اور ہمیشہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کرتے رہیں گے اور اس کی راہ میں کسی خطرے یا کسی طاقت کو خاطر میں نہیں لائیں گے! چنانچہ جب تک مسلمان اپنے آقا و مولیٰ اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سنت پر عمل پیرا رہے اور ان کی طاعت اور فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے، ان کی خاطر دنیا کی ہر باطل قوت کو پائے حقارت سے ٹھکراتے اور روندتے رہے اس وقت تک وہی دنیا کی فاتح و غالب طاقت تسلیم کیے جاتے رہے، انہوں نے جس کام کو بھی ہاتھ لگایا کامران ہوئے اور جس طرف کا بھی رخ کیا کامیابیوں نے قدم چومے!! اسلامی اخوت و مساوات نے انہیں اتحاد و اتفاق عطا کر کے سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور ناقابلِ شکست قوت بنائے رکھا!

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی اخوت و مساوات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک ایسی نعمتِ غیر مترقبہ اور ایک ایسا انوکھا ضابطہ حیات بنا دیا گیا تھا کہ جس میں انہیں دنیا و آخرت کی نجات اور کامیابی کی ضمانت بھی مل گئی تھی، اس پر اس مقدس جماعت نے ہجرتِ حبشہ، ہجرتِ مدینہ اور زندگی کے ہر مرحلہ میں جس طرح عمل کیا اور اس کے نتیجہ میں جو عزت، وقار اور رعب و دبدبہ پایا اس کے مناظر تو اس قدر انوکھے، حیرت انگیز اور روح پرور ہیں جن پر آج بھی دنیا کے سوا ارب سے زائد مسلمان فخر کرتے ہیں اور ان سے عملی زندگی میں رہنمائی کا سامان پاتے ہیں، حدیث، سیرت اور تاریخ کی معتبر کتابوں نے عہدِ نبوی کا ایک اور واقعہ بھی ریکارڈ کیا ہے جو مہاجرین کے جذبہ ایثار کا قابلِ فخر مگر حیرت انگیز نمونہ بھی ہے، استغناء اور بے نیازی کا ناقابلِ فراموش منظر بھی، مگر سب سے بڑھ کر یہ واقعہ محنت مزدوری کی عظمت و برکت پر ایمان کو بھی پختہ کرتا ہے، یہاں پر الفاظ تو امام ترمذی کی روایت کے ہیں مگر اس کے علاوہ متعدد مصادر و مآخذ میں بھی یہ واقعہ الفاظ کے معمولی فرق اور اختلاف کے ساتھ منقول و مذکور ہے اور جس کے متعلق پہلے کچھ اشارات بھی گزر چکے ہیں (190)۔

''حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں وارد ہوئے تو پیغمبرِ اخوت و مساوات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اور حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو رشتہ مواخات میں منسلک کر دیا، حضرت سعد اس وقت انصارِ مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار آدمی شمار ہوتے تھے، انہوں نے بڑی فراخدلی سے کام لیتے ہوئے اپنے نادار مہاجر بھائی کو پیشکش کی کہ میں اپنی نصف جائیداد کا آپ کو مالک بناتا ہوں، میری دو بیویاں ہیں آپ کی ایک بھی نہیں، میں تو یہ چاہوں گا کہ ان میں سے ایک کو اپنے رشتہ نکاح سے آزاد کر دوں ان مین سے جو بھی آپ کو اچھی لگے، جب عدت گزر جائے تو آپ اسے اپنے نکاح میں لے سکتے ہیں ! حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے خوشی اور سیر چشمی کے ساتھ بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا: میرے بھائی !بارك الله لك في أهلك و مالك (تیرے لیے اللہ تعالیٰ تیرے اہل اور مال کو بابرکت بنائے رکھے) بس مجھے مدینہ منورہ کے بازار کے سلسلے میں رہنمائی کر دو، میرے لیے یہی کافی ہے!(191)''

یوں لگتا ہے کہ اسلامی اخوت کا پاکیزہ رشتہ مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں گھر کر گیا تھا اور وہ اس رشتہ کے طفیل خوشی سے جھوم جھوم جاتے تھے اور امت کے لیے ایثار و قربانی کے ساتھ ساتھ سیر چشمی اور بے نیازی کے بھی لازوال نمونے تاریخِ اسلام کی زینت بنانے کے لیے کوشاں تھے !ایک محفل مین انصارِ مدینہ نے اجتماعی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ہماری زمینوں اور ہمارے باغات کو ہمارے مہاجر بھائیوں میں اور ہمارے درمیان آدھی آدھی بانٹ دیجیے !رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی اس کریمانہ وسخیانہ پیشکش کی تحسین فرماتے ہوئے کہا کہ صرف پہلے سال کے دوران باغات کی آمدنی کا نصف حصہ ہی ان بھائیوں کو دے دینا، یہی کافی ہے، پھر مہاجرین نے عرض کیا

کہ اسلامی اخوت کے نتیجہ میں سب اجر و ثواب تو یہ ہمارے انصاری بھائی لے گئے، کاش ہم بھی اپنے ان بھائیوں کے لیے کچھ کر سکنے کے قابل ہوتے! آپ نے فرمایا تم لوگ اپنے انصاری بھائیوں کے احسان مند اور شکر گزار رہو یہی کافی ہے۔ (192) قرآنِ کریم نے بھی جا بجا اس رشتہ اخوت اسلامی کے نتیجہ میں ایثار و قربانی کے سامنے آنے والے مناظر کی تحسین کی ہے، کتب حدیث و سیرت، تراجم صحابہ اور تاریخ اسلام تو اس تاریخ ساز اسلامی شعار (اخوت و مساوات) کی تحسین و آفرین سے لبریز نظر آتی ہیں!

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے اخوت و مساوات کا یہ وسیع اور ہمہ گیر دائرہ انسانی اخوت و مساوات کا دائرہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں اس لیے برابر بھی ہیں، برادری اور برابری کا یہ قرآنی تصور توحید ربانی اور وحدتِ نسلِ انسانی کے عقیدہ پر قائم ہے، جب سب کا پیدا کرنے والا رب العالمین ایک ہی ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہے جس نے آدمِ خاکی کو اپنے دستِ کرشمہ ساز سے احسن تقویم (بہترین سانچے) میں ڈھال کر پیدا فرمایا ہے اور وہ بھی ایک اکیلی جان (نفسِ واحدہ) سے عبارت تھے، اس لیے عقل و خرد کا تقاضہ اب یہ ہے کہ ایک خالق کے پیدا کیے ہوئے اور ایک ہی باپ کے بیٹے آپس میں بھائی بھائی بھی ہوں اور برابر بھی، اس برادری اور برابری یا اخوت و مساوات کو سورت نساء کی پہلی آیت کریمہ میں "تقویٰ اللہ" کے ساتھ مربوط بیان فرمایا گیا ہے جس کا مقصد اور مطلب یہ ہے کہ آدمِ خاکی کے فرزندوں نے حقوق اللہ کو بھی مکمل طور پر بجالانا ہے اور حقوق الخلق یا حقوق العباد کو بھی پورا پورا ادا کرنا ہے کیونکہ یہی تقویٰ ہے، اس کے ساتھ ہی سورت البلد کے مضامین کا جوہر اور نچوڑ بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے جو دو اہم ترین انسانی حقوق سے عبارت ہے یعنی انسانیت کی آزادی یا تمام انسانوں کو غلامی سے آزاد کروانا اور اس کے ساتھ ہی ان انسانوں کو بھوک اور افلاس سے بھی نجات دلانا، یہی دو حق ایسے ہیں جو ہر انسان کی آرزو بھی رہے ہیں اور ضرورت بھی، آج کا انسان بھی انہی دو حقوق کو ترس رہا ہے کیونکہ ایک طرف انسانوں کی آزادی کو پامال کیا جارہا ہے اور دوسری

جانب انسانوں کے منہ سے ان کا لقمہ تک چھینا جا رہا ہے جو انسانی اخوت و مساوات کی صریح خلاف ورزی ہے اللہ جل شانہ اپنے ساتھ شریک ٹھہرانے (جو اکبر الکبائر یعنی کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے) پر ناراض ہوتے ہیں مگر ان دو انسانی حقوق کی پائمالی پر ناشکرے انسان سے رب العالمین کو شکایت ہے اور وہ اپنی کتاب زندہ قرآن حکیم میں ناشکرے انسان کا گلہ کرتے ہیں! (193)

اسلامی اخوت کی قرآنی بنیادیں

اخوت و مساوات کا دوسرا عالمگیر اور دلپذیر دائرہ اسلامی اخوت و مساوات کا دائرہ ہے جس کی تفصیلی جھلکیاں ہم دیکھ چکے ہیں، برادری اور برابری کا یہ رشتہ ایمانی اور روحانی ہے، مکی اور مدنی مواخات سے آگاہی کے ساتھ ساتھ حبشہ اور یثرب میں اس اخوت اور مساوات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عملی اور روح پرور مناظر کا مشاہدہ ہم نے بھی کر لیا مگر قرآن کریم میں اسلامی اخوت و مساوات کے متعلق احکام و ہدایات ربانی کا خصوصی مطالعہ ابھی باقی ہے اور اس کے بغیر ہماری یہ کوشش نا تمام ہی نہیں ہے بے نام بھی رہے گی اس لیے کہ اسلام کی ہر بات قرآن کریم سے شروع ہوتی ہے اسی سے آگے بڑھتی ہے اور اسی پر ختم بھی ہوتی ہے!

قرآن کریم کی سورت آل عمران میں حبل اللہ یعنی قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی رسی، سہارا اور بندھن قرار دیا گیا ہے جو امت مسلمہ کی وحدت و قوت کی روح بھی ہے اور اس کا مظہر بھی، کیونکہ یہ کتاب زندہ، گمراہی، غلط روش اور تباہی سے بچاتی ہے، اسی کتاب پر عمل سے اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت بھی میسر آتی ہے جسے اخوت ایمانی اور رشتۂ روحانی ہونے کا شرف حاصل ہے جو دلوں کو جوڑ کر اہل ایمان کو بنیان مرصوص یعنی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتی ہے اس لیے اہل ایمان کو نہ صرف یہ کہ اس جذبہ اخوت ایمانی کو زندہ اور تازہ رکھنا ہے بلکہ اس پر رب کریم کا شکر بھی بجا لانا ہے! اس آیت کریمہ کا اردو ترجمہ یوں ہے: (194)

اور اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی یعنی قرآن کریم کو

مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور گروہ در گروہ مت بکھرو، اور اس نعمتِ خداوندی کو ہمیشہ یاد رکھو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے، تم آپس میں دشمنیاں رکھتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت یعنی ہدایت قرآنی کے طفیل ایک ہو کر بھائی بھائی بن گئے ہو، تم تو افتراق اور گروہ بندی کے کنارے پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں تفرقہ بازی کی اس آگ سے بچا لیا''۔

اسلام کی آمد سے پہلے دیگر قبائلِ عرب کی طرح اوس اور خزرج کے لوگ بھی باہمی دشمنی اور عداوت و نفرت کی آگ میں جل رہے تھے، خیبر و یثرب کے یہودی اوس اور خزرج کو لڑنے مرنے پر آمادہ کرنے کے لیے سازشیں تیار کرتے رہتے تھے (195)، اس عہد کے یہودی بھی اوس اور خزرج کو آپس میں لڑا کر مٹا دینے پر اسی طرح تلے ہوئے تھے جس طرح آج نام نہاد اسرائیل کے یہودی فلسطینیوں کو نیست و نابود کر کے ''عظیم تر اسرائیل'' بنانے کے جنون میں مبتلا ہیں یا جس طرح بھارت کا جنونی ہندو اکھنڈ بھارت اور رام راج کے لیے برعظیم پاک و ہند سے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کے جنون میں مبتلا ہے، تاہم اگر آج بھی فلسطین کے عرب مسلمان اسلامی اخوت و مساوات کے مضبوط و مقدس رشتے میں پوری طرح منسلک ہو جائیں تو مشرقِ وسطی اور برعظیم پاک و ہند کی تاریخ بدل سکتی ہے! حسب و نسب کی بیماریاں اور ذات پات کے جھگڑے یہاں کے مسلمانوں کے لیے ہندو برہمن کے ''تحفے'' ہیں! مسلمان یہاں چونکہ اسلامی اخوت و مساوات کے عملی مظاہروں سے یہاں کے مظلوم اچھوتوں کو ستمگر اور سنگدل برہمن سے نجات دلانے میں ناکام رہے ہیں بلکہ اچھوتوں کو چھڑانے کے بجائے خود بھی اس ستمگری اور سنگدلی کے رنگ میں رنگے گئے ہیں اور چالاک برہمن کی سازشی چالوں کو سمجھ نہیں پائے اس لیے برعظیم پاک و ہند دنیا کا واحد خطہ ہے جہاں صدیوں کی عملداری کے باوجود اسلام اقلیت کا مذہب چلا آتا ہے اور برہمن اپنی مصنوعی اکثریت پر اتراتا چلا آتا ہے یہاں تک کہ منحوس انگریز سے آزادی کی صبح کو بھی اچھوتوں اور سکھوں کو مسلمان اپنے ساتھ نہ ملا سکے چونکہ مسلمان خود

گروہی سیاست کے باعث ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام پر متفق نہ ہوسکے، اس لیے اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبید کر اور سکھوں کا لیڈر تارا سنگھ بھی عیار برہمن کے فریب میں آ گئے، اور آج تک سب لوگ۔ مسلمان، سکھ، اچھوت اور عیسائی۔ ہندو برہمن کی دغابازی کے پنجے میں جکڑے ہوئے ہیں، جس دن ہوش میں آ کر یہ سب لوگ انسانی برادری و برابری کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت و مساوات کو اپنانے میں کامیاب ہو گئے یا مکمل تعاون اور پر امن بقائے باہمی کے لئے متفق ہو گئے تو اس دن برہمن کی مصنوعی اکثریت کا بھرم بھی کھل جائے گا اور برعظیم پاک و ہند کے ڈیڑھ ارب انسان خوشحالی، رواداری اور پر امن بقائے باہمی کے طفیل پرسکون زندگی گزارنے کے قابل بھی ہو جائیں گے!

قرآن کریم اخوت و مساوات اور باہمی محبت و مودت کی ایک جھلک جنت الفردوس کے حوالے سے بھی پیش کرتا ہے، اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ اگر انسان دلوں کی کدورت اور بغض و عناد کے میل کو کھینچ نکالیں تو یہ دنیاوی زندگی بھی جنت الفردوس کا نمونہ بن سکتی ہے، مگر جب تک انسانوں سے نفرت کرنے والا، چھوت چھات میں ڈوبا ہوا اور معاشرے کو طبقاتی تقسیم کی لعنتوں میں گرفتار رکھنے والے برہمن کی دغابازی اور چانکیائی فریب کاری کا بھانڈا نہیں پھوٹتا اس وقت تک برعظیم پاک و ہند کا ڈیڑھ ارب انسان سکھ کا سانس لینے اور اخوت و مساوات کے قرآنی تصور زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں پا سکتا جس کا نقشہ سورت الحجر میں کتاب زندہ نے یوں پیش کیا ہے: (196)

> ''بلاشبہ حقوق اللہ اور حقوق العباد پوری طرح ادا کرنے والے (متقی لوگ) باغوں اور چشموں کی پر امن اور پرسکون زندگی سے لطف اندوز ہوں گے اور سب سے کہا جائے گا کہ تم بلا قید و تفریق امن و سلامتی کے ساتھ یہ پر امن اور پرسکون زندگی اپنا سکتے ہو (مگر یہ ہوگا اس وقت جب ہم برہمن کے کھوٹ اور کدورت کو) ان کے سینوں سے نکال باہر کریں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر

براجمان ہونگے، انسانی برادری اور برابری کی اس پرامن اور پرسکون زندگی میں انہیں نہ کسی قسم کی تھکاوٹ یا بیزاری کا سامنا ہوگا اور نہ کوئی (برہمن جیسا سیاہ کار) ان سے یہ امن وخوشحالی کی زندگی چھین سکے گا!''

یہودی حسد اور ہندو برہمن کی چانکیائی سازشیں

مگر آج صورتِ حال کیا ہے؟ بھارت کے طول وعرض میں حسد وعناد سے چور برہمن اور اس کے چیلے چانٹے جب بھی کسی مسلمان، عیسائی، اچھوت یا سکھ کو پھلتا پھولتا خوشحال کاروبار سے پرسکون زندگی گزارتا ہوا دیکھتے ہیں تو برداشت کا دامن چھوڑ کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور فسادات کی آگ میں سب کچھ بھسم کر دیتے ہیں! فسادات کی آگ بھڑکانا صدیوں سے ہندو برہمن کے سازشی ذہن کا معمولی ہتھیار ہے آج بھی وہ اپنی ہم وطن اقلیتوں اور پڑوسی ممالک کے خلاف سازشوں اور جنگ وفسادات کا یہی نسخہ آزماتا چلا آتا ہے!

ڈیڑھ ہزار سال سے یہودی سازشی ذہن بھی روزِ اول ہی سے آج تک حسب موقع مسلمانوں کے لیے جال بچھاتا چلا آتا ہے! برعظیم کا برہمن تو اس فن میں صدیوں سے کمال دکھاتا چلا آرہا ہے! ستم بالائے ستم یہ کہ آج عالمی صیہونیت اور چانکیائی سیاست کار سیا برہمن دونوں اسی طرح ایک ہو چکے ہیں جس طرح آغازِ اسلام میں مشرکینِ عرب اور خیبر و یثرب کے یہودی ایک ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہو گئے تھے مگر یہ ناپاک اتحاد غزوہ خندق کے بعد اس وقت بھی ناکام ونامراد ہو گیا تھا اور آج بھی جارج بش کی لگائی ہوئی کروسیڈی آگ ''دہشت گردی'' کے خلاف نام نہاد جنگ بھی اسی انجامِ بد سے دوچار ہو چکی ہے!

قرآنِ کریم جس اخوت ومساوات کا داعی ہے اس میں کسی حسب ونسب، رنگ ونسل یا اونچ نیچ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، حتیٰ کہ ہندو اور یہود زدہ انسان جن لوگوں کو ''غلام یا اچھوت'' کا نام دیتے اور حقیر جانتے ہیں قرآن کریم ان کی اس روش کو بھی پوری قوت اور غیر مبہم الفاظ میں مسترد کرتا ہے، ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا کوئی بچہ اپنے ماتھے پر

غلام یا آزاد کا ٹھپہ لگوا کر دنیا میں نہیں آتا اور دنیا سے رخصت ہونے والا ہر مردہ بھی ایک کفن کے سوا اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جا سکتا! آخر صرف اس چند روزہ فانی زندگی میں اس قدر نخوت وغرور کیوں؟ قرآن کریم ایمانی وروحانی اخوت ومساوات کی تلقین کرتے ہوئے غلاموں کو محض ''غلام'' کہہ کر پکارنے سے بھی منع کرتا ہے، انہیں بھی زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید پکارنے کا حکم دیتا ہے، زید کو بھی بلند نسب عرب عورت سے شادی کا حق ہے، اسی لیے داعی اخوت ومساوات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ رومیوں کے خلاف مجاھد فوج کی قیادت بھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کریں گے اور سرکردہ مہاجرین وانصار۔بشمول صدیق اکبر، فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔اس لشکر میں بطور ادنی سپاہی شامل ہوں گے! اسی سنت مصطفوی ﷺ کے طفیل اسلام میں غلام سپہ سالار لشکر بھی بنے، قائد اور حاکم بھی حتیٰ کہ بادشاہ بھی بنائے گئے، مصر کے ممالک اور مسلم ہندوستان کا خاندان غلاماں اسلامی تاریخ کے قابلِ فخر اور قابل رشک ستارے ہیں، اسی حقیقت کے سلسلے میں قرآنِ حکیم میں حکم آیا ہے!(197)

> ''ان غلاموں کو (غلام کہہ کر یا ان کے والد کو چھوڑ کر کسی اور مرد کا بیٹا کہہ کر) پکارنے کے بجائے انہیں بھی ان کے اپنے باپوں کے بیٹے کہہ کر پکارا کرو، یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قرین انصاف ہے، ہاں اگر ان بیچارے غلاموں کے باپوں کے نام معلوم نہ ہو سکتے ہوں تو پھر وہ تمہارے ایمانی اور روحانی بھائی ہیں (اس لیے انہیں اپنے بھائی کہہ کر پکارا کرو کہ اسلامی اخوت ومساوات کا یہی تقاضہ ہے) یہ تو تمہارے پیارے موالی اور دوست ہیں!!''

ہمہ گیر انسانی اسلامی اخوت ومساوات کے باب میں یہ مذکورہ بالا آیت کریمہ ایک

قطعی نص اور غیر مبہم اعلان ہے جو رنگ و نسل اور ادنی و اعلی کے شیطانی تصورات کی جڑ کاٹ دیتی ہے!

اسلام ایک ایسا حقیقت پسند دین اور ضابطہ حیات ہے جو تلخ حقائق زندگی سے پہلو تہی کرنے یا کنارا کشی اختیار کرنے کے بجائے ان کا کھلے دل اور پر عزم انداز سے سامنا کرنے کا حکم دیتا ہے، یہ کنارا کشی یا اعراض تو شکست کا دوسرا نام ہے، بقول اقبال (198):

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی
شکست نہیں تو اور کیا ہے شکست

عملی زندگی کے میدان میں کبھی نہ کبھی دلوں میں میل اور تلخی پیدا ہونا قدرتی بات ہے، مہاجرین اور انصار کے درمیان اس مقدس، ایمانی اور روحانی رشتہ مواخات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کے جذبہ ایثار و قربانی کی ستائش کرتے ہوئے قرآنِ کریم دلوں کو تلخی اور میل سے پاک رکھنے اور اللہ تعالیٰ سے التجا و دعا کی بھی تلقین و تاکید کرتا ہے (199):

"اور وہ (انصارِ مدینہ) جو ان (مہاجرین) سے پہلے شہرِ ہجرت یعنی یثرب میں گھر بنائے ہوئے اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے بیٹھے تھے، اپنے ہاں ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں دے رکھا ہے اس کے لیے اپنے دلوں میں ضرورت تک بھی محسوس نہیں کرتے، وہ اگرچہ خود تنگی میں ہوتے ہیں مگر وہ اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں اور دراصل بات تو یہ ہے کہ جو اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو کامیاب تو وہی ہیں! اور وہ جو ان کے بعد آئے وہ اپنے انصار بھائیوں کے حوالے سے اپنے رب سے یہ دعا اور التجا بھی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی بخشش فرما جو ہم سے پہلے ایمان کی دولت

سے سرفراز ہو چکے ہیں! اور اے ہمارے رب! تو ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے خلاف کوئی میل نہ پیدا ہونے دے جو ایمان لا چکے ہیں! اے ہمارے رب! تو تو بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے''۔

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ بھائی بھائی سے بھی رنجیدہ ہو جاتا ہے لیکن اس رنج کو دلوں میں مستقل جگہ دینا اہلِ ایمان کی شان نہیں ہے، دلوں کا میل اور کپٹ کبھی تلخی کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے اور یہ تلخی شدت اختیار کر کے سرکشی پر آمادہ کر سکتی ہے، ایسے میں ملت کے دانا و بینا اور امتِ مسلمہ کے ہمدرد و خیر خواہ لوگوں کو آگے آنا چاہیے، دو افراد یا دو گروہوں میں سے جو غلطی پر ہو اسے سرزنش کرنا چاہیے حتیٰ کہ اگر طاقت استعمال کرنا پڑے تو اس سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے، لیکن صلح ہر حال میں کرانا چاہیئے کیونکہ ایسے مواقع پر ذرا سی سستی اور معمولی سی کوتاہی بھی بڑے بڑے نقصانات کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، اس لیے ثابت قدمی کے ساتھ عدل وانصاف سے فیصلہ کرنا کامیابی کا ضامن ہوگا، کیونکہ عدل وانصاف ہی دلوں کے سکون، اطمینان اور تسلی کا مرکز ہے لیکن اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں اس لیے ان بھائیوں کی اصلاح اور ان کے درمیان صلح ہر حال میں ہونا چاہیے (200)! ارشادِ ربانی کا ترجمہ یوں ہے:

''اور اگر مومنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو، اور اگر ان میں سے کوئی ایک گروہ زیادتی پر اتر آئے تو اس سرکش اور باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، سو اگر وہ باز آجاتا ہے تو پھر ان دونوں کے درمیان پکی صلح کروا دو جو عدل وانصاف پر مبنی ہو، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے! مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں اس لیے اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور تقویٰ اللہ اختیار کیا کرو، تا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی رہے!!''

قرآن کریم کے ان اٹل احکام سے بڑھ کر حقیقت پسندی بھلا اور کہاں ہو گی!؟ اخوتِ اسلامی کے رشتوں کو بچاتے رہنے اور انہیں مضبوط سے مضبوط تر بناتے رہنے کی مثالیں اور کہاں تلاش کی جا سکیں گی!؟ اس کارِ خیر کے لیے محلے، گاؤں اور شہر کی سطح سے لیکر ملک اور امت کی سطح تک مستقل جماعتیں اور کمیٹیاں قائم رہنی چاہئیں جو مسلسل یہ فریضہ سرانجام دینے کے لیے قائم اور دائم رہیں! یہ کام ایسے مفکر، دانشور، علماء اور معلمین و مبلغین بھی کر سکتے ہیں جو امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت اور ہمدردی رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلام اور اہلِ اسلام کے روشن اور کامیاب مستقبل پر غیر متزلزل ایمان بھی رکھتے ہوں اور امت کی تذلیل، رسوائی اور نقصان کو کسی حال میں بھی برداشت نہ کر سکیں، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے محب اور ہمدرد ہوں گے!

اخوت و مساوات کے لئے تاکیدِ نبوی

اللہ تعالیٰ اپنے پیغامِ آخرین قرآن کریم میں عقیدہ توحید کے ساتھ ساتھ وحدتِ نسل انسانی کا جو عالمگیر تصور برادری اور برابری انسانیت کے لیے پسند فرماتا ہے اولادِ آدم کی بلا قید و تفریق عزت و تکریم کا جو اعلان فرمایا گیا اور اس کے ساتھ ہی امت مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے اسلامی اخوت و مساوات کا جو زندہ جاوید شعار عطا فرمایا ہے اس کا ایک مختصر سا جائزہ تو آپ کے سامنے آ ہی گیا، لیکن رسول اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبرِ اخوت و مساوات کی حیثیت سے اپنے قول اور عمل کے جو نمونے اپنی امت کو عطا فرمائے ان کا تو ایک مختصر سا جائزہ پیش کرنا بھی ایک جسارت کے ضمن میں آئے گا، تاہم بطورِ نمونہ ہی سہی ایک درجن کے قریب ارشاداتِ نبوی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پیش کرنے پر اکتفا کرنا اپنے عجز کے اعتراف کا مظہر بھی سمجھا جائے اور اسے سمندر سے ایک قطرہ لینے کے مترادف ہی تصور کیا جائے۔

نگاہِ نبوت یہ دیکھ رہی تھی کہ معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی میدانوں کی عملی زندگی بڑی تلخ، بہت سخت، بے حد صبر آزما اور بہت ہی پر فتن بھی ہوتی ہے اس لیے ان تمام آفات

زندگی سے بچاؤ اور مشکل مراحل کو عبور کرنے کے لیے اسلامی اخوت و مساوات کی علمبر دار امت کو دائمی ہدایات اور حذر و احتیاط کے ساتھ ساتھ حکمت و تدبیر اور دور اندیشی کی بھی ضرورت ہوگی چنانچہ آپ کے وعظ اور نصائح ان تمام مذکورہ امراض و مشکلات کے حل کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ ایک موقع پر یوں فرمایا گیا (201)

1) المسلم اخو المسلم لا یخونه ولا یکذبه ولا یخذله، کل المسلم علی المسلم حرام: عرضه وماله ودمه، التقوی ھاھنا، بحسب امرئ من الشر أن یحتقر أخاه المسلم یعنی مسلمان تو مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو اپنے بھائی سے خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اسے تنہا چھوڑ کر الگ ہوتا ہے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان پر حرام اور محترم ہے، اس کی عزت اس کا مال، اس کا خون، تقوی اللہ تو یہاں دل میں ہوتا ہے، کسی مسلمان کیلئے اس سے بڑھ کر برائی اور کیا ہوگی کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے!"

2) تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ یہی ارشادِ نبوی اس طرح بھی منقول ہے (202)

"المسلم اخو المسلم لایظلمه ولا یخذله ولا یحقره، کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے تنہا چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے اور نہ اس کو حقیر جانتا ہے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے حرمت والی اور محترم ہے یہ خواہ اس کا خون ہو، مال ہو یا عزت ہو"۔

3) "لاتحاسدوا ولا تناجشوا ولاتباغضوا ولا تدابروا ولا یبیع احد علی بیع بعض، وکونوا عباد اللہ اخوانا (203) یعنی ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، کسی کی خرید و فروخت میں قیمت مت چڑھاتے جاؤ، ایک دوسرے سے عداوت و بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہا کرو"

4) ایک موقع پر یوں ارشاد ہوا (204):

"لایبیع الرجل علی بیع أخیه ولا یخطب علی خطبة أخیه یعنی کوئی شخص اپنے بھائی کے

سودے پر سودا نہ کرے، کوئی بھی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح کے مقابلے میں اپنی منگنی کا پیغام نہ دے، ہاں اگر وہ اجازت دے دے تو الگ بات ہے!''

5) ''لایسم المسلم علی بیع أخیه یعنی اگر کوئی مسلمان بھائی کسی چیز کا سودا کر چکا ہو تو اس کے مقابلہ پر سودا نہ کرے!''(205)

6) ''لا یؤمن أحدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے(206)!''

7) الله فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیه یعنی جب تک کوئی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد فرماتے رہتے ہیں۔''(207)

8) ''من رد عن عرض أخیه رد الله عن وجهه النار یوم القیامة یعنی اگر کوئی مسلمان اپنے بھائی مسلمان کی عزت بچاتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو دوزخ کی آگ سے بچائیں گے!''(208)

9) من نفس عن مسلم کربة من کرب الدنیا نفس الله عنه کربة من کرب یوم القیامة ومن یسر علی معسر فی الدنیا یسر الله علیه فی الدنیا والآخرة ومن ستر علی مسلم فی الدنیا ستر الله علیه فی الدنیا والآخرة ، والله فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیه(209) یعنی اگر کوئی شخص دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کی مشکلات میں سے کوئی مشکل دور کردے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی آفتوں میں سے اس کی کوئی آفت ٹال دے گا اور اگر کوئی کسی تنگی والے کی دنیا میں تنگی دور کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا وآخرت کی تنگی دور فرمادے گا! اور اگر کوئی اپنے مسلمان بھائی کا پردہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کا پردہ رکھے گا، اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔''

10) باہمی گفتگو اور مکالمے بھی لوگوں کو قریب لانے اور انس ومحبت کو بڑھانے میں مددگار اور

مؤثر ہے اور مکالمہ کا بہترین آغاز بلکہ عمدہ وسیلہ ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعا ہے چنانچہ ایک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی سے ملتا ہے تو سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے، سلام میں پہل کرنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے، جس طرح بات کا آغاز کرنا دشوار محسوس ہوتا ہے اسی طرح سلام میں پہل کرنا بھی بعض لوگوں کو بہت بوجھل لگتا ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے سلام اور سلام کے جواب کو عام کرنے اور ہمیشہ معمول بنانے کا حکم فرمایا ہے، تاہم سلام میں پہل کرنا غرور و تکبر سے بری ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے، ارشادِ نبوی ہے(210):

"البادئ بالسلام بریٔ من الکبر" یعنی سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہے!"

11) لاتدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا، أولا أدلکم علی شیٔ اذا فعلتموہ تحاببتم... افشوا السلام بینکم(211) یعنی تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ، اور تم مومن اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک تم باہم محبت نہیں کرتے تو کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتا دوں کہ اگر تم اسے کرو گے تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے، اپنے ہاں سلام کو عام کرو"

12) "ان أولی الناس باللہ تعالیٰ من بدأھم بالسلام: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب وہ بندہ ہوتا ہے جو اس کے بندوں کو سلام کرنے میں پہل کرے!"(212)

13) "سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر: مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔"

14) "کلوا جمیعا ولا تفرقوا، فان البرکۃ مع الجماعۃ: کھانا اکٹھے مل کر کھایا کرو اور گروہ در گروہ مت ہونا، کیونکہ برکت تو اکٹھا مل کر رہنے میں ہے۔"

15) فخر و غرور کوئی اچھی عادت نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ جب بھی اپنی کسی فضیلت کا ذکر فرماتے تو فوراً ہی فخر کی بھی نفی کرتے، اس کے برعکس تواضع و انکساری آپ کو پسند تھی اور

ہمیشہ اس کی تلقین فرماتے تھے۔

"ان اللہ أوحی الی أن تواضعوا حتی لا یفخر أحد علی أحد ولا یبغ أحد علی أحد یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی کہ تواضع وانکساری اختیار کرو تا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر فخر نہ کر پائے اور کوئی کسی کو سرکشی نہ دکھائے!"

اسلامی اخوت ومساوات خیر القرون کے بعد

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے فرامین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا سنت وسیرت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ومعمولات کی روشنی میں جو عالمگیر انسانی برادری، برابری اور اسلامی اخوت ومساوات کے جوروح پرور مناظر ہمارے سامنے آتے رہے ہیں ان کے ضمن میں جا بجا "آج کے انسان" کی مشکلات اور "آج کے مسلمان" کی زبوں حالی اور مظلومیت ومجبوری کے متعلق بھی باتیں ہوتی رہی ہیں لیکن اب ہم اپنی اس گفتگو کے ایک ایسے مرحلے میں ہیں جہاں ان باتوں کی کچھ تفصیل اور توضیح مناسب ہی نہیں ضروری بھی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی توحید ربانی اور وحدت نسل انسانی پر مبنی قرآن کریم کے تصور "عالمگیر انسانی برادری و برابری" اور قرآن وسنت اور صحابہ سے ثابت "اسلامی اخوت ومساوات" کے ماضی، حال اور مستقبل پر بھی ایک نظر نہایت ضروری ہے۔

پہلی صدی ہجری کے نصف اول یا دوسرے لفظوں میں عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں جو صورت حال رہی اس کی تو کچھ جھلکیاں اور روشن مثالیں ہم دیکھ ہی چکے ہیں لیکن بعد میں جب آمریت وملوکیت کا دور آیا تو سیاسی اور حکومتی سطح سے وہ قرآنی تصور یکسر غائب ہو گیا جو عقیدہ توحید ربانی اور وحدت نسل انسانی پر مبنی ہے اور جس کی رو سے تمام انسان صرف ایک خدا کی مخلوق اور صرف اسی کے بندے قرار پاتے ہیں، سب فرزندان آدم ہیں، بھائی بھائی ہیں اس لئے برابر بھی ہیں، اسی طرح بعد کے ادوار میں اسلامی دنیا کی سرکار دربار سے اسلامی اخوت ومساوات کو بھی ایک انوکھا تصور اور دور دراز کی بات خیال کرتے ہوئے کم سے کم مسلم حکمرانوں کی حد تک اسے پس پشت ڈال دیا گیا مگر، بایں ہمہ، عامۃ المسلمین کے

دلوں میں اس اخوت و مساوات اسلامی کا جذبہ زندہ و پائندہ رہا اور امت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مخلصانہ اور سچی ہمدردی رکھنے والے اہل فکر و دانش اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے متوالے اصحاب طریقت نے اخوت و مساوات انسانی و اسلامی کو دار ارقم اور صفہ مسجد نبوی کی زندہ و روح پرور نبوی روایات کے مطابق نہ صرف زندہ رکھا بلکہ ان پر عمل بھی کیا، ان کا پرچار بھی کرتے رہے اور آج بھی انہیں حرز جاں بنائے ہوئے ہیں اور انہیں امت کے لئے نور ایمان تصور کرتے ہیں!!

بات دراصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مکارم اخلاق و محاسن اعمال کو کبھی زوال نہیں ہے! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حسن خلق بھی آپ پر مکمل ہے اور حسن عمل بھی آپ پر ختم ہے! اخلاق و اعمال کی یہ تکمیل و اختتام بقا و دوام کے مقتضی بھی ہیں اس لئے یہ مکارم اخلاق و محاسن اعمال آنحضرت ﷺ پر ختم نبوت کی بھی دلیل ہیں بقول اقبال (213):

پس خدا برما شریعت ختم کرد — بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را — او رسل را ختم و ما اقوام را
خدمت ساقی گری باما گذاشت — داد مارا آخریں جامے کہ داشت
لا نبی بعدی ز احسان خدا است — پردۂ ناموس دین مصطفیٰ است!
قوم را سرمایۂ قوت ازو — حفظ سرو وحدت ملت ازو
حق تعالیٰ نقش ہر دعوی شکست — تا ابد اسلام را شیرازہ بست
دل ز غیر اللہ مسلماں بر کند — نعرۂ لا قوم بعدی می زند

ترجمہ:

(1) خدا نے ہمارے اسلام پر شریعت مکمل کر دی اور ہمارے رسول پر نبوت ختم کر دی۔

(2) زمانے کی رونق تو ہم سے ہے، ہمارے رسول ﷺ پر رسالت ختم ہوئی اور ہم آخری امت ہیں۔

(3) انسانیت کی خدمت خدا نے ہمارے سپرد کر دی اور اپنا آخری پیغام بھی ہمارے سپرد

کیا۔

(4) آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا دراصل اللہ تعالیٰ کا احسان اور دین مصطفیٰ ﷺ کی ڈھال ہے۔

(5) اسی فرمان لا نبی بعدی سے ملت کو قوت حاصل ہوئی ہے اور وحدت ملت کی حفاظت کا راز بھی اسی میں ہے۔

(6) اسی سے اللہ تعالیٰ نے ہر جھوٹے مدعی کے نقش کو توڑ دیا ہے اور ابد تک اسلام کو اتحاد عطا فرما دیا ہے۔

(7) ہر مسلمان کو غیر اللہ سے دل کو ہٹا لینا چاہیے اور لا قوم بعدی (میری امت کے بعد کوئی اور امت نہیں) کا نعرہ بلند کر دے!

اور اخلاق کی تکمیل اور اعمال کے اختتام بلکہ آپ کی نبوت و رسالت کی بقا و دوام کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اعظم و آخر ﷺ نے جس عدل و امن کا پیغام دیا اور انسانیت کو اخوت و مساوات کا جو تحفہ دیا، انسان اس کا کل بھی محتاج تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا! انسان کو امن و سلامتی کی خوشحال زندگی درکار ہے جو قیام عدل پر موقوف ہے اور انسان عزت و آزادی کا آرزو مند ہے جس کی ضمانت اس اخوت و مساوات میں ہے جس کے لئے آپ دنیا میں تشریف لائے، جو آپ کا مقدس مشن تھا جس پر آپ کی تئیس سالہ پیغمبرانہ عملی زندگی گواہ ہے!

سیرت و شان مصطفوی

مصلحین آدمیت اور بانیان مذاہب و تحریکات میں سے کسی ہستی کی زندگی بھی ایسی نہیں جیسی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی زندگی ہے، آپ پر نازل ہونے والی کتاب عزیز و مبین ہر قسم کے عیب سے پاک اور تحریف و تغیر سے محفوظ ہے کوئی بدخواہ، کوئی خائن اور کوئی دست دراز اس کتاب زندہ قرآن حکیم کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکا! ہر حاسد و معاند اس کتاب کے مقابلہ میں ناکام و نامراد ہوا اور اپنی حسرتوں اور ندامتوں کے ڈھیر میں ہمیشہ کے لئے

دفن ہو کر نشانِ عبرت بن گیا آپ کی سیرت و سنت بھی از الف تا یاء مکمل، جامع اور محفوظ ہے حتیٰ کہ انصاف پسند غیر مسلم ناقدین اور مستشرقین بھی اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ انبیائے سابقین علیہم السلام پر نازل ہونے والی آسمانی کتب اور صحائف کی نسبت پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب زندہ کی تو بات ہی الگ ہے، آپ کی تو سنت و سیرت کا عظیم الشان اور قابل فخر ذخیرہ بھی دیگر کتب سماویہ سے زیادہ محفوظ و معتبر ہے! لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی سیرت و تعلیمات (قرآن و حدیث کی بنیاد پر) مکمل اور جامع بھی ہیں اور قابل عمل بھی! یہی نہیں بلکہ ان پر عمل کرنے میں فطرت انسانی خوشی و مسرت کے ساتھ ساتھ سکون و آرام بھی محسوس کرتی ہے، اطمینان قلب کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جو دنیا و مافیہا کی دولت صرف کر دینے سے بھی میسر نہیں آسکتی! مصلحین و بانیان ادیان کی زندگیاں اول تو محفوظ و دستیاب ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو غیر معتبر اور غیر مصدق جن پر افسانوی اور تخیلاتی رنگ چڑھا ہوا ہے، ظاہر ہے ان پر عمل کرنا ناممکن نہیں تو مشکل تو ضرور ہے ناممکن اور مشکل پر عمل انسانی فطرت سے باہر ہے لیکن رسول عربی و ہاشمی ﷺ کی سنت و سیرت کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسے فرد بشر کی سنت و سیرت ہے جو بشر تو ہیں کہ ان کی زندگی اور تعلیمات نے انسانیت کے لئے سرچشمہ ہدایت اور سرمایہ اعمال بننا تھا مگر وہ عام افراد بشر کی طرح نہیں ہیں کہ ان کے کمالات بشری فرش سے عرش تک اور ان کی نبوت و رسالت غار حرا سے اسراء و معراج تک کی عظمت و شان سے متصف ہے، بقول شاعر:

محمد بشر و لیس کالبشر ہو یا قوتۃ والناس کالحجر!

یعنی حضرت محمد ﷺ ہیں تو بشر ہی مگر عام افراد بشر کی طرح تو نہیں ہیں نا! یوں سمجھو کہ آنحضرت ﷺ قیمتی یاقوت ہیں مگر لوگ تو عام پتھروں کی طرح ہیں!!

سیرت مصطفوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے بے انتہا کمالات کا ایک پہلو قول و عمل کی پوری پوری اور حرف بحرف مطابقت بھی ہے، مصلحین کے کئی ایک پرکشش اور بلند بانگ اقوال ناقابل عمل ہوتے ہیں، کئی ایک صرف کہنے کی باتیں ہوتی ہیں وہ خود بھی ان پر عمل نہی

کر پاتے مگر کئی ایک مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں کہا کچھ جاتا ہے مگر عمل کچھ اور ہی ہوتا ہے یہی قول و عمل کا تضاد ہے جو شخصیات کو مجروح کر دیتا ہے اور عموماً یہ تضاد ان تحریفات اور تغیرات کا شاخسانہ ہوتا ہے جو بعد میں آنے والے بد دیانت اور بد خواہ ہاتھوں کی پیداوار ہوتا ہے مگر سیرت و سنت مصطفیٰ ﷺ ان سب عیوب و نقائص سے پاک ہے یہاں عمل قول سے زیادہ فوری، زوردار اور نتیجہ خیز ہوتا رہا ہے، آپ نے جو کچھ فرمایا اس پر حرف بحرف عمل بھی کیا اور کروایا، یہاں پر سیرت و سنت مصطفیٰ ﷺ میں صرف یہی نہیں کہ زبان مبارک سے فرمادیا کہ چوری کرنے والی فاطمہ مخزومیہ پر ہاتھ کاٹنے کی حد ضرور لگے گی! بلکہ یہ بھی فرمایا کہ بخدا اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتیں تو ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا رسول اخوت و مساوات ﷺ کے قول و عمل میں مطابقت کا یہ عالم ہے کہ بڑے چھوٹے، امیر غریب، آقا و غلام اور گورے اور کالے کا فرق مٹا دینے کا اعلان فرمایا تو اس پر عملی مظاہرہ کا آغاز اپنی ذات سے کیا، اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام سے خود کروادیا! امانت و صداقت کا انسانیت دوست ابدی پیغام لیکر آئے تو تکلیف اٹھا کر بھی وعدہ نبھایا (214) اور اپنی جان پر بھی کھیل کر دوسروں کی امانتوں کا تحفظ فرمایا حتیٰ کہ سچائی اور امانت آپ کی سیرت و شخصیت کا لازمہ بن گئی اور وادیٔ بطحا کا ہر چھوٹا بڑا اور اپنا پرایا آپ کو سچا اور امانتدار کہہ کر پکارنے لگا الصادق الامین آپ کے اسم پاک محمد و احمد (ﷺ) کا مترادف بن گیا اور ہر زبان پر نام کی جگہ لقب "صادق و امین" رواں ہو گیا! (215) معاشرہ کے کمزور افراد کی سرپرستی اور خیر خواہی کا حکم دیا تو خود یتیموں کے سرپرست، بیواؤں کی پناہ گاہ، غلاموں کو آزاد کروانے والے اور بے سہاروں کا سہارا بن گئے! (216) غصہ پی جانے اور عفو و درگزر کی تلقین فرمائی تو اپنے ستانے والوں اور خون کے پیاسوں کو فتح مکہ کے موقع پر عام معافی دیکر سب دنیا کو محوِ حیرت کر دیا، تاریخ میں پہلے یا بعد میں کسی فاتح نے ایسے مفتوحین کے ساتھ یہ سلوک کبھی نہیں کیا! غلاموں کو اپنا بھائی بنانے کی تلقین کی تو اپنے شیر دلیر اپنے چچا اور اسلام کے سب سے پہلے سپہ سالار سید الشہداء

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو دو بار۔ مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ میں۔ بھائی بھائی بنا دیا اور زید کے فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنی فوج کا قائد بنا کر قریش و انصار کے بزرگوں کو ان کے ماتحت سپاہی بنا دیا! غزوہ خندق میں عام کارکنوں اور مجاہدوں کے ساتھ مل کر خندقیں کھودتے کھودتے بھوک کے مارے پیٹ پر پتھر باندھ لئے اور جب ایک جانثار نے بھوک اور تھکاوٹ کی شکایت کرتے ہوئے پیٹ پر باندھا ہوا پتھر دکھایا تو فرمایا: میرے بھائی! بھوک اور تھکاوٹ سے میں بھی نڈھال ہوں اور یہ دیکھو میں نے بھی پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے ہیں!(217) تو یہ ہے دعوتِ مساوات پر عمل کی زندہ مثال!

کہنے کی بات یہ ہے کہ مفاد پرست اور انسانیت دشمن قوتیں اس اسلام کا رستہ روکنے میں کوشاں ہیں جو سراپا امن و سلامتی اور عدل و رحمت کا دین ہے، جو عالمگیر انسانی برادری اور برابری کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت و مساوات کا بھی علمبردار ہے، یہ انسانیت کے نام اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کی آخری اور مکمل شکل ہے جو حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح علیہم السلام اپنے اپنے دور میں انسانیت تک پہنچاتے رہے مگر یہ تعلیمات اور صحیفے ان انبیائے کرام کے دنیا سے چلے جانے کے بعد دست بردِ زمانہ سے نہ بچ سکے مگر اب یہی تعلیمات اور احکام الٰہی اسلام (بمعنی سر جھکانا، حکم ماننا اور امن و سلامتی دینا) کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانیت تک پہنچائے گئے ہیں جو تخلیق میں تو سب سے پہلے نبی ہیں مگر بعثت کے لحاظ سے سب سے آخر میں آئے ہیں اور جنہوں نے تمام انبیا کی نبوتوں کی تصدیق کرنا تھی اور جن پر سب نے ایمان لانے، ان کی امامت میں نماز ادا کرنے کا عہد کر رکھا ہے اور جن کی سب نبیوں نے مدد کرنا اور اپنی امتوں سے انکی مدد کروانا ہے(126) یہی وہ نبی ہیں جن کے لئے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ سے دعا مانگی تھی، مرد خدا موسیٰ علیہ السلام نے جن کی آمد کی اطلاع دی تھی اور سیدنا مسیح علیہ السلام نے جن کے تشریف لانے کی بشارت دی تھی! اللہ تعالیٰ کے یہی اولوالعزم نبی و رسول ہیں جو محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے! انہوں نے ہی نبی رحمت کی حیثیت سے انسانیت کو

عالمگیر اخوت و مساوات کا پیغام دیا مگر کچھ مفاد پرست اور انسانیت دشمن قوتیں اس پیغام سے انحراف کرنے، اس کی راہ روکنے اور اسے دبانے میں لگی ہوئی ہیں اور یہ ناکام کوشش کر رہی ہیں کہ اس کے رو بہ عمل ہونے سے پہلے ہی اس پیغام کو اور اس کے ماننے والوں کو نیست و نابود کر دیا جائے!!

برادری انسانیت کی اصل ہے اور برابری اس کا حق ہے مگر المیہ یہ ہے کہ انسان اپنی اصلیت کو بھی بھول گیا ہے اس لئے وہ انسانیت کے حق کا بھی منکر ہے، یہ انکار اس نے شیطان سے سیکھا ہے، اس لئے گویا برادری اور برابری کے انکار کی روش دراصل ابلیس کی روش ہے، یہ آدم خاکی اور اس کی اولاد کی اصلیت اور حق کے انکار کے مترادف ہے تکبر و غرور انسان کی سرشت نہیں بلکہ ابلیس کی سرشت ہے، اللہ تعالیٰ کو تکبر اور غرور پسند نہیں بلکہ تواضع اور انکسار پسند ہے، لیکن ابن آدم نے شیطان کے تکبر کو اپنایا اور اپنے باپ آدم خاکی کی تواضع کو گنوا دیا ہے، یہ سلسلہ آدم کے دو بیٹوں - ہابیل اور قابیل کے تصادم سے چلا اور چونکہ یہ تکبر و غرور پستی میں گرنا ہے جسے شیطان بھی نہ سمجھ سکا، جبکہ تواضع بلندی کا زینہ ہے اور پستی سے بلندی کی طرف جانا مشکل ہے جبکہ بلندی سے پستی کی طرف آنا آسان ہے، شیطان چونکہ حکم ربانی اور علم آدم کے سامنے سجدہ تواضع کے انکار سے پستی کی طرف لڑھکا تھا اس لئے وہ اولاد آدم کو بھی لڑھکنے کے اسی آسان راستہ پر ڈالتا رہتا ہے، بھول چونکہ آدم خاکی کی سرشت میں ہے اس لئے ابن آدم اپنی اصلیت کو بھی بھول چکا ہے اور شیطان کی پیروی میں اپنے حق کا بھی منکر ہو چکا ہے، انبیائے کرام ابن آدم کی اسی سرکشی کی روش کو درست کرنے کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں تاہم اولاد آدم پر نہ اپنی اصلیت واضح ہو سکی اور نہ حق کا احساس ہو سکا لیکن حضرت مصطفیٰ ﷺ کی نبوت خاتمہ نے جہاں اللہ تعالیٰ کے وجود کو منوایا اسی طرح انسانی برادری اور برابری کے تصور کو بھی منوایا، تاہم اس عالمگیر دائرہ اخوت و مساوات انسانی کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت و مساوات کے دائرہ کو پہلے مضبوط کیا گیا تاکہ اسلامی اخوت و مساوات کے رنگ میں رنگے

ہوئے مسلمان عالمگیر انسانی برادری و برابری (اخوت ومساوات) کو بھی منوائیں لیکن جن لوگوں کے سروں میں شیطانی تکبر وغرور سمایا ہوا ہے اور وہ خود کو (یاہو) کے فرزند سمجھتے ہیں یا بھگوان کے چہرے کی خاک کو اپنی اصلیت سمجھنے والے اور معاشرہ انسانی کو طبقات میں تقسیم کرنے والے گھمنڈی برہمن اس اخوت ومساوات کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور اس گھمنڈ میں مبتلا ہیں کہ وہ اس دعوت حق کو مسترد کر کے اس کا رستہ بھی روک لیں گے اور اس کے ماننے والوں کو بھی نابود کر دیں گے! لیکن حق کا نہ تو رستہ روکا جا سکتا ہے اور نہ اسے نابود کیا جا سکتا ہے! حق تو ہر حال میں ظاہر اور غالب ہو کر رہتا ہے!!

عالمگیر مساوات اور آج کا انسان

عالمگیر انسانی برادری اور برابری کا قرآنی تصور ہو یا اخوت ومساوات کی اسلامی روش ہو یہ سب کچھ تو اب انسانی ورثہ بن چکا ہے، اس ورثہ کے مصادر زندۂ جاوید اور اس کے سر چشمے سدا بہار ہیں! دنیا کا ہر روشن ضمیر اور بیدار انسان ان مصادر اور ان سرچشموں سے بھی آگاہ ہو چکا ہے اور اس نے انسانی برادری و برابری کو بھی دل سے مان لیا ہے اور اسلامی اخوت ومساوات کی طاقت سے بھی خبردار ہے! آج کے انسان کو اپنی آزادی وخوشحالی کے تحفظ کے لئے قرآن کریم کے تصور توحید ربانی اور وحدت نسل انسانی کی بھی ضرورت ہے اور وہ اسلامی اخوت ومساوات کا بھی محتاج ہے یہ دعوت حق جو مصطفوی شریعت کا امتیاز خاص ہے ایک سدا بہار دعوت ہے، ایک دائمی آواز ہے اور ایک آہنگ مسلسل ہے جو ایک جوئے رواں کی طرح ہر دم جواں اور ہر قدم رواں ہے بقول اقبال (218):

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ!

انسانی برادری و برابری ایک پکار ہے ایک دعوت ہے جس کی آج کے انسان کو ضرورت ہے اور آج کے دور میں انسان سے اس کی ضرورت کو نہ چھپایا جا سکتا ہے اور نہ روکا یا دبایا جا سکتا ہے یہ برادری اور برابری کی دعوت تو اب عام ہو چکی ہے اور انسان کی ایک تڑپتی ہوئی آرزو اور خواہش بھی بن چکی ہے، اسے تو اب نہ "یاہو" کے نام نہاد فرزند دبا سکتے ہیں اور نہ

ہی بھگوان کے لاڈلے برہمن اس کا رستہ روک سکتے ہیں! جبکہ اسلامی اخوت و مساوات آج کے انسان کے لئے ایک تاریخی سبق اور قابل تقلید عملی نمونہ بن چکی ہے! اس میں آج کے انسان کے لئے ایک پرکشش پیغام ہے اور ایک امید کی کرن ہے!! اور یہ پرکشش پیغام اور امید کی کرن بھی اب انسان کی رسائی میں ہے! یہ انوکھا تجربہ ہے اور ایک حیرت انگیز اکسیر ہے اور اس تجربے اور اکسیر کے متعلق معروف مستشرق جے ایس ہوئے لینڈ (J.S Hoy land) کا تاثر یہ ہے کہ (219):

"The fellow feelings of the Muslims, from Morracco to China , whatever their race or colour or creed, is an object lesson for humanity today in the possibility of a Universal Brotherhood and equality."

> ''یعنی ایک دوسرے کے لئے جذباتی رشتے کا احساس جو مراکش سے چین تک پھیلے ہوئے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، خواہ وہ کسی بھی نسل کسی بھی رنگ یا کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں آج کی انسانیت کیلئے ایک موضوعی سبق ہے جو عالمگیر اخوت و مساوات کے امکان کا ثبوت ہے''۔

اس ضمن میں مشہور یورپی مستشرق ویل حاؤزن (Well-Hausen) کا تبصرہ بھی قابل توجہ ہے جو مواخات مکہ سے تو ناواقف معلوم ہوتا ہے مگر مواخات مدینہ کو مفید اقدام قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ (220):

"The first Arabic (Muslim?!) community with sovereign power was established by Muhammad (P.B.U.H) in the city of Madina, not on the bases of blood, which naturally tends to diversity, but upon that of religion binding on all."

دراصل تاریخ کے سب سے پہلے تحریری دستور میثاق مدینہ نے عالمگیر انسانی برادری و برابری کے قرآنی تصور کو ایک حقیقت کے روپ میں پیش کر دیا تھا چنانچہ برطانوی مستشرق پروفیسر نکلسن کہتے ہیں (221):

"Ostensibly a cautious and tactful reform, it was in reality a revolution. Muhammad (Peace be upon him) not only did strike openly on the independence of the tribes, but he destroyed it in effect by shifting the centre of power from the tribe to the community; and although, the community included Jews, pagans as well as Muslims, he fully recognized what his opponent facted to foresee that the Muslims were active and must soon be the predominant partners in the newly founded state"

بہر حال انسانی برادری و برابری کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت و مساوات بھی آج کے روشن ضمیر اور بیدار انسان سے مخفی نہیں، اسے چونکہ ان دونوں کی ضرورت ہے اسلئے وہ انہیں جان کر مان چکا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے کہ مسلمان مشرق میں ہو یا مغرب میں، جنوب میں ہو یا شمال میں، عربی ہو یا عجمی ہو، گورا ہو یا کالا ہو، یہ سب آپس میں بھائی بھائی اور برابر ہیں! اور ان سب کا دکھ سکھ بھی ایک ہے اور نفع ونقصان بھی ایک ہی ہے، زمان و زمین کے فاصلے یا زبان و وطن کی رکاوٹ اس لازوال رشتے کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے، اپنے اور بیگانے سب اہل اقتدار مسلمان کو مسلمان سے لڑانے اور دور کرنے میں لگے ہوئے ہیں مگر اس میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں، اسلام ایک ایسی قوت ہے جو نہ دبتی ہے نہ مٹ سکتی ہے، یہ تو ایمان کا رشتہ ہے جسے دشمن توڑتے توڑتے خود مٹ گئے ہیں مگر اسے نہیں

توڑ سکے! صدیوں کے بعد سپین کے کالی آنکھوں والے اور کالے بالوں والے لوگ ظلم و جبر سے ذرا سنبھلے ہیں تو انہیں پھر اب یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہ اصل کے لحاظ سے گورے اور عیسائی نہیں بلکہ ان بدقسمت اور مظلوم مسلمانوں کی اولاد ہیں جنہیں خداوندان کلیسا کی آگ اور جبر کی لاٹھی نے زبردستی اسلام سے محروم کر دیا تھا اس لئے آج وہ آزادی کی ہوا میں سانس لینے کا موقع پاتے ہی دھڑا دھڑ اسلام کی طرف لوٹ رہے ہیں، تقریباً پون صدی تک مصطفیٰ کمال کی ملحدانہ تلوار کے سائے میں دبے رہنے اور عربی زبان سے زبردستی دور رکھے جانے کے باوجود بھی ترک رہنما عدنان میندریز شہید کے عہد میں عربی زبان میں اذان سنتے ہی ترک مسلمان جوق در جوق مساجد کی طرف لپک پڑے تو نام نہاد سیکولر صلیبی دنیا میں بھونچال سا آ گیا اور ایک مستشرق نما پادری لوئیس کو لکھنا پڑا کہ ”اسلام ایک انوکھا پرابلم ہے!“ گویا:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

سنٹرل ایشیا کے مسلمان سو سال تک کمیونسٹ روس کی سفاکی کی زد میں رہے مگر جونہی یہ سرخ سامراج بکھرا اور غبار چھٹا تو نیچے سے چھ آزاد مسلمان ملک نمودار ہو گئے جو آج اسلامی کانفرنس اور ای سی او (ECO) کے بھی ممبر ہیں، عالم اسلام کا حصہ ہیں اور اسلامی اخوت و مساوات کی غیر فانی قوت کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں! ذرا تھوڑا سا پیچھے چلے جائیں تو عباسی خلافت کے دارالخلافہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والے ہلاکو خان کا پوتا غازان خان فاتح ہونے کے باوجود اپنے مفتوحین کے جذبہ اسلامی اخوت و مساوات سے متاثر ہو کر اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا تھا اور اس کے نام لیوا عثمانی ترک چار صدیوں تک صلیبی یورپ کی سامراجی یلغار کی راہ میں سد سکندری بن کر حائل رہے اور ہر یورپی طوفان کا رخ موڑتے رہے مشہور امریکی مستشرق پی کے ہٹی (P K Hatti) غازان خان کے اس قبول اسلام کو بجا طور پر اس دین حق کی روشن اور شاندار فتح (Dazling victory of

(Islam) قرار دیتا ہے۔(222)

اسلامی اخوت و مساوات اور قرآن کریم کا عالمگیر برادری اور برابری کا تصور تو ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کے مؤثر ہونے یا زندہ جاوید قوت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور شاید یہی حقیقت ہے جو دشمنان اسلام کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے اور وہ صدیوں سے اسے نیست و نابود کرنے کے لئے اپنا ہر حربہ آزما چکے ہیں اور آزما رہے ہیں، نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ ان کا جدید ترین، خطرناک ترین ہتھیار اور شاید سب سے آخری حملہ ہے جو ہمیں غزوۂ خندق کی یاد دلاتا ہے جب یثرب کے یہودی قریش مکہ سمیت تمام جزیرۂ عرب کے کفار کو ایک طوفان بلا خیز کی شکل میں مدینہ پر نوٹ پڑنے کے لئے اکسالائے تھے تاکہ مدینہ منورہ کی ننھی سی اسلامی ریاست کو نابود کر دیں، آج بھی انکل سام کی قیادت میں اپنے نئے بغل بچوں - اسرائیل اور بھارت کے اکسانے پر عالم اسلام کو ملیا میٹ کر دینے اور اپنی استحصالی بھوک کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا سامان کرنے کے لئے منڈلا رہے ہیں، لیکن بفضل خدا آج والوں کا حشر بھی وہی کل والوں جیسا ہی ہوگا! رہے گا صرف رب تعالیٰ کا نام جو ہر شے پر قادر اور ہر ایک قوت پر غالب ہے!

یوں مسلم حکمرانوں کی کوتاہی، بے نیازی اور مقاصد امت سے غفلت اور بیگانوں کی عداوت، عناد اور مسلسل سازشوں کے باعث تاریخ مذاہب کا آخری اور کامل ضابطہ زندگی پوری طرح دکھی اور محتاج دنیا تک کماحقہ پہنچ نہیں پایا، آج کے انسان کو جس عدل وانصاف اور اس کے نتیجہ میں امن وخوشحالی کے ساتھ ساتھ جس آزادی، بھوک سے نجات اور برادری و برابری کی تمنا اور تلاش ہے وہ سب کچھ اسلام کے پاس موجود ہے، اسی لئے تو خود غرضی، خود پرستی اور خودنمائی کے مریض سود خور اس کی بیخ کنی اور مخالفت میں تمام حدود کو پھلانگ چکے ہیں لیکن جیسے جیسے روشن ضمیر انسان اس حرص کے مارے ہوئے سود خوروں کے چنگل سے آزاد ہو کر دیکھنے، سوچنے اور ڈھونڈھنے میں لگا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پسند کردہ اسی ضابطہ زندگی کی طرف متوجہ ہو کر اس کے قریب سے قریب تر آ رہا ہے۔ اس میں بھی شاید حکمت یہ

ہے کہ انسان کو جو چیز اپنی تلاش وجستجو سے میسر آتی ہے اس کی قدر ومنزلت زیادہ ہوتی ہے، ہمارے اہل علم وفکر کو اگر توفیق ملے تو اس وقت عملی جہاد فی سبیل اللہ کی مستحسن صورت یہی ہے کہ ان خود غرضوں، خود پرستوں اور خود نمائی میں مبتلا لوگوں کے منفی پراپیگنڈے کا مناسب جواب تیار کریں اور آج کے محتاج انسان کی حاجت روائی کا وہ فریضہ ادا کریں جو بلغوا عنی ولو آیۃ (میرے دین کو انسانوں تک پہنچا دو خواہ ایک آیت قرآنی کے معنی اور مقصود ہی کیوں نہ ہو) میں پوشیدہ ہے!!

کہنے کی بات یہ ہے کہ عہد نبوی وخلافت راشدہ میں یہودی حاسدین دین اسلام کے سیل رواں کا تو کچھ نہ بگاڑ سکے اور نہ کتاب وسنت میں وہ تصرف کر سکے جس سے انہوں نے سیدنا مسیح علیہ السلام کے پیغام حق کو ابراہیمی اور موسوی مسلک توحید سے پھسلا کر تثلیث کا رنگ دینے میں کامیابی حاصل کر لی تھی، تاہم وہ ان لوگوں کو دیا سلام کی قیادت اور باگ ڈور سنبھالنے سے محروم کرنے میں کامیاب ہیں اور ایسے لوگوں کو آگے لاتے رہے ہیں جو اسلام سے بیگانے تھے مگر مسلمانوں کے روپ میں کرسئ اقتدار پر قابض ہوتے گئے جو اسلام کو دین عمل کی حیثیت سے کارفرما ہونے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسلام بھی مسلمانوں کی ایسی ہی شہنشاہیت کا علمبردار ہے جیسے اس وقت روم وایران یا ان سے پہلے یونانیوں کے نمونے موجود تھے یا جیسے آج ہماری اسلامی دنیا کے بیشتر حکمران اپنی اقوام سے بیگانہ اور غیر نمائندہ ہونے کے باعث غیروں کے سہارے اقتدار پر قابض ہوتے ہیں اور اس وقت تک کرسئ اقتدار سے چمٹے رہتے ہیں جب تک یہ غیروں کے اشاروں پر چلتے ہوئے اسلام کے ہر مفاد پر ضرب پر ضرب لگاتے رہتے ہیں! بے کس اور بے بس مسلمان اسلامی شورائی جمہوری نظام پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے حکمران منتخب کرنے سے محروم چلے آتے ہیں تاہم اب یہ مرحلہ بھی گزرنے کو ہے اور ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب مسلمانوں کی شورائی جمہوری آواز ہی حکومتوں کو بنانے، انہیں سہارے دینے کے قابل اور عالمگیر اخوت ومساوات کو عملی طور پر نافذ ہونے کے لئے اپنی ذمہ داری

سنبھالیں گے! اسلامی دنیا کی بیماری یہی ہے کہ غیر نمائندہ حکمران ان پر مسلط کر دیے جاتے ہیں جو ہمیشہ عام مسلمانوں کے مفاد کے بجائے اپنے مسلط کرنے والے سامراجیوں کے مفادات کی نگرانی کرتے رہتے ہیں! مگر جہالت کے اندھیرے اب چھٹ چکے ہیں اور علم کی روشنی میں سب کچھ نظر آنے لگا ہے، اس آنے والے وقت میں مسلمانوں کی بھی نمائندہ حکومتیں قائم ہوں گی جو عدل و انصاف کی بنیاد پر امن و سلامتی اور خوشحالی کو ممکن بنا دیں گی! اس طرح اسلامی اخوت و مساوات کی فضا قائم ہو گی جو غیر اسلامی دنیا کو بھی کم سے کم انسانی اخوت و مساوات کیلئے آمادہ کرے گی! کسی پر کوئی جبر نہ ہوگا، ہر انسان کی آزادی کا تحفظ اور بھوک سے اس کی نجات کا سامان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عدل و سلامتی سے تو یقیناً بہرہ ور ہوگا!

بعد کے حکمرانوں کا عالمگیر مساوات سے انحراف

تیس بتیس سالہ عہد نبوی و خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا جو شاہی خاندان وجود میں آیا اسے بنو ہاشم سے تو تاریخی بیر تھا ہی جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت عظمی پر آخری حد کو پہنچ گیا مگر انہیں اشاعت اسلام یا اخوت و مساوات اور قرآن کریم کے تصور انسانی برادری اور برابری سے بھی کوئی غرض نہ تھی چند ایک مستثنیات کے سوا اموی خلفاء عرب قوم پرستی کے علمبردار تھے جس نے قیس و مضر کے جھگڑوں میں عربوں کو الجھا دیا اور عجم کے ہنر مند مسلمانوں کو اسلام کی ترقی و تبلیغ اور اسلامی معارف کی قیادت سنبھالنے میں بھی رکاوٹ ڈالتے رہے جس سے اشاعت اسلام کی رفتار شدید طور پر متاثر ہوئی، غنائم اور وسعت ملک کے شوق میں فتوحات کا سیل رواں تو کسی نہ کسی طرح رواں دواں رہا مگر اس سیل رواں کی اصل روح اللہ کی راہ میں شہادت حق اور سرفروشی کا وہ جذبہ مفقود ہو گیا جس کی بنیاد اسلامی اخوت و مساوات پر تھی، سیل فتوحات کی روانی اس وقت رک کر جمود کا شکار ہو گئی جب آگے سے کوئی طاقتور ردعمل سامنے آیا اور پیچھے سے اس مرکز طاقت سے بھی اس کا رشتہ ٹوٹ گیا جسے اسلامی عدل و انصاف اور اسلامی اخوت و مساوات کہا گیا!! اس سیل رواں کے اچانک رکنے سے کاروان اسلام تتر بتر ہو گیا اور یوں اسلامی دنیا کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا

پھر اسے نہ تورانی سنبھال سکے اور نہ ایرانی، اموی، عباسی اور عثمانی بھی وہ بات نہ بنا سکے جو اسلامی عدل وانصاف اور اسلامی اخوت ومساوات کا تقاضا تھا!

بنو امیہ نے امت کو جس عرب قوم پرستی اور قیس ومضر کے باہمی جھگڑوں میں مبتلا کر دیا تھا اس کا ردعمل عباسی تحریک تھی جو شروع تو بنو ہاشم کے نام سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پوتوں پڑپوتوں نے کی تھی مگر اسے عجمی الاصل جنگجو ابو مسلم خراسانی نے پروان چڑھایا تھا (223)۔ بعد میں اموی اور عباسی تصادم نے ہی عرب و عجم کی چپقلش اور باہمی عناد کو جنم دیا، مسلمانوں نے یورپ کے صلیبی طوفان سے بھی کوئی سبق نہ سیکھا، اگر اسلامی اخوت ومساوات کا جذبہ صادق آقا و غلام کو بھائی بھائی نہ بنا دیتا اور عرب و عجم کا فرق نہ مٹاتا تو کردنسل کا صلاح الدین ایوبی بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد نہ کرا سکتا اور پھر اس کے غلام جانشین (ممالک مصر یا مصر کا خاندان غلاماں) کے ظاہر بیبرس اور قلاوون جیسے آزاد کردہ غلام بادشاہ صلیبیوں کو مشرق وسطی سے نہ نکال سکتے، تاتاری تباہی کے طوفان کا رخ موڑنے والا مصر کا الملک الظاہر قطز بھی ایک مملوک حکمران تھا، جس طرح اموی۔عباسی تصادم نے عرب و ایران کی منافرت کو جنم دیا تھا اسی طرح عثمانی ترکوں کے عہد حکومت میں ترکی تسلط نے عرب قوم پرستی کو جنم دیا، یورپی صلیبیوں کے یہودی معلمین نے اس عرب۔ ترک تصادم کو ہوا دی جس کے ردعمل کے طور پر ترک قوم پرستی وجود میں آئی، ترکوں کے خلاف عرب شہنشاہیت کا خواب دیکھنے والے حسین شریف مکہ اور اس کے بیٹوں نے عثمانی ترکوں سے غداری کی اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، اگرچہ اس میں انگریز جاسوس لارنس آف عریبیا (Lawrence of Arabia) نے صیہونی۔سامراجی ایجنٹ کا کام کیا تاہم ترک قوم پرستوں کی بربادی کا اصل سبب وہ یہودی عورتیں تھیں جنہوں نے اسلامی اتحاد کی علامت عثمانی ترکوں کی خلافت کی جڑ کو اندر سے کھوکھلا کر کے نیست و نابود کر دیا اور مصطفیٰ کمال جیسے ملحد ترک پیدا کئے جو سیکولرازم اور الحاد کے علمبردار بن کر آگے آئے، انہوں نے جہاں ترک۔عرب عناد و منافرت کو پروان چڑھایا وہاں اسلام کو ایک

ایسے بازوئے شمشیر زن سے بھی محروم کر دیا جسے "ترک سپاہی" کہتے ہیں، عثمانیوں کا یہی ترک سپاہی تھا جس نے نہ صرف یہ کہ چار صدیوں تک صلیبی سامراجیوں کی استحصالی یلغار کی راہ میں سد سکندری کھڑی کئے رکھی بلکہ مشرقی یورپ میں اسلامی فتوحات کے بھی جھنڈے گاڑ دیئے اگر بیرونی سازشی عناصر ایران کے صفویوں سے اس ترک سپاہی کی پیٹھ میں چھرا نہ گھونپوا دیتے تو مغربی یورپ کی بھی تاریخ کے ساتھ جغرافیہ بھی بدل چکا ہوتا! تاہم آج عالم اسلام کے اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ پرانی بدگمانی، منافرت اور عناد ہے جو عربوں کو ایرانیوں سے اور ترکوں کو عرب سے دور رکھے ہوئے ہے! لیکن ہم سے ایک حقیقت پوشیدہ نہیں رہنا چاہئے کہ ان مسلم حکمرانوں - امویوں، عباسیوں، عثمانیوں حتیٰ کہ صفویوں اور مغلوں کی اکثر فتوحات سے اسلام کو کچھ حاصل نہیں ہوا، بلکہ ان جنگجو فاتحین کی بعض بے رحمانہ یلغاروں اور مفتوحین کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ نے اسلام کو داغدار کر دیا ہے، یہ فاتحین اصل راہ سے ہٹ گئے تھے یا انہیں ہٹا دیا گیا تھا، اسلام بادشاہوں کی فتوحات کا علمبردار نہیں ہے، اسلام تو ایک انسان دوست ضابطہ حیات ہے جو روئے زمین پر امن وسلامتی سے پہلے عدل وانصاف قائم کرنا چاہتا ہے جو تمام انسانوں کو ایک رب کی مخلوق اور ایک باپ کی اولاد مانتے اور منواتے ہوئے اخوت ومساوات کا ایک ایسا رشتہ مہیا کرتا ہے جس میں تمام نوع انسانی کو پرو دینا مقصود اصلی ہے تاکہ کوئی برتر اور کوئی کمتر نہ قرار پائے، البتہ جو اپنے رب کا اچھا بندہ بن کر اس کے تمام حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کمال کو پہنچتا ہو، یہی وہ متقی ہے جو تقوی اللہ کے تقاضے پورے کر رہا ہے!

تاہم اسلام کے صحیح راستہ سے منحرف حکمرانوں کے دور میں بھی اسلامی معاشرہ میں اسلامی اخوت ومساوات کا جذبہ کسی نہ کسی رنگ میں زندہ رہا، جو تحریک اسلامی غار حرا کے پیغام "اقرأ" سے شروع ہوئی تھی اسے عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں عروج اور فروغ نصیب ہوا اور وہ ایک ایسی زوردار تحریک بن گئی جس کا رخ موڑنا یا جسے روکنا کسی کی مجال نہ

تھی، اس تحریک عدل وفلاح اور اخوت ومساوات نے جدھر کا رخ کیا منزل سے پہلے نہ رکی اور جہاں تحریک کے علمبرداروں نے قدم رکھے وہاں کا انسانی معاشرہ ان کے رنگ میں رنگ گیا، وہ مقامی لوگوں میں اس طرح گھل مل گئے کہ مقامی اور نو وارد، فاتح ومفتوح اور حاکم ومحکوم کا فرق مٹ گیا، جن خطوں میں اس تحریک کے سچے اور مخلص علمبردار گئے وہ سب کے سب اسلام کے رنگ میں رنگے گئے، وہاں پر آج بھی مسلم اکثریت آباد ہے اگرچہ وہاں کے حکمران عہد نبوی وخلافت راشدہ کے رنگ کی بجائے بعد کے منحرفین۔ امویوں، عباسیوں اور ترکوں۔ کی ڈگر پر چلتے رہے، حتیٰ کہ اصل اسلامی نظام زندگی سے انحراف کے مرتکب مسلم فاتحین میں اور دیگر اقوام وملل کے فاتحین کے درمیان کوئی خاص فرق نہ رہا تھا اور نہ ہے، ان حکمرانوں نے غلط کام بھی کئے، مظالم کا ارتکاب بھی کیا مگر یہ سب بدنامی اسلام کے حصے میں آئی! خلق خدا ان کے اس رویہ کو ہی اسلام کا سلوک سمجھ بیٹھی! اس طرح ان کی غلط کاریاں اور ستم رانیاں بھی اسلام اور مسلمانوں کے کھاتے میں پڑ کر اسلامی تاریخ کا حصہ قرار پا گئی ہیں، لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر مگر اسلامی عدل وانصاف اور اسلامی اخوت ومساوات کے آئینہ دار عہد مبارک میں ایک اموی گورنر نے شکایت لکھ کر بھیجی کہ یہاں کے لوگ بعض مبلغین اسلام کے وعظ سے متاثر ہو کر دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے ہیں اور اس طرح جزیہ کی وصولی میں خلل واقع ہونے کے باعث سرکاری خزانہ خالی ہو گیا ہے، اس لئے فرمان جاری کیا جائے کہ اب جو بھی مسلمان ہوا سے غیر مسلم سمجھتے ہوئے اس سے جزیہ ہی وصول کیا جائے گا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس گورنر کو سرزنش کرتے ہوئے لکھا کہ کمبخت اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیہ وخراج یا عشر وصول کرنے کے لئے مبعوث نہیں کیا تھا! انہیں تو تمام انسانوں کو احکام شریعت پہنچانے، اخوت ومساوات میں رنگ دینے اور دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا تھا! (224)

اس ایک تاریخی واقعہ سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام کے راہ حق سے منحرف ہونے

والے مسلم حکمران کیا کیا کرتے رہے ہیں اور یہ کہ انہیں میں ''منحرفین'' کیوں کہتا ہوں! ان لوگوں نے ہوس ملک گیری کے لئے فتوحات کیں، مال غنیمت کے لئے شہروں پر قبضہ کیا اور یہ لوٹ بھی خلق خدا کو ستانے اور بستیاں برباد کرنے میں دیگر مذاہب و اقوام کے فاتحین سے مختلف نہ تھے، جہاں جہاں یہ فاتحین گئے وہاں اسلام اکثریت کا مذہب نہ بن سکا اور آج بھی وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں! کیونکہ بندۂ مومن کی تلوار تو صرف شہادت حق کے لئے اٹھتی ہے تاکہ دنیا میں عدل و انصاف قائم ہو اور لوگ اسلامی اخوت و مساوات کو اپنا کر متحد اور برابر ہو جائیں، بقول اقبال:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی

رسول اعظم و خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و تلقین میں عقیدۂ توحید اور تصور وحدت نسل انسانی کی بنیاد پر قائم ہونے والی انسانی برادری و برابری کے ساتھ ساتھ اسلامی اخوت و مساوات کے مقدس رشتہ پر اس قدر زور کیوں دیا اور بار بار رشتہ اخوت کی تجدید اور مساوات و برابری کی تاکید کیوں فرماتے رہے؟ اس کا جواب ایک تو اس حقیقت میں بھی مل جاتا ہے کہ سرکاری سطح پر اسلامی اخوت و مساوات پر عمل اور اس کی باقاعدہ تجدید، تلقین و تائید عہد نبوی و خلافت راشدہ کے بعد ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ اگر امت کے بعض نیک اور خیر خواہ گروہ اسے زندہ نہ رکھتے، اس پر عمل نہ کرتے اور اس کی تجدید، تاکید نہ کرتے رہتے تو لوگ اس تصور کو بالکل ہی فراموش کر چکے ہوتے۔ ان منحرف حکمرانوں نے جو اس حقیقی اسلامی روش سے انحراف کیا اور اسلام کے قائم کردہ سیاسی، معاشرتی، معاشی، عدالتی اور دینی نظام زندگی کی بجائے رومن اور پرشین بادشاہوں کا نظام اور طریقہ کار اپنا لیا تو دنیا بھر کے تمام مسلم حکمران بھی اسی عام ڈگر پر چل پڑے اور آج بھی چل رہے ہیں یہ اپنے سیکولر ہونے کا اعلان کریں یا نہ کریں عملاً یہ سیکولر ہی تھے اور آج بھی ہیں، یہ سب لوگ ایک حقیقت کو بھول گئے کہ اسلام صرف اس لئے نہیں تھا کہ رومنوں، ایرانیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے بادشاہوں کی طرح مسلمانوں کے بھی اپنے بادشاہوں کے سلسلے چل پڑیں، بلکہ اسلام تو اس

لئے آیا تھا کہ روئے زمین پر عدل کی چادر بچھا کر اس پر امن وسلامتی اور سکون وخوشحالی کا رنگ چڑھائے اور انسانیت کو غلامی سے چھٹکارا دلائے، بھوک سے نجات دلائے اور اخوت ومساوات قائم کرنے کے بعد اس روئے زمین کو جنت ارضی میں بدل دیا جائے! رسول اللہ ﷺ کو غلامی اور غربت سے نجات کے ساتھ ساتھ اخوت ومساوات قائم کرنے کی جو فکر تھی اور اس کی آپ نے بار بار جو تجدید وتاکید فرمائی اور خیال فرمایا اس پر عمل نہ کر سکنے کے امت کے لئے جو نقصانات ہیں ان کا اندازہ لگانے کے لئے مسلم سپین اور مسلم ہندوستان کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اس سے صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہاں پر اشاعت اسلام اور مسلمانوں کے اکثریت میں نہ ہونے کا بڑا سبب مقامی لوگوں سے دور دور رہنا جو اسلامی اخوت ومساوات کے خلاف تھا نیز اس اپنائیت کا فقدان تھا جو اسلامی اخوت اور حسن اخلاق کا امتیاز ہے دیگر اسلامی ممالک میں فاتحین اور مفتوحین کے درمیان تعلقات اور برتاؤ کی وہ نوعیت نہ تھی جو مسلم سپین میں عربوں اور بربروں نے اختیار کی یا جو انداز افغانوں، ترکوں اور مغلوں نے مسلم ہندوستان میں اپنایا۔

اسلام سپین وہند میں

سپین اور ہندوستان کی فتوحات کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے، تاہم سپین کی فتح طارق بن زیاد کی مرہون منت ہے جو ایک بربر مسلمان تھے۔ اقبال کے الفاظ میں کشتیاں جلانے کے بعد طارق نے اپنے جانبازوں کو جان پر کھیل جانے کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست" (ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ یہ ہمارے خدا کا ملک ہے) مگر احمد المقری نے نفح الطیب (134) میں اس موقع پر اس عظیم فاتح کی جو تقریر نقل کی ہے اس میں وہ اپنے ساتھیوں کو مار دینے یا مر جانے کا حکم دیتے ہوئے انہیں سپین کی سیمیں بدن لونڈیوں اور مال غنیمت کا احساس دلوایا گیا تھا، طارق کے لشکر میں کسی عالم، کسی محدث یا کسی صوفی کا ذکر نہیں ملتا، بعد کے ادوار میں عربوں اور بربروں میں جو چپقلش اور منافرت شروع ہوئی وہ بھی آخر تک جاری رہی، پھر وہاں مشرق سے جانے والے فقیہ اور

فلسفی تو تھے جو کتاب اور تلوار تو لئے پھرے مگر کسی ایسے ولی اللہ اور صاحب طریقت کا تذکرہ نہیں ملتا جس نے سید ہجویر کی طرح مرشد لاہور کا کردار ادا کیا ہو: اسی طرح وہاں پر کوئی خواجہ اجمیر معین الدین چشتی سجزی بھی نظر نہیں آتا جو راجپوتانہ کے مرکز میں مغرور راجپوتوں کے سامنے ایک پہاڑ کا سا حوصلہ اور صبر لے کر دعوت حق کے لئے جم کر بیٹھ گیا ہو، مسلم سپین اس اپنائیت سے بھی محروم رہا جو اسلامی اخوت و مساوات کا مظہر ہے اور جس کے طفیل نو وارد مسلمان مقامی لوگوں میں گھل مل کر ان کے دلوں میں اتر گئے ہوتے، نتیجہ یہ کہ مسلمان۔ عرب اور بربر۔ اجنبیوں کی طرح گئے اور غیر ملکیوں کی طرح یوں باہر نکال پھینکے گئے جس طرح آٹے سے بال نکال کر پھینک دیا جاتا ہے، آج وہاں جامع قرطبہ اور قصر حمراء تو موجود ہیں مگر انہیں بنانے والوں کی نسل یا ان کے وارث مسلمان وہاں نہیں ملتے! عرب اور بربر حکمران طاؤس و رباب میں پھنس کر رہ گئے تھے، درباری شاعروں یا ادیبوں کا تذکرہ تو ملتا ہے مگر کسی ولی اللہ یا مبلغ اسلام کا نام نہیں ملتا! لذیذ معقولات و مشروبات کے ماہر زریاب کی آؤ بھگت کرنے والے تو دیوانہ وار لپکتے نظر آتے ہیں مگر کسی صاحب حال صوفی کے والہانہ استقبال کا ذکر کہیں نہیں! مسلم سپین کے حکمران، فرانس، پرتگال یا جرمنی میں پیغام اسلام تو کیا پہنچاتے وہ تو تمام عمر قشتالہ اور ارغون کی عیسائی ریاستوں کے ڈر سے ادھر ادھر دیکھ بھی نہیں سکتے تھے، انہیں آپس کی لڑائیوں۔ عرب۔ بربر تصادم۔ سے ہی فرصت نہ تھی وہ اسلام کی سربلندی کے لئے کیا کرتے وہ یا تو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے ملوک الطوائف بننے میں مصروف رہے یا دشمنوں کو خراج ادا کرنے کے لئے اپنی رعایا کی کھال اتارتے رہے اس لئے آج وہاں وہ عرب ہیں اور نہ بربر، سب کو بیک بینی و دو گوش، دیس نکالا مل گیا تھا! مسلم سپین ایک باب عبرت بن چکا ہے، مسلم حکمرانوں نے سپین کو زراعت، صناعت، تعمیر اور ثقافت میں جس بلندی پر پہنچایا تھا وہ پھر عیسائی سپین کو کبھی آج تک نصیب نہ ہوئی مگر اس سے بھی بڑی عبرت یہ ہے کہ سپین دنیا کا واحد خطہ ہے جہاں سے اسلام، مسلمانوں، اور مسلمانوں کی حکومت سب کچھ ختم کر دیا گیا ورنہ جہاں بھی مسلمان

گئے وہاں آج مسلم حکومت نہ سہی مگر اسلام اور مسلمان اسی طرح موجود ہیں، مگر سپین کی مثال ایک عبرت ہے!

مسلم ہندوستان کا معاملہ کچھ کچھ مسلم سپین سے ملتا جلتا تو ہے مگر ان کے احوال میں فرق اور اختلاف بھی بہت وسیع ہے، مسلم سپین اور مسلم ہندوستان میں ایک تو یہ بات مشترک ہے کہ ان کا زمانہ فتوحات ایک ہی ہے، دوسری یہ بات مشترک ہے کہ دونوں جگہ مسلم حکمرانوں کو اشاعت، تقویت اسلام کی سرپرستی کی توفیق نہ ہو سکی، سپین میں عیسائی عورتیں اور لونڈیاں شاہی محلوں پر چھائی رہیں جب کہ ہندوستان کے مسلمان حکمران، الا ماشاء اللہ، عوام میں گھل مل جانے کے بجائے یا تو شاہی محلوں تک محدود رہے یا ہندو عورتوں سے شادیاں رچاتے رہے اور ایک مشترک ''ہندو مسلم'' نسل کی تیاری میں کوشاں رہے جو بیک وقت ہندو بھی ہو اور مسلمان بھی! اب بھی عیار برہمن ایک ایسی ہی متحدہ قومیت کے لئے پاگل ہوا جا رہا ہے جو صرف ہندو مزاج مسلمان پیدا کرے مگر اس میں اسلام مزاج ہندو کوئی بھی نہ ہو! اس طرح اسلام خود بخود ختم ہو جائے گا! ان مساعی غیر حمیدہ کے نتیجہ میں جو نسل تیار ہوئی وہ حضرت مجدد الف ثانی کے الفاظ میں ''مسلمانان ہندو مزاج'' تو تھے مگر اسلام اور مسلمانوں سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا اسلامی اخوت و مساوات پر عمل اور اس انسان دوست تصور زندگی کی اشاعت کی توفیق تو کسی کو کیا ہوتی الٹا ہندو معاشرہ کی ذات پات اور چھوت چھات کے جراثیم مسلم معاشرہ میں بھی گھس آئے!! شادی بیاہ اور موت فوت کی ہندوانہ رسومات کو بھی بعض مسلمانوں نے گلے سے لگا لیا! اس اباحیت (سب کچھ روا ہے) کو گلے لگانا سیکھ لیا ہے! ایسی ہندو مزاج طبقہ تھا جو کبھی گاندھی بھگت بنتے رہے کبھی ہندو کانگرس کے مفادات کے محافظ بنے رہے اور کبھی نمائشی نمائندے بن کر نمائشی عہدوں پر فائز ہوتے رہے اور ان کی نمائش سے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر متعصب اور جنونی ہندو اپنے نام نہاد سیکولرازم کی کھال بچاتے رہتے ہیں!

برصغیر پاک و ہند میں ایک ہزار سالہ مسلم حکمرانی کا المیہ صرف یہی نہیں کہ یہاں پر

قرن اول کے عرب مسلمانوں کا صرف ایک ہی قافلہ محمد بن قاسم کی قیادت میں وارد ہوا تھا جس نے بلوچستان، سندھ، پنجاب اور سرحد یا یوں کہہ لیجئے کہ موجودہ دولت خدا داد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے علاقے میں نہ صرف اسلامی عدل وانصاف کی شمعیں روشن کیں بلکہ اسلامی اخوت ومساوات کے درس وتبلیغ کے علاوہ اس انسانیت دوست معاشرتی روایت پر عمل بھی کیا، اس خطے میں مسلم اکثریت کا وجود بڑی حد تک اسی کاروان حق میں شامل محدثین وعلما اور صوفیہ کی مساعی حمیدہ کا ثمر شیریں ہے جنہوں نے اس خطے میں علم ومعرفت کے مراکز کھولنے کے علاوہ عوام الناس سے بھی براہ راست رشتہ اخوت اسلامی قائم کیا، اس عربی دور حکومت میں یہاں عربی زبان میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی قائم ہوا، (225) علی المدینی کی بعض تصانیف سے ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ نے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس خطے کے علماء کی تصانیف سے اپنی البیان والتبیین اور کتاب الحیوان میں بہت کچھ نقل کیا ہے، یہاں پر اس دور میں جو عربی شاعری تخلیق ہوئی اس کی مثالیں بھی عام مل جاتی ہیں۔ بعد میں اُچ شریف اور ملتان کے صوفیہ کرام کے علاوہ سید ہجویر اور بابا فرید گنج شکر جیسے بزرگوں نے اسی اسلامی اخوت ومساوات کی تعلیم اور عملی مظاہروں سے اس خطے کی اکثریت کو اسلام کا حلقہ بگوش بنادیا اور یہاں دین حق نے جڑ پکڑ لی جو اللہ کے فضل سے بے حد گہری ہے!

بعد میں خیبر کے رستے ہندوستان میں آنے والے فاتحین کا رنگ ڈھنگ ہی کچھ اور تھا، ہندو برہمن نے یہاں کے جن اصل باشندوں (دراوڑوں) کو غلام بنا کر اپنی خدمت پر لگا لیا تھا اور ''اچھوت'' کے لقب سے نواز کر' انہیں ہندو معاشرہ کے چوتھے طبقہ کے طور پر قبول کر لیا تھا، وہ ہزاروں سال سے جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے اور سنگدل برہمن کے آگے سرنگوں ہونے پر مجبور چلے آتے تھے (اور اب بھی مجبور ومقہور ہیں) ان کے لئے اسلامی اخوت ومساوات کی دعوت ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوناتھی مگر یہ آواز اول تو اچھوتوں کے کانوں تک پہنچ ہی نہ پائی اور اگر پہنچی بھی تو عیار برہمن اس پر انہیں لبیک کہنے سے روکنے کے جتن کرتا رہا اور اب بھی کرتا رہتا ہے اس کا توڑ ڈھونڈنے کی کبھی کسی مسلمان نے شاید

زحمت ہی نہیں کی، یہودی کی طرح ہندو برہمن بھی سازشیں کرنے میں کمال رکھتا ہے، جب کبھی بھی کسی مسلمان صوفی یا واعظ نے اسلامی اخوت و مساوات کے درس و عمل سے اچھوتوں کو متاثر کرنے میں کامیابی حاصل کی تو عیار برہمن نے ہندو مسلم فساد کی آگ بھڑکا دی سیکولر ذہن کے مالک یا اسلام سے لاتعلق مسلم حکمران فسادات کی اس آگ کو اپنے اقتدار کی لذت کے لئے خطرہ تصور کرنے لگتے تھے اور ہر حال میں اسے دبانے بجھانے پر تمام تر طاقت صرف کر دیتے تھے اور آج بھی برہمن فسادات مچانے یا جنگ کا راگ الاپنے کا نسخہ ہی آزماتا ہے برعظیم میں قیام امن برہمن کا کبھی مقصد تھا اور نہ یہ اس کے مفاد میں ہے!!

اچھوت اور اسلامی مساوات

اگر مسلم ہندوستان میں اسلامی اخوت و مساوات سے سرشار اور اس کے علمبردار قرن اول کے مسلمانوں کی روش کو ہر سطح پر اپنایا جاتا اور مسلمان مقامی برہمن کی چالوں کو ناکام بناتے ہوئے نچلی ذاتوں کے پسے ہوئے انسانوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتے تو مسلم ہندوستان کی ڈیموگرافی بالکل تبدیل ہو جاتی اسلام آج برعظیم میں اکثریت کا مذہب ہوتا کیونکہ نچلی ذاتوں کے لوگ ہندو برہمن کی عیاری اور چیرہ دستی سے تنگ اور بیزار تھے اور آج بھی ہیں، چنانچہ اچھوت لیڈر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیدکر ہندومت سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے (226):

"To the Untouchables, Hinduism is variable chamber of horrors. The iron Law of caste, the heartless law of Karma and the senseless law of status by birth, are veritable instruments of torture, which Hinduism has farged against the Untouchables."

یہ الفاظ ایک ایسے بین الاقوامی شہرت کے مالک سکالر کے ہیں جو یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر کے آیا تھا، عمر بھر نچلی ذاتوں کے حقوق

کے لئے لڑتا اور چلاتا رہا، ہندو کانگرس کے بڑے بڑے برہمنوں اور پنڈتوں نے اس کی ایک نہ سنی اور نہ مانی کیونکہ وہ ان نچلی ذاتوں کے انسانوں کو ان کی کثیر تعداد کو جھانسے دے کر اپنے طبقاتی ہندو معاشرے میں جکڑے رکھنے پر تو مصر تھے لیکن انہیں حقوق دینے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوئے، نہ آج نہ کل، نصف صدی سے آزادی کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے یہ بندے اور آدم خاکی کے فرزند گھمنڈی برہمن کے اسی طرح حقیر غلام چلے آتے ہیں جس طرح وہ ہزاروں سال سے برہمن کے ہاتھوں ستائے جا رہے تھے، ڈاکٹر بھیم راؤ امبید کر انہیں کے لیڈر تھے جو برعظیم کے اصل باشندے ہیں مگر باہر سے آنے والے آریائی برہمن نے انہیں اچھوت کہہ کر ہندو معاشرہ کا چوتھا طبقہ بنا کر رکھا ہوا ہے (اور اب بھارتی مسلمانوں کو اقتصادی طور پر اپاہج اور سیاسی طور پر لاوارث بنا کر ہندو معاشرہ کا سب سے پست اور پانچواں طبقہ بنا چھوڑا ہے!)، جب قائد اعظم نے اچھوتوں کے اس عظیم لیڈر کو برہمن کے پنجے سے آزاد ہونے کے لئے ساتھ ملانا چاہا تو ہندو کانگرس کے پنڈت نہرو اور گاندھی کے غبارے سے ہوا نکلنے لگی تھی اور منت ساجت کر کے اور بہلا پھسلا کر اسے اپنے ساتھ ملا لیا مگر آزادی کے بعد اسے کوئی معتبر عہدہ دینے کے قابل نہ سمجھا! یہی سلوک وہ محمد علی جناح سے بھی کرنا چاہتے تھے لیکن وہ برہمن کو خوب سمجھتا تھا! اور خدا نے اس کا ایک کردار مقدر کر رکھا تھا جو قیام پاکستان پر منتج ہوا!!

آج بھی اچھوت کو برہمن حقیر جانتا ہے، اس کے چھونے سے ناپاک ہو جاتا ہے! اس کے ساتھ بیٹھنا، کھانا پینا اور ہاتھ ملانا تو دور کی بات ہے، گھمنڈی برہمن تو اسے اپنے کنویں سے پانی بھی نہیں لینے دیتا بلکہ اپنے مندر میں بتوں کی پوجا کے لئے بھی نہیں آنے دیتا اور اپنے ساتھ سڑک پر بھی نہیں چلنے دیتا، ڈاکٹر امبید کر ہی ایک جگہ لکھتے ہیں (227):

"During the Peshawas rule, if a high Hindu caste was walking on the road the low caste Hindus did not have the permission to walk on the same road lest the former

becomes impure by the shadow of the latter. It was necessary that every low caste Hindu should tie a black thread on his wrist or neck so that the high caste Hindu recognized him and did not touch him by mistake!"

ذرا سوچئے کہ حکمران تو مسلمان ہیں مگر ہندو معاشرہ پر حکومت گھمنڈی برہمن کی ہے جو یہاں کے اصلی باشندوں - دراوڑوں - کو ہزاروں سال سے غلام بنائے ہوئے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر زندگی پر مجبور کر رکھا ہے مگر پیغمبر اخوت و مساوات - صلی اللہ علیہ وسلم - کے نام لیوا مسلمان حکمران ہیں پھر بھی ان بیچارے اچھوتوں کو برہمن کے پنجے سے چھڑانے کا نام ہی کوئی نہیں لیتا اور جب کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ صوفی صاحب طریقت انہیں اس انسانی و اسلامی برابری کا درس دیتا ہے اور وہ دھڑا دھڑ اسلام کی طرف لپکتے ہیں تو برہمن لرز جاتا ہے پھر کیا ہوتا ہے کہ فسادات کی آگ بھڑکا دی جاتی ہے اور الزام اس صوفی پر لگتا ہے کہ وہ "مذہبی منافرت" پھیلا رہا ہے! کرسیٔ اقتدار سے چمٹے ہوئے ذہنی طور پر سیکولر اور ظاہری طور پر مسلمان کہلانے والے حکمران کو خطرات لاحق ہو جاتے ہیں اور فسادات روکنے کے لئے اسی صوفی کو شہر بدر کر دیا جاتا ہے اور کھیل ختم ہو جاتا ہے! اچھوت بیچارہ پہلے سے بھی زیادہ ستایا جاتا ہے تاکہ وہ پھر کبھی اسلام کا نام بھی نہ لے! برہمن کے ایسے ہی مکارانہ و ظالمانہ ہتھکنڈوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر امبید کر فرماتے ہیں (228):

"They (Brehmans) began to arrogate powers and privileges for themselves ! If a Brehman killed a non-Brehman, he would not be punished! He, by his birth is the Lord of the Universe! Even the wicked Brehman must be worshipped! Priest craft is bane of India ! ..... A hundred million or so Brehmans suck the blood of these

poor people without even the least effort for their amelioration! Is that a country or a hell!? Is that a religion or the devil's dance !?"

برہمن اپنے خود ساختہ طبقاتی معاشرہ کا دیوتا ہے! اس کے بغیر ہندو معاشرہ بے آسرا، بیکار اور ناپاک ہے! گویا برہمن ایک مذہبی ضرورت ہے اس لئے اس کائنات کی ہر شے بلا چون و چرا اس کی ملکیت ہے حتیٰ کہ اچھوت کی زندگی بھی برہمن کی ملکیت ہے کیونکہ (229):

"The Universe is under the power of the gods, the gods are under the power of the mantras, the mantras are under the power of the Brehmans. Therefore the Brehmans are our gods."

اور برہمن کی یہ حیثیت صرف طبقاتی تقسیم کی مرہون منت ہے، اگر یہ طبقاتی تقسیم ختم ہو جائے تو برہمن ختم ہے اور جب برہمن ختم ہو گیا تو ہندو مت بھی ختم ہو گیا (230)!

"If and when caste disappears from India, Hinduism will also disappear !"

اونچ نیچ کے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے اس معاشرہ کے تمام بندھن مکڑی کے جالے ہیں مگر اخوت و مساوات کے علمبردار دین حق کے سامنے بھی یہ بندھن فولادی قلعے ثابت ہوئے، صرف برہمن کی دھونس دھاندلی اور مکاری کے باعث اور مسلم حکمرانوں کی بے غیرتی، اقتدار پرستی اور اسلام سے بے وفائی کے باعث اور اس وقت کے نام نہاد مسلمان اہل فکر و دانش کی غفلت، خود پرستی اور خود نمائی کے باعث! کسی کو ہندو معاشرہ کی طبقاتی تقسیم کے یہ مکڑی کے جالے نظر ہی نہ آئے ہر ایک اپنے اپنے مفاد میں مست تھا، کسی کو اسلام کی اشاعت کے غلبہ سے کوئی غرض نہ تھی! اسلامی اخوت و مساوات کو سب فراموش کر چکے تھے، یہ تو بھلا ہو بعض صوفیہ کرام کا جن کی جرئت ایمانی اور ثابت قدمی نے، مسلم

حکمرانوں کی مداہنت اور مسلمانوں کی غفلت کے باوجود، اسلام کی جڑیں اس قدر مضبوط کر دی ہیں کہ مسلم برصغیر اب مسلم سپین نہیں رہا! جنوبی ہندو کی ''ھندت وا (Hindutwa) تحریک'' بھی اسی طرح ناکام ہوگی جس طرح اس کی سنگھٹن اور شدھی کی تحریکات قصہ ماضی بن چکی ہیں! امن و سلامتی، عدل و انصاف اور انسانی برادری و برابری کے آرزومند روشن ضمیر آج کے انسان کو اخوت و مساوات اسلامی کی ضرورت ہے اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اب برہمن کی عیاری، دھونس اور دھاندلی کو موقع نہ دیا جائے! اب جو معرکہ برپا ہوگا اس میں اسلحہ استعمال ہی نہیں ہوگا! اب مقابلہ ہوگا اسلامی اخوت و مساوات اور برہمن کی دھونس اور دھاندلی میں! یہ ٹکراؤ ہوگا حق اور باطل کا! روشن ضمیر اور بیدار مغز آج کا انسان حق کا ساتھ دے گا باطل کا نہیں! اسے اخوت و مساوات کی طلب ہے دھونس اور دھاندلی کی نہیں! اسے امن و خوشحالی سے پہلے عدل درکار ہے اور یہ عدل و انصاف انسانی برادری و برابری (اخوت و مساوات) اور ایمانی و روحانی بنیادوں پر قائم اخوت و مساوات اسلامی کے سایہ میں ہی میسر آ سکتا ہے!

مسلم سپین میں مسلمانوں کے زوال اور آخر کار مکمل جلاوطنی کا حقیقی سبب نسلی تصادم تھا، یہ تصادم کسی حد تک مسلم برصغیر میں بھی رہا اور آج بھی پاکستان میں صوبہ پرستی کے رنگ میں اس کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں، عالمی صیہونیت کے خفیہ سازشی ہاتھ اور برہمن کے ٹھیکیدار صوبائیت کو ہوا دیتے رہتے ہیں اور ہمارے کرسی پرست جرنیل اور سندھ پنجاب کے وڈیرے بھی صوبائی حقوق دبا کر ان کوششوں کو تقویت پہنچاتے رہتے ہیں (صوبائی دستوری حقوق اور صوبائی یا علاقائی تعصب دو مختلف چیزیں ہیں!)، لیکن مسلم ہندوستان میں ہمارے صوفیہ صافیہ اولیاء اللہ نے نہ صرف انسانی برادری و برابری کا قرآنی پیغام عام کیا بلکہ اسلامی اخوت و مساوات کے ایمانی روحانی رشتوں کو بھی عام کر کے مقامی لوگوں کے دلوں میں اتر گئے اور یوں ایک بہت بڑی غیر مسلم مقامی آبادی اسلام کی حلقہ بگوش ہوگئی مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ اسلام کے سماجی و معاشی انصاف کو پاکستان کی وڈیرہ شاہی،

جرنیل شاہی اور نوکر شاہی کے مفاد پرست کھا گئے جبکہ اسلامی اخوت و مساوات کے روحانی ایمانی اتحاد، جذبہ محبت اور تعاون کا ہمارے فرقہ پرست ملاں نے گلا دبا دیا ہے! ہماری یہ داخلی صورت حال برہمن گھمنڈی کے لئے حوصلہ افزا ہے، انگریز نے برہمن کو جس مصنوعی اکثریت کی لوری سنائی تھی (نام نہاد اعلیٰ ذات کے ہندو اکثریت میں نہیں ہیں، اکثریت تو نچلی ذات کے ہندوؤں کی ہے جو ہندومت کے ستائے ہوئے اور اس سے بیزار ہیں، یہ اگر برہمن کے شکنجے سے آزاد ہو جائیں تو ہمارے برعظیم کی ڈیموگرافی میں انقلاب آجاتا ہے اور برہمن بنیا اقلیت بن جاتے ہیں، گھمنڈی برہمن کو یہی خیالات پریشان کئے ہوئے ہیں، اسی لئے وہ جلد سے جلد پاکستان اور اسلام کا ''مسئلہ'' حل کرنے کے لئے بیقرار ہے اور اسی لئے یہاں قیام امن برہمن کی نہ ضرورت ہے اور نہ اس کے مفاد میں ہے!!) وہ انگریز کی زبانی ''اکثریت کی حکومت'' کی لوری سن کر اکھنڈ بھارت اور رام راج کے خواب میں مست ہے! آپ اسے لاکھ رعایات دیں، اعتماد بحال کریں، قیام امن اور دوستی کے لئے تجاویز دیں وہ انگریز کی لوری اور اپنی مصنوعی اکثریت میں مستی سے یوں جھوم رہا ہے کہ اسے اور کچھ نہ نظر آتا ہے اور نہ اسے گوارا ہے، اسے تو بڑا بننے کا شوق ہے، وہ چین، امریکہ اور روس کے برابر کھڑا ہونے کا آرزومند ہے، اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ پاکستان اور سب سے بڑا خطرہ اسلام ہے! وہ ان سے جلد سے جلد جان چھڑا کر اور چین کے مدمقابل آکر جلد سے جلد اپنی منزل پر پہنچنا چاہتا ہے!۔

قرآن کریم کے نظریہ انسانی اخوت و مساوات کا یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ اس میں زبردستی عقیدہ بدلنے کی شدید ممانعت ہے اور کسی کے مذہب میں مداخلت یا توہین سے بھی منع کیا گیا ہے (231)، اگر سیکولرازم مذہبی آزادی اور کسی کے عقیدہ میں عدم مداخلت کا نام ہے تو پھر اسلام سے بڑھ کر دنیا کا کوئی آئین غیر جانبدار اور مدینہ منورہ کی اولین اسلامی ریاست سے بڑھ کر اس روئے زمین پر آج تک کوئی اور غیر جانبدار ریاست قائم ہی نہیں ہوئی! اسی طرح اہل کتاب۔ مسلم، مسیحی، یہودی۔ مفاہمت، تعاون اور باہمی مکالمہ

کی دعوت بھی سب سے پہلے قرآن نے دی ہے جو آج بھی قائم و دائم ہے! کیونکہ عالمگیر انسانی برادری و برابری کی جو دعوت دی گئی ہے اس کی وسعتوں کا دائرہ سب کو شامل ہے!

برعظیم (برصغیر) کے اچھوت کو اسلامی اخوت و مساوات کا پیغام پہنچانے اور اسے ہزاروں سال کی غلامی سے آزاد کرانے میں ہم کل بھی کچھ نہ کر سکے اور آج بھی اس سے غافل ہیں، اگر برعظیم میں امن اور دوستی کا دور آسکے تو اس کا سب سے زیادہ فائدہ اسلام کو پہنچے گا اور سب سے زیادہ نقصان گھمنڈی برہمن کا ہے اور وہ اسے خوب جانتا اور سمجھتا ہے، ماضی میں ہر فسادات کی آگ اور جنگ سازشی برہمن کا ہتھیار تھا اور آج بھی وہ اسی ہتھیار کو آزمانے کے جتن کر رہا ہے، پاکستانی اور اسلامی قیادت اگر برعظیم میں قیام امن اور دوستی کی فضا کو ممکن بنا سکے تو یہودی اور ہندو مفاد پرستوں کو شکست دی جا سکتی ہے اور اگر پاکستان کے حکمران کرسی کے مزے لوٹنے کے لئے اقتدار پر قبضہ کرنے اور پھر اسے بچانے کے کھیل میں لگے رہے تو پھر گھمنڈی برہمن ''اپنے ہندو مزاج اور ہندو نواز مسلمانوں'' کے ذریعہ تاریخ کو دہراتا رہے گا!

یہ وقت قرآن کریم کے عالمگیر انسانی برادری اور برابری کے تصور کو عام کرنے کا ہے، اہل اسلام کو اسلامی اخوت و مساوات کو اپنے اتحاد، محبت اور تعاون کا وسیلہ بنانا پڑے گا! اور اگر ہم رنگ و نسل، علاقائیت، ذات پات، چھوت چھات کی ہندوانہ راہ پر چلتے رہے تو پھر نہ ہم برعظیم کی غیر ہندو غالب اکثریت کو نجات دلا سکیں گے اور نہ اپنا وجود برقرار رکھ سکیں گے! ہماری اسی روش پر تو اقبال کو دکھ ہوتا تھا (232):

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہے سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟!

اور یہ کہ:

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟!

المختصر یہ کہ عالمگیر انسانی اخوت و مساوات کا قرآنی پیغام اور اپنی امت کو اسلامی اخوت و مساوات کے ایمانی و روحانی رشتہ میں پروکر زندۂ جاوید بنانا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے امتیازی خصائص میں سے ہے، انبیائے سابقین میں سے کسی نبی یا رسول کو یہ شرف نہیں بخشا گیا مگر یہ اخوت و مساوات ہمیشہ سے فرزندان آدم کی ضرورت تھی اور رہے گی! انسانی عزت و وقار، سکون و اطمینان اور خوشی و خوشحالی اخوت و مساوات کے اسلامی تصور پر موقوف ہے! آج کے انسان کی ضرورت اور آرزو بھی یہی ہے، اسی میں برعظیم کے مغلوب اور دکھی اچھوت کا علاج ہے اور عالمی امن کے قیام کی ضمانت بھی یہی ہے!

یہ ایک مختصر جائزہ تھا اس پیغام کا، اس نظامِ زندگی کا اور اس نظامِ عدل، امن اور مساوات کا جو رسولِ عربی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو عطا کیا، نہ صرف عطا کیا بلکہ عملی طور پر اس کو نافذ بھی کیا اور اس کے نتائج اور ثمرات بھی سامنے آئے جو تاریخ کی ایک امانت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دنیائے انسانیت کو جو فائدہ اور سکون ملا اس پر تاریخ کے صفحات گواہ ہیں۔ آپ نے جو کچھ اللہ کی امانت کے طور پر انسانیت تک

پیغام پہنچایا وہ حرف بہ حرف محفوظ بھی ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ بھی گیا ہے اور جیسے جیسے انسان علم اور عقل کی روشنی میں بیدار ہو رہا ہے اور ہوتا جائے گا اسی قدر اس اللہ کے پیغام آخرین سے بھی آگاہ ہو رہا ہے اور ہوتا جائے گا یہاں تک کہ تمام انسانیت ایک دن اس سے پوری طرح آگاہ ہو جائے گی۔

لیکن ان گروہوں کی فتنہ پروری سے بھی آگاہ رہنے کی ضرورت ہے۔ان کے بپا کئے ہوئے فتنوں کو دبانے اور حقائق واضح کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔اس وقت امن دشمن طاقتیں نعروں کے پردوں میں اور حیلوں، بہانوں سے اسلامی دنیا کے خلاف خفیہ اور کھلے طور پر برسر پیکار ہیں، ان میں بھارت کا ہندو برہمن اور اسرائیل کا صیہونی یہودی۔ ہیں تو پرانے کھلاڑی مگر کھل کر اب سامنے آئے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف ہیں۔ اسلام کسی قوم پر غلبہ یا فتح نہیں پانا چاہتا، اسلام تو صرف عدل، امن اور مساوات کا پیغام ہے، جسے یہ پسند آئے اور خوشگوار لگے وہی اسے اپنائے گا۔ لیکن اصل بات اور اصل کام یہ ہے کہ جو لوگ اس پیغام حق کی خفیہ سازشوں کے ذریعے مخالفت کر رہے ہیں ان کا پردہ چاک کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام امن، انسانیت کے احترام اور آزادی کے خلاف ہرگز نہیں۔ جو لوگ اسلام کو بگاڑ کر اور جعل سازی سے کام لیتے ہوئے دنیا کو غلط فہمی میں ڈالتے ہیں ان سے خبردار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ معمولی سی کوشش ہے جس میں سیرت نبوی کے بعض اہم پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہوئے ان دشمنان اسلام کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حواشی اور حوالے

1۔ قرآن کریم 13/31، کتاب اللہ کی رو سے شرک اسی ظلم عظیم میں ملوث ہونے سے بچنے والوں کو ہی دنیا اور آخرت میں امن اور چین نصیب ہوگا (قرآن کریم 82/6)۔

2۔ ایضاً

3۔ الخصائص الکبری 253/2

4۔ کلیاتِ اقبال اردو ص

5۔ قرآن کریم (129/2)

6۔ بائبل کتاب پیدائش ص 137

7۔ مسدس ص 223

8۔ قرآن کریم (32/9)

9۔ چمنستان ص 223

10۔ لسان العرب و تاج العروس مادہ ع د ل، ن ص ف، وزن، ک ی ل

11۔ ایضاً

12۔ ایضاً

13۔ ایضاً

14۔ ایضاً

15۔ قرآن کریم (83/2)

16۔ ایضاً 48/2 '123

17۔ ایضاً /2822

18۔ ایضاً (69/4)

20۔ ایضاً (2/65)

21۔ دیوان ظفر ص 23

22۔قرآن کریم(135/4)

23۔ایضا(15/42)

24۔ایضا(85/11)

25۔ایضا(58/7)

26۔ایضا(152/7)

27۔ایضا(9-7/55)

28۔ایضا(18/3)

29۔ایضا(29/7)

30۔ایضا(15/42)

31۔سورت الاعراف اور الشعراء میں اسی عبادت ربانی کا حکم تکرار سے آیا ہے

32۔قرآن کریم(25/57)

33۔ایضا(181/7)

34۔گلستان ص 732

35۔قرآن کریم(115/6)

36۔ایضا(51/2)

37۔صفۃ الصفوۃ 155/1

38۔قرآن کریم(135/4)

39۔ایضا(8/5)

40۔ایضا(48/4)

41۔ایضا(76/16)

42۔ایضا(279/2)

43۔ایضا(15/42)

44۔ایضا(90/16)

45۔خطبات سیرت ص 273

46۔ قرآن کریم (135/4)(8/5)

47۔ ایضاً (137/4)

48۔ تفسیر طبری 99/4

49۔ مجلہ علوم اسلامی بہاولپور ص 85

50۔ احکام القرآن 176/1

51۔ کلیاتِ اقبال اردو ص 223

52۔ (182/3)، (51/8)، (10/22)، (46/41)

53۔ ایضاً (31/40)، (108/3)۔

54۔ ایضاً (135,21/6)، (23/12)، (37/28).

55۔ ایضاً (/2)

56۔ بخاری کتاب الجہاد حدیث 180

57۔ بخاری 219/2

58۔ قرآن کریم (119/20)

59۔ شرع

60۔ بخاری کتاب المناقب (35)، کتاب الادب (95)

61۔ قرآن کریم (29/7)

62۔ ایضاً

63۔ المواہب اللدنیہ 273/1

64۔ تفہیمات الٰہیہ ص 163

65۔ قرآن کریم (21/22)

66۔ ایضاً (4-1/96)

67۔ متفق علیہ

68۔ قرآن کریم (15/42)

69۔ قرآن کریم (3-1/48)، الروض الانف 263/2

70۔ سیرۃ ابن ہشام, 117/1 الروض الانف 118/1

71۔ ایضاً

72۔ قرآن کریم 39/22

73۔ ایضاً 80/6

74۔ التاج (بذیل مادہ: ا م ن)

75۔ قرآن کریم 61/8

76۔ الروض الأنف 132/1

77۔ قرآن کریم 21/33

78۔ الروض الانف 7/2

79۔ The One Hundred: page 14

80۔ دیوان حافظ ابراہیم ص 232

81۔ سیرۃ ابن ہشام 273/2، الروض الأنف 272/2

82۔ دار ارقم تاریخ کے آئینہ میں ص 32

83۔ قرآن کریم 61/8

84۔ الروض الأنف 122/1

85۔ اسلامی جمہوریت ص 43-48

86۔ ایضاً

87۔ قرآن کریم 18/39

88۔ ایضاً 39/30

89۔ ایضاً 107/21

90۔ صحیح مسلم 273/1

91۔ قرآن کریم 16/10

92۔ ایضاً

93۔ سبل الہدی والرشاد 7/3

94۔قرآن کریم (5-1/96) امر وجوب یا استحباب پر دلالت کرتا ہے لیکن اس اولین وحی ربانی کو بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث۔ ہر مسلمان مرد اور عورت پر حصول علم فرض ہے۔ کے ساتھ ملا کر پڑھیں اور سمجھیں تو حصول علم کی فرضیت ثابت ہو جاتی ہے۔

95۔دیوانِ متنبی مع شرح عکبری ص:7۔

96۔قرآن کریم (81/17)

97۔A Litrary History of the Arabs,Page:141.

98۔ماہنامہ تنظیم اہلسنت، لاہور، جنوری 1952ء ص:36۔

99۔قرآن کریم (82/5)۔

100۔ایضاً (9/15)۔

101۔ایضاً (28/48)۔

102۔ایضاً (256/2)

103۔ایضاً (2-1/4)۔

104۔ایضاً (13/49)۔

105۔کلیات اقبال اردو، لاہور 1999ء، ص:123۔

106۔قرآنِ کریم (13/49)۔

107۔ایضاً (70/17)۔

108۔گلستانِ سعدی، لاہور (ت ن) ص:32۔

109۔قرآنِ کریم (11-1/90)

110۔کلیات اقبال فارسی، طہران 1977ء، ص:273۔

111۔قرآنِ کریم (11-1/90)۔

112۔میثاق مدینہ، لاہور، 1400ھ، السہیلی: الروض الانف: 23/2، ملتان، 1996ء۔

113۔ابن کثیر: البدایہ والنھایہ، 223/2، دمشق، 2006ء۔

114۔قرآنِ کریم (256/2)۔

115۔ایضاً (48/4)۔

116۔ ایضاً (108/6)

117۔ طبری 223/3 قاہرہ، 1966ء، البدایہ والنھایہ 224/2، دمشق 2006

118۔ السہیلی: الروض الانف: 73/2، ملتان، 1996ء

119۔ قرآن کریم (9/56)

120۔ کلیات اقبال اردو ص 473، لاہور 1979ء

121۔ قرآن کریم (179/7)

122۔ ایضاً (40/22)

123۔ ایضاً (16-4/28)

124۔ ایضاً (47/8)

125۔ ایضاً (16/17)

126۔ ایضاً (1/4)

127۔ ایضاً (22/30)

128۔ المعجم المفھرس لالفاظ القرآن الکریم ص 666، مکتبہ رحمانیہ لاہور، تاریخ ندارد، سورہ العنکبوت (43/29) اور الروم (22/30) میں یہ جمع کا صیغہ سکالر یا سائنسدان کے لیے آیا ہے:

129۔ اردو ترجمہ المقدمہ ص 523، کراچی 1956ء

130۔ قرآن کریم (18/5)

131۔ ایضاً (82/5)

132۔ ایضاً (64/3)

133۔ ایضاً (82/5)

134۔ ایضاً (64/3)

135۔ ایضاً (82/5)

136۔ ایضاً (286/2)

137۔ کلیات اقبال اردو ص 273، لاہور 1999ء

138۔ قرآن کریم (199/2)

139۔ کلیاتِ اقبال فارسی ص 643، لاہور، 1986ء

140۔ ایضاً

141۔ قرآن کریم (28/5)

142۔ بائبل (پیدائش آیت 138)

143۔ الروض الانف 173/2، ملتان، 1996ء

144۔ ماہنامہ ''المسلمون'' قاہرہ، فروری 1950ء

145۔ طبقات الشعراء، لابن سلام ص 16، قاہرہ 1955ء، العمدۃ لابن رشیق القیروانی ص 43، رسالہ فنون، لاہور 1966ء مصنف کا مقالہ بعنوان ''حضرت عمر کا ادبی ذوق''

146۔ عبقریۃ عمر للعقاد ص 453، تاریخ النقد والقصۃ ص 223، قاہرہ، 1958ء

147۔ قرآن کریم (1/4)

148۔ لسان العرب بذیل مادہ

149۔ ایضاً

150۔ کلیاتِ اقبال اردو ص 104، لاہور 1999ء

151۔ قرآن کریم (23/42)

152۔ ایضاً (8/29)، (15/31)

153۔ سیرت طیبہ اور ازواج مطہرات ص 32، لاہور، 2007ء

154۔ لسان العرب بذیل مادہ (ت ر ب) (س غ ب)

155۔ قرآن کریم (106/2)

156۔ طبقات ابن سعد 113/1، قاہرہ، 1976ء، الکامل لابن الاثیر 133/2

157۔ قرآن کریم (103/3-104)، تاریخ الخمیس 352/1-353، قاہرہ، سبل الہدیٰ والرشاد 465/3

158۔ سیرت طیبہ اور ازواج مطہرات ص 32

159۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، مادہ "نصر" اور "ہجر"

160۔ تاریخ الخمیس 352/1-353، سبل الہدیٰ والرشاد 465/3

161۔ ایضاً

162۔ قرآن کریم (3-1/103)

163۔ ضیاء النبی 203-170/3، لاہور، ت، ن،

164۔ قرآن کریم (9/59)

165۔ طبقات ابن سعد 71/4

166۔ تاریخ الخمیس 253-252/2 سبل الہدیٰ والرشاد 465/3، ضیاء النبی 203-170/3

167۔ طبقات ابن سعد 173/1، روح المعانی 153/22 تفسیر الطبری 16/12

168۔ سبل الہدیٰ والرشاد 530/3، ضیاء النبی 197/3

169۔ ایضاً

170۔ سبل الہدیٰ والرشاد 530/3

171۔ ضیاء النبی 174/3

172۔ الروض الانف 173/2

173۔ تاریخ الخمیس 352/2

174۔ شرف المصطفیٰ 394-392/3

175۔ ضیاء النبی 175/3

176۔ شرف المصطفیٰ 394-392/3

177۔ ایضاً

178۔ ایضاً

179۔ ایضاً، فتح الباری لابن حجر 271-170/7

180۔ ایضاً

181۔ قرآن کریم (3-1/103)

182۔ ایضاً (201/2)

183۔ سیرۃ ابن ہشام 155

184۔ تفسیر المراغی 189/21 مصر، 1952ء

185۔اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ص 133 دمشق، 1939ء،

الامۃ،زکی مبارک ص 73، دمشق، 1958ء

186۔ایضاً

187۔ایضاً

188۔ایضاً

189۔جامع الترمذی 257/2

190۔ایضاً

191۔قرآن کریم (18-1/90)

192۔ایضاً (104-103/3)

193۔اندلسی مفسر قرآن علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہجرت کے بعد پرانے فتنوں کو جگانے والے مفسد اور شرپسند یہودیوں میں سے قیس بن شاس سب سے آگے آگے رہتا تھا، وہ مہاجرین وانصار کے اتحاد واتفاق اور باہمی محبت وایثار سے بہت جلتا تھا، اوس اور خزرج کے اجتماع کو دیکھ کر جل بھن گیا اور یوم بعاث کی یاد دلا کر لڑوانے کی کوشش کی، قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت جا کر آگ پر پانی ڈال دیا، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی 152/4، قاہرہ 1923ء

194۔قرآن کریم (47/15)

195۔ایضاً (5/33)

196۔کلیاتِ اقبال اردو ص 315

197۔قرآن (10-9/59)

198۔ایضاً (10-9/49)

199۔جامع الترمذی (452/2) ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم

200۔ایضاً تفسیر القرطبی 212/16، قاہرہ بدون تاریخ

201۔ایضاً

202۔صحیح مسلم ص 585، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2001ء

203۔ایضاً ص 41، نزہۃ القاری 314/1، کتاب الایمان، لاہور، سن

204۔جامع الترمذی 252/2

205۔ایضاً

206۔ایضاً

207۔ایضاً

208۔صحیح البخاری 27/1، صحیح مسلم 81/1

209۔سنن ابن ماجہ 193/2

210۔ایضاً

211۔کلیاتِ اقبال فارسی ص 277

212۔طبقات ابن سعد 376-378 داراحیاء والتراث العربی، بیروت، ت،ن
سبل الہدی 147/2-151 قاہرہ 1958ء، البدایۃ والنہایۃ 322/2، دارالکتب العلمیۃ، بیروت
2003ء، سیرۃ ابن ہشام ص 155، دارالکتب العلمیہ بیروت 2001ء

213۔ایضاً

214۔رسول اللہ ﷺ کی مدح میں حضرت ابوطالب ؓ نے فرمایا تھا: ثمال الیتامی عصمة للارامل "(آپ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں) اور یہی بات سب سے پہلی ایمان لانے والی خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمائی تھی"
ابوطالب مومن قریش ص 453، محمد علی زعبی، بیروت، 1956ء
سیرۃ ابن ہشام 75/2، البدایۃ والنہایۃ 455/1

215۔ایضاً

216۔قرآن کریم (81/3-82)

217۔کلیات اقبال اردو ص 456

218۔J.S.Hoyland:Islamic Civilization,
Page:183,London,1949

219۔ضیاء النبی 170/3-203، لاہور، ت،ن

220۔P.K Hitti History of the Arabs Page:452

نیویارک، 1961ء

221۔محمد الخضری، محاضرات 37/2 قاہرہ، 1932ء

222۔ایضاً 345/1، ابن الجوزی، عمر بن عبدالعزیز ص,153 قاہرہ 1354ھ

223۔کلیاتِ اقبال اردو ص232

224۔احمد المقری: نفح الطیب 121/1 قاہرہ، 1958

225۔المسعودی: مروج الذہب 122/2، قاہرہ، 1937ء

226۔محمد یوسف عرفان: Dr B.R Ambedkar,Lahore,N.D

227۔ایضاً ص56

228۔ایضاً ص82

229۔ایضاً

230۔ایضاً ص112

231۔قرآن کریم (108/1,256/2)

232۔کلیاتِ اقبال اردو ص313

The Prophet of Islam (MPBUH) As

The Messenger of Justice and Peace

By

Dr. Zuhoor Ahmad Azhar
Prof. Emeritus of Arabic
The University of the Punjab